وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ

سلسلۂ دار المصنفین

(۵۲)

تابعین

یعنی

چھیانوے ۹۶ اکابر تابعین رضی اللہ عنہم کے سوانحِ زندگی اور اُن کے مذہبی، اخلاقی، علمی، اصلاحی اور مجاہدانہ کارناموں کا تفصیلی مُرقّع،

مرتبہ

شاہ معین الدین احمد ندوی رفیق دار المصنفین

باہتمام

مولوی مسعود علی صاحب، ندوی

(۱۳۵۲ھ در مطبع معارف شہر اعظم گڈھ مطبوع گردید ۱۹۳۴ء)

فہرست اسماء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

از

جناب نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمان خان شروانی صدرنشین دارالمصنفین

اسلام بنی نوعِ انسان کے واسطے ایک قانونِ حیات لایا تھا جس مین علم وعمل دونون شامل تھے، علم کی معراج معرفتِ ربانی تھی، عمل کا اعلیٰ پایہ صدق وعدل کی تکمیل تمت کلمتہ ربک صدقا وعدلا کا اس حیاتِ طیبہ کا کامل نمونہ ذاتِ اقدس تھی صلی اللہ علیہ وسلم، لَقَدْ کَانَ فِی رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ، حیات انسانی کے جتنے اعلیٰ شعبے ہو سکتے ہین ان سب کے کامل سبق آموز نمونے حیاتِ مبارکہ مین موجود تھے،

آپ کے نمونے کی پیروی سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امانتِ حیات کے امین ہوئے، بقدر قوت واستعداد ان حضرات مین سے ہر ایک بزرگ نے حصہ پایا، مظہر اتم خلفاے راشدین تھے، صحابہ کرام سے یہ امانت تابعینؒ والامقام کو پہنچی یہی وہ امانت تھی جس کے تحمل سے زمین وآسمان گھبرا اٹھے تھے، ان بزرگون نے جس عزم اور ہمت واستقامت سے حقِ امانت ادا کیا وہ تاریخ انسانی کا ایک روشن اور حیات آفرین باب ہے، بالآخر حقِ امانت ادا کرکے تبع تابعین کے سپرد فرما گئے، انسانی بہترین خدمتون مین سے ایک خدمت بزرگانِ موصوف کے صحیح اور مستند حالات کی اشاعت ہے،

دارالمصنفین کو جزائے خیر ہو کہ اس سے پہلے سیرۃ مبارک اور صحابہ کرامؓ کے حالات مین متعدد جلدین شائع کر چکا ہے، اب نوبت حالاتِ تابعینؒ کی ہے، اسی سلسلے مین رفیقِ دارالمصنفین مولوی معین الدین ندوی صاحب نے یہ جلد تالیف کر کے مسلمانون پر خصوصًا اور سارے انسانون پر عمومًا لطف و کرم فرمایا ہے، جزاہ اللہ تعالیٰ خیرًا،

اس کتاب کو پڑھ کر اور مختلف مقامات کو بار بار دیکھ کر مین کہہ سکتا ہون کہ حق محنت و سعی ادا کیا گیا ہے، مستند اور معتمد ماخذون سے حالات لے کر صاف و دلنشین پیرایے مین قلمبند کئے ہین ۹۶ اکابر تابعین کے حالات ہین، ظاہر ہے کہ کل کے مقابلے مین یہ ایک جزء ہے، تاہم جزء اعظم ہے میرا خیال ہے کہ ایک جلد اور شائع ہو گی جسمین بقیہ اکابر کے حالات ہون گے، زیادہ نمایان امام اعظمؒ کا عدم ذکر ہے، جو امید ہے کہ اپنے موقع سے ہو گا، کوتاہی ہو گی اگر ایک اہم امر کی جانب توجہ مبذول نہ کرون، وہ یہ کہ ہر بیان اور ذکر کا ایک پیرایہ اور اسلوب ہے شایستہ پیرایہ اور بلیغ اسلوب، اس کا لحاظ تالیف و تصنیف کی تہذیب و شایستگی ہے، اکابرِ مذہب کا ذکر صدیون سے ایک خاص اسلوب سے ہوتا آیا ہے جو شایستگی اور ادب کا نمونہ ہے، اسکا ترک نگاہ اور قلب دونون کو زحمت رسان ہے، اس سے بھی زیادہ نظر کو بلند کیجئے، مذہبِ حق کا فیض تاثر و تقدس سے وابستہ ہے، یعنی قلب، مذہب حق کے تقدس سے اس وقت فیضیاب ہو گا کہ شان تقدس آشنائی اپنے اندر پیدا کرے ؎

تا نہ گردی آشنا ازپردہ رمزے نشنوی
گوشِ نامحرم نباشد جاے پیغام سروش

تقدس سے لگاؤ اس وقت ہو گا کہ ادب و عظمت کا اہتمام ہو، یہ اہتمام چاہتا ہے کہ اکابرِ مذہب کا ذکر بھی عظمت و ادب کے اہتمام و اظہار کے ساتھ ہو،

کم سے کم مین نے یہ امر محسوس کیا ہے، کہ بزرگانِ دین کے ذکر و بیان کا جو اسلوب سلفِ صالحین

نے قائم کیا ہے، جب دورانِ بیان اس کا لحاظ نہ رہے تو بعینہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نظر کو ایک دھکا لگا اور بلندی سے پستی پر آرہی، تقدّس بیان کا جو اثر دل پر ہو رہا تھا اس کا سلسلہ درہم برہم ہو گیا،

خلاصہ اکابر تابعینؓ کے نامون کے ساتھ مقررہ اسلوب کے مطابق امام وغیرہ الفاظ کا عدم استعمال اسلوبِ ادب کے خلاف محسوس[له] ہوتا ہے،

حبیبُ الرّحمان

حبیب گنج   ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ

له اعتذار، از مؤلف :- حضرت مولانا نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بالکل صحیح ہے، لفظ امام وغیرہ اگرچہ مین نے جابجا کتاب مین لکھا ہے مگر اس کا ترک بھی ہوا ہے، اس عدم التزام کے سبب مین ان بزرگون کی روحون سے شرمندہ ہون، انشاء اللہ طبع ثانی مین اس کا پورا لحاظ رہے گا، (معین الدین احمد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دیباچہ

ایمانی قوت، دینی حمیت، مذہبی واخلاقی روح اور علمی وعملی خدمتون کے اعتبار سے اسلام کے خیر القرون کے بہ ترتیب تین زرین دور یا تین طبقے ہین، صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ، ان ہی تین دورون مین مسلمان دینی اور دنیوی سعادت وفلاح کی معراج کمال کو پہنچے اس کے بعد جو ترقیان ہوئین وہ صرف ایوان تمدن کے نقش ونگار ہین،

ان تینون طبقون مین سے دوسرا طبقہ یعنی تابعینؒ جو اس کتاب کا موضوع ہے، اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ وہ صحابۂ کرام کی، جو دین کا اصل سر چشمہ تھے، اور تبع تابعین کی جس مین تمام بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوئے، درمیانی کڑی ہی اسی نے صحابہ کی علمی اور اخلاقی برکتون کو سارے عالم مین پھیلایا،

کلام اللہ اور احادیث نبوی دونون ان کے فضائل پر شاہد ہین، کلام اللہ مین اُن کے فضائل و امتیازات یہ بتائے گئے ہین اور مہاجرین و انصار کے ساتھ انھین بھی رضوان الٰہی کی دولت سے سرفراز کیا گیا ہی،

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ	اور مہاجرین و انصار مین سے جن لوگون نے
الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ	قبول اسلام مین سبقت کی اور جن لوگون
اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ	نے خوشدلی کے ساتھ ان کا اتباع کیا خدا
عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ	اُن سے خوش اور وہ خدا سے خوش ہین اور
جَنّٰتِ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا	خدا نے ان کے لئے باغ تیار کئے ہین جن کے
الْاَنْهَارُ،	نیچے نہرین روان ہین،

ظاہر ہے کہ اس آیت پاک کا مصداق تابعین کرام ہی ہین کہ وہی عمل مین مہاجرین و انصار کے "تابع" اور زمانہ کے لحاظ سے ان کے بعد تھے، اور اسی لئے عرف عام مین اُن کا لقب "تابعی" رکھا گیا ہے،

احادیث مین اس سے زیادہ صریح اور واضح الفاظ مین ان کا تعارف ہو اور ان کو خیر کے لقب سے سرفراز فرمایا گیا ہو،

خیر امتی القرن الذین یلونی	میری امت مین اس زمانہ کے لوگ بہتر ہین
ثم الذین یلونھم ثم الذین	جو مجھ سے ملا ہوا ہو (صحابہؓ) پھر وہ لوگ جو
یلونھم الخ (مسلم کتاب الفضائل)	ان سے ملے ہوئے ہین (تابعین) پھر وہ لوگ
	جو ان سے ملے ہوئے ہین (تبع تابعین)

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہین،

خیر الناس قرنی ثم الذین	سب سے بہتر لوگ میرے زمانہ کے ہین (صحابہؓ
یلونھم ثم الذین یلونھم الخ	کرام) پھر وہ جو ان سے متصل ہین (تابعین)
(ایضا)	پھر وہ لوگ جو ان سے متصل ہین (تبع تابعین)

یہ تینون اپنے اپنے زمانہ کے لئے باعث خیر و برکت تھے، اسلام کو انہین کی خیر و برکت سے روحانی اور مادی فتوحات حاصل ہوتی تہین،

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگون پر ایک
قال یاتی علی الناس زمان	ایسا زمانہ آئیگا کہ ایک جماعت جہاد کریگی
یغزو فئام من الناس، فیقال	اس سے پوچھا جائیگا کہ تم مین کوئی ایسا شخص
لھم فیکم من رأی رسول اللہ	ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ وسلم فیقولون	کو دیکھا ہو، وہ لوگ کہین گے ہان (ان کی
نعم فیفتح لھم ثم یغزو فئام	برکت سے) ان کے لئے فتح دیجائے گی،
من الناس، فیقال لھم فیکم	پھر ایک جماعت جہاد کرے گی اُن سے
من رأی من صحب رسول اللہ	پوچھا جائیگا کہ تم مین کوئی ہے جس نے اس
صلعم فیقولون نعم فیفتح لھم الخ	شخص کو دیکھا ہو جو رسول اللہ کے ساتھ
	رہا تو وہ کہین گے ہان تو (ان کی برکت سے)
(مسلم کتاب الفضائل)	فتح دیجائے گی،

یہ مقدس جماعت علم و عمل مین صحابۂ رسول کا عکس و پرتو تھی، اس نے رسول اللہ صلعم کی تعلیمات اور صحابہ کی علمی اور اخلاقی وراثت کو مسلمانون مین پھیلایا، عہدِ رسالت کے بُعد اور شخصی حکومت کے اثر سے اسلامی نظام مین جو خرابیان پیدا ہو گئی تھین اُن کی اصلاح کی، اور اگر اصلاح نہ کر سکی تو ان خرابیون کے مقابلہ مین اسلام کے مصفا سرچشمہ کو باہر کے گرد و غبار اور کدورت سے اپنی کوششون سے محفوظ رکھا، مذہبی علوم کی حفاظت و اشاعت کی نئے علوم کی بنیاد رکھی، اسلامی سلطنت کے حدود کو وسیع کیا، اسلام کو پھیلایا، غرض ان تمام برکتون کا جنکا عہدِ صحابہ مین آغاز ہوا تھا،

تکمیل تک پہنچایا اور جو پوری ہو چکی تھین ان کی حفاظت کی،

امام زہری، مکحول شامی، ابراہیم نخعی، قاضی شریح، عکرمہ، سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہم وغیرہ نے علم کا پایہ سنبھالا، محمد بن سیرین، سعید بن مسیب، محمد بن جبیر، امام زین العابدین وغیرہم نے (خدا ان سے راضی ہو) اخلاق کا درس تازہ کیا، حسن بصری، اویس قرنی اور عامر بن عبداللہ رضوان اللہ علیہم نے عشق و محبت کی آگ سوزان رکھی، عمرؒ بن عبدالعزیز نے خلافتِ راشدہ کے نمونہ کو زندہ کیا، غرض تابعین کرام نے علم و عمل کے ہر شعبہ مین مسلمانون کے لئے بہترین اُسوہ چھوڑا، علم اور اخلاق وغیرہ کی یہ تقسیم محض اعتباری اور وصفِ غالب کی بنا پر ہے، ورنہ علم و اخلاق کے سارے محاسن کم و بیش ان تمام بزرگوں میں مشترک تھے،

ان سب کا مشترک اور اہم کارنامہ، دینی علوم کی جس پر مذہب اسلام کا دارومدار ہی، حفاظت و اشاعت اور قرآن و حدیث سے متفرع علوم کی تاسیس ہی، اگر ان بزرگون نے جانکاہ تکلیفین اور مشقتین اٹھا کر اس خزانہ کو محفوظ نہ کیا ہوتا تو اس کا بڑا حصہ برباد ہو جاتا، (اس کے حالات اصل کتاب مین آئین گے) تبع تابعین کے دور کے تمام بڑے بڑے ائمہ جن کے فیض سے آج مذہبی علوم زندہ ہین، سب تابعین رضی کے حلقۂ درس کے فیض یافتہ تھے،

یون تو تابعی ہر وہ شخص ہی جس نے کسی صحابی کی صحبت اٹھائی ہو یا اُسے دیکھا ہو، لیکن جس طرح ہر صحابی صحابیت کا مکمل نمونہ نہین، اور اس کی تکمیل کے لئے کچھ شرائط ہین، اسی طرح ہر تابعی بھی حقیقی تابعی نہین، صحابہ مین ابوبکر صدیق بھی تھے اور ابوسفیان بھی یہی فرقِ مراتب خدمات اور کارنامون کے اعتبار سے تابعین مین بھی ہے، تابعین مین امام زین العابدین بھی ہین، اور یزید بن معاویہ بھی لیکن شتّان بینہما اُس لحاظ سے اُن بیشمار تابعین کو اس کتاب سے خارج کر دیا گیا ہی، جن کی زندگی مین ہمارے لئے کوئی نمونۂ عمل نہین کہ ع محفلِ خاص ہی یہ رہ گذرِ عام نہین،

ان کے علاوہ تابعین مین بڑے بڑے فاتحین اور کشورکشا بھی ہین جن کی تلوارون نے مشرق و مغرب کے ڈانڈے ملادیئے، کچھ سلاطین و فرمانروا بھی ہین جنکی تمدن نوازی نے اسلامی حکومت کو تمدن کا تماشاگاہ بنادیا، ان سب کی اچھی کوششین امت مرحومہ کے شکریہ کی مستحق ہین، لیکن اس کتاب کا مقصد اُن ہی برگزیدہ نفوس کے حالات پیش کرنا ہے، جنھون نے مسلمانون کے لئے کوئی اخلاقی یا مذہبی نمونہ چھوڑا ہے اور جن کے اخلاقی نمونون سے اسلام کی روح زندہ اور جنکی علمی کوششون سے اسلامی علوم و فنون کی عمارت قائم ہے، اس لئے فاتحون اور کشور کشاؤن اور بادشاہون اور فرمانرواؤن کو بھی اس زمرہ سے علحدہ رکھا گیا ہے، کہ ان کی تو کسی زمانہ مین بھی کمی نہین، عبدالملک، ولید، سلیمان، اور قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر، مسلمہ، مہلب بن ابی صفرہ تو ہر زمانہ مین پیدا ہوتے ہین، لیکن حسن بصریؒ، اویس قرنیؒ، سعید بن مسیبؒ، ابن شہاب زہری اور محمد بن سیرین کے پیدا ہونے کے لئے صدیان درکار ہین،

سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب | لعل گردد در بدخشان یا عقیق اندر یمن
قرنہا باید کہ تا یک کودکے از لطف طبع | عالمے گویا شود یا فاضلے صاحب سخن

نفس کتاب کے متعلق گذارش ہی کہ اس کی کوشش کی گئی ہی کہ اس مین اکابر تابعین کرام کے علمی اخلاقی اور مذہبی کارنامون کو اس طرح پیش کیا جائے کہ اس عہد کی پوری علمی و اخلاقی تاریخ سامنے آجائے

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ سیر الصحابہ کے چھٹے حصہ مین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے حالات کے سلسلہ مین ضمناً حضرت محمد بن حنفیہ کے کچھ حالات بھی آگئے تھے، اب تابعین کے سلسلہ مین اُن کے مستقل حالات لکھنے کا اتفاق پیش آیا، ان دونون کتابون کے "واقعات" مین کم اور "نقطۂ نظر" اور نتائج مین زیادہ فرق ہی، اس کی وجہ یہ ہے کہ سیر الصحابہ لکھتے وقت حضرت محمد بن حنفیہ کے حالات کے بعض ماخذ میرے پیش نظر نہ تھے، جدید ماخذون کو دیکھنے کے بعد بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے

جن سے نقطۂ نظر مین بھی تبدیلی پیدا ہوگئی، اس لئے آخری تحقیق تابعین کے حالات مین ان شاء اللہ اگر سیر الصحابہ کے دوسرے اڈیشن کی نوبت آئی تو اس کی تصحیح کر دیجائے گی،

کتاب مین بعض کتابت و طباعت کی معمولی غلطیان رہ گئی ہین، جن سے کوئی کتابت مستثنیٰ نہین اور بعض ایسی غلطیان ہین جنھین جان بوجھ کر ناگزیر اسباب کی بنا پر گوارا کرنا پڑا، مثلاً حضرت عمر بن عبد العزیز کے حالات مین صفحات کے شمار کے ہندسون کا تسلسل قائم نہین رہ سکا، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ دار المصنفین سے چونکہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی مستقل سیرت شائع ہو چکی ہے، اس لئے انکے حالات شامل کرنے کا ارادہ نہ تھا، لیکن پھر دوران طباعت مین خیال بدل گیا، اس وقت ترتیب کے لحاظ سے کتاب کی طباعت ان کے نام تک پہنچ چکی تھی، اس لئے ان کے حالات کے صفحات کا تخمینہ کر کے دو جز چھوڑ کر کتاب کی طباعت جاری رہی، لیکن حالات اندازہ سے تقریباً دو چند ہو گئے اس لئے صفحات کے نمبرون کا تسلسل قائم نہ رہ سکا اور ان کو ملانے کے لئے کچھ ہندسے مکرر ہو گئے، لیکن اس سے نفس صفحات کی ترتیب مین کوئی فرق نہین پیدا ہوا وہ ویسے ہی مرتب ہین، صرف کچھ نمبر مکرر ہو گئے، اسی سلسلہ مین حرف "ع" کے نامون کی ہجائی ترتیب مین کچھ خفیف سا فرق ہو گیا ہے، اس کے علاوہ فروگذاشتون کی تصحیح کے لئے آخر مین استدراک لگا دیا گیا ہے،

آخر مین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مین دعا ہے کہ وہ تابعین کی سیرت کی تکمیل کے بعد کاتب سطور کو اکابر تبع تابعین کی سیرت نگاری کی سعادت بھی عطا فرمائے کہ اس کے ناچیز ہاتھون سے سیر الصحابہ سے لے کر تبع تابعین تک کا سلسلۃ الذہب پورا ہو جائے، اور ان نفوس قدسیہ کے طفیل مین ان اوراق کو مؤلف کے لئے پروانۂ مغفرت بنا دے وما ذالک علی اللہ بعزیز،

فقیر معین الدین احمد ندوی، دار المصنفین اعظم گڈھ، ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ

مطابق ۲۴ نومبر ۱۹۳۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱- ابراہیم بن یزید تیمی

نام ونسب ابراہیم نام، ابو اسما کنیت نسب نامہ یہ ہے، ابراہیم بن یزید بن شریک بن تیم الرباب تیمی، ابراہیم کوفہ کے عابد وزاہد تابعین میں تھے،

فضل وکمال فضل وکمال کے لحاظ سے کوئی ممتاز شخصیت نہ رکھتے تھے، تاہم کوفہ کے علمائے باعمل میں شمار تھا،[1]

حدیث حافظ ذہبی انھیں حفاظ میں شمار کرتے ہیں، حدیث میں اونھوں نے انس بن مالک، حارث بن سوید، عمرو بن میمون اور اپنے والد یزید سے استفادہ کیا تھا، حضرت عائشہؓ سے بھی روایت کی ہے، لیکن یہ روایات مرسل ہیں، بیان بن بشیر الحکم بن عتبہ، زبید بن حارث مسلم البطین اور یونس بن عبید وغیرہ ان کے زمرہ تلامذہ میں ہیں،[2]

زہد وعبادت ان کا امتیازی وصف ان کا زہد وتقویٰ ہے، ان کے والد یزید بن شریک بڑے عابد وزاہد تابعی تھے، اونھوں نے ہزاروں روپیہ پیدا کیا، لیکن دنیا سے کبھی آلودہ نہ ہوئے، اون کے لباس تک پر اون کی ثروت کا اثر ظاہر نہ تھا، ایک مرتبہ ابراہیم نے ان کے جسم پر روئی کا معمولی کرتہ جس کی آستینیں ہتھیلیوں تک لٹکتی تھیں، دیکھ کر کہا، ابا کوئی قرینہ کا لباس

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۳، [2] تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۷۶،

کیوں نہیں پہن لیتے، جواب دیا بیٹا جب میں بصرہ میں آیا تھا، اوس وقت ہزاروں پیدا کئے، لیکن اس سے میری خوشی اور مسرت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، اور نہ اسے دوبارہ حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی میں یہ چاہتا ہوں کہ جو ایک لقمہ میں کھاتا ہوں وہ اس شخص کے منہ میں جائے جو مجھے سب سے زیادہ مبغوض ہو، کیونکہ میں نے ابو درداءؓ سے سنا ہے کہ قیامت میں ایک درہم رکھنے والے سے زیادہ دو درہم رکھنے والے سے حساب ہوگا[1]،

ایسے زاہد باپ کی تعلیم و تربیت نے ابراہیم کو ابتدا ہی سے دنیا سے بے نیاز اور زہد و عبادت کی جانب مائل کر دیا تھا، چنانچہ آگے چل کر وہ اپنے عہد کے ممتاز ترین عباد میں ہوئے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ بڑے عابد و زاہد تھے، اور فاقہ کشی پر اون کو بڑی قدرت تھی[2]،

عبادت میں اس قدر اہتمام تھا کہ تکبیر اولیٰ کبھی قضا نہ ہوتی تھی، اور اوس سے غفلت کرنے والے کو گیا گذرا سمجھتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ جسے تکبیر اولیٰ میں تساہل کرتے دیکھو اوس سے ہاتھ دھو ڈالو[3]،

نماز میں کیف و استغراق کا یہ عالم تھا، کہ سجدہ کی حالت میں چڑیاں پیٹھ پر اڑ کے بیٹھتی تھیں اور چونچیں مارتی تھیں[4]، دو دو مہینے مسلسل روزے رکھتے تھے[5]، اور محض ایک انگور روزانہ پر پورا چلہ گذار دیتے تھے[6]،

لیکن اس زہد و عبادت پر بھی اپنے اعمال کو قابل اعتنا نہ سمجھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ جب میں اپنے قول و عمل میں موازنہ کرتا ہوں تو جھوٹا بننے سے خوف معلوم ہوتا ہے[7]،

ایثار کا بے مثل نمونہ اور شہادت، | ایثار اور قربانی کا مجسم پیکر تھے، اس کی آخری حد یہ ہے کہ دوسروں کیلئے

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۲۰۰، [2] تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۷۶، [3] طبقات کبری شعرانی ص ۳۶، [4] ایضاً، [5] ایضاً، [6] ایضاً، [7] طبقات کبری، ص ۳۶،

جان تک دیدینے میں دریغ نہ کیا، انھوں نے ایثار قربانی کا وہ نمونہ پیش کیا جس کی مثالیں کم ملتی ہیں حجاج ثقفی ابراہیم نخعی کا جو بڑے ممتاز عالم تابعی ہیں سخت دشمن تھا اور اون کے درپے آزار رہا کرتا تھا لیکن دست رس حاصل نہ ہو سکا، اس کے آدمی ہمیشہ ان کی تلاش میں رہتے تھے، ایک مرتبہ وہ ابراہیم نخعی کو تلاش کر رہے تھے، ابراہیم تیمی کو دونوں کی مخالفت کا علم تھا، اس علم کے باوجود اوھنوں نے ان کے بچانے کے لئے اپنے کو پیش کر دیا کہ "ابراہیم میں ہوں" تلاش کرنے والے آدمی ابراہیم نخعی کو پہچانتے نہ تھے، اس لئے ان کے اقرار پر انہی کو پکڑ لے گئے، حجاج نے زنجیروں میں جکڑوا کے دیماس کے قید خانہ میں جس کو اوس نے سنگین مجرموں کے لئے خاص طور سے بنوایا تھا ڈلوا دیا، یہ قید خانہ کیا تھا موت کا گھر تھا، اس میں سردی اور گرمی اور پانی اور دھوپ سے بچنے کا بھی کوئی انتظام نہ تھا، اس پر محن قید نے چند ہی دنوں میں ابراہیم کا رنگ وروپ ایسا بدل دیا کہ ان کی ماں تک اون کو نہ پہچان سکیں، لیکن وہ نہایت صبر و استقلال کے ساتھ ان مصائب کا مقابلہ کرتے رہے، اور ان کو جھیلتے جھیلتے بالآخر انتقال کر گئے، اون کی شب وفات کو حجاج نے خواب میں دیکھا کہ آج شہر میں ایک جنتی مر گیا ہے، صبح کو اوس نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ ابراہیم نے قید خانہ میں انتقال کیا، یہ سن کر اس جفا شعار نے کہا خواب شیطانی وسوسہ معلوم ہوتا ہے، اور ابراہیم کی لاش گھور پر پھینکوا دی[1]،

بعض اقوال، ابراہیم کے بعض اقوال نہایت حکیمانہ ہیں، فرماتے تھے کہ "انسان کے لئے علم کے نتائج میں سے خشیت الٰہی اور جہل کے نتائج میں سے اپنے عمل پر غرور کافی ہے، اور طمعیں انسان کو بدکرداریوں پر آمادہ کرتی ہیں[2]،

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۹،

[2] طبقات کبریٰ شعرانی ص ۳۶،

۲- ابراہیم بن یزید النخعی

نام ونسب ابراہیم نام، ابوعمران کنیت، نسب نامہ یہ ہے، ابراہیم بن یزید بن اسود بن عمرو بن حارثہ بن سعد بن مالک بن نخع نخعی، نخع قبیلہ مذحج کی ایک شاخ تھا، اور کوفہ میں آباد تھا،

فضل وکمال فضل وکمال کے لحاظ سے ابراہیم نخعی کوفہ کے ممتاز ترین تابعین میں تھے، ان کا گھرانا علم وعمل کا گہوارہ تھا، ان کے چچا علقمہ اور ماموں اسود دونوں کوفہ کے ممتاز محدثین میں تھے، ابراہیم نے انہی کے دامن میں پرورش پائی، علقمہ کا حلقۂ درس اتنا وسیع تھا کہ محمد بن سیرین جیسے اکابر اس میں شریک ہوتے تھے، ابراہیم بھی اسی حلقہ کے فیض یافتہ تھے[۱] اس کے علاوہ علقمہ اور اسود کے سلسلہ سے ابراہیم کو اس عہد کی بڑی بڑی ممتاز ہستیوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا، چنانچہ بچپن میں وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آتے جاتے تھے، ابومعشر کا بیان ہے کہ ابراہیم رسول اللہ صلعم کی بعض ازواج (حضرت عایشہؓ) کے پاس آتے جاتے تھے، ایوب نے اعتراض کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، اونھوں نے جواب دیا کہ بچپن میں بلوغ کے پہلے اپنے چچا اور ماموں علقمہ اور اسود کے ساتھ حج کو جاتے تھے، اور ان لوگوں کو ام المومنین حضرت عائشہؓ سے عقیدت وارادت اور اون کی مجلسوں میں اون صاحبوں کی آمد ورفت تھی[۲]، گو حضرت عائشہؓ سے ابراہیم کا سماع ثابت نہیں ہے لیکن حضرت عائشہؓ جیسی برگزیدہ ہستیوں کی مجلس میں شریک ہوجانا ہی حصول برکت وسعادت کے لئے کافی تھا،

ان بزرگوں کے فیض صحبت نے ابراہیم کا دامن دولت علم سے مالا مال کر دیا تھا، اور وہ اپنے عہد کے ممتاز ترین علما میں شمار ہوتے تھے، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق جلالت اور فقہی کمال پر سب کا اتفاق ہے ابوزرعہ نخعی کہتے ہیں، کہ وہ اعلام اہل اسلام میں ایک علم تھے[۳] اون کو

---

[۱] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۰، [۲] ایضاً، [۳] تہذیب الاسماء ق اول ج اول ص ۱۰۴،

حدیث و فقہ دونوں علوم میں بڑی دست گاہ حاصل تھی،

حدیث | حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے، حافظ ذہبی اون کو دوسرے طبقہ کے حفاظ میں شمار کرتے ہیں[1]

حدیث میں اونھوں نے اپنے دونوں ماموں اسود اور عبد الرحمٰن بن یزید اور مسروق، علقمہ، ابو معمر، ہمام ابن حارث، قاضی شریح، اور سہم بن منجاب وغیرہ سے استفادہ کیا تھا، اور اعمش، منصور، ابن عون، زبید الیامی، حماد بن سلیمان، اور مغیرہ بن مقسم ضبی وغیرہ ان کے زمرۂ تلامذہ میں تھے[2]

حدیث میں ان کے معلومات اس قدر وسیع تھے کہ اعمش کا بیان ہے کہ میں نے جب کبھی ابراہیم کے سامنے کوئی حدیث بیان کی تو اونھوں نے اس میں میرے معلومات اور بڑھا دیئے[4]

ان کی مرویات کا یہ درجہ تھا کہ ابن معین ان کی مرسل حدیثوں کو امام شعبی کی مرسل روایات سے زیادہ پسند کرتے تھے[3]

روایت بالمعنی | روایت حدیث میں الفاظ کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے تھے، اور بالمعنی روایت کافی سمجھتے تھے[5]

انتساب رسول میں احتیاط | لیکن اسی کے ساتھ وہ روایت کو رسول اللہ صلعم کے ساتھ منسوب کرنے میں بڑے محتاط تھے اور مرفوع روایات کے حفظ کے باوجود انھیں روایت نہ کرتے تھے، ابو ہاشم کا بیان ہے کہ میں نے ابراہیم سے پوچھا، آپ کو رسول اللہ صلعم سے کوئی حدیث نہیں پہونچی ہے، کہ اوس کو آپ ہم سے بیان کریں، جواب دیا کیوں نہیں، لیکن عمرؓ، عبد اللہؓ، علقمہ، اور اسود سے روایت کرنا اپنے لئے زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے[5]

فقہ | ابراہیم کا خاص فن فقہ تھا، اس فن کے وہ امام تھے، اون کے فقہی کمال پر سب کا اتفاق ہے[6]

[1] تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۷۷، [2] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۹، [3] تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۷۷،

[4] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۰، [5] ایضاً، [6] تہذیب الاسماء ق اول ج اول ص ۱۰۴،

حافظ ذہبی انھیں فقیہ عراق اور امام نووی فقیہ کوفہ لکھتے ہیں، امام شعبی نے ان کی وفات کے وقت کہا کہ "ابراہیم نے اپنے بعد اپنے سے بڑا عالم اور اپنے سے بڑا فقیہ نہیں چھوڑا" لوگوں نے کہا حسن بصری اور ابن سیرین کو بھی نہیں، شعبی نے جواب دیا نہ صرف حسن بصری اور ابن سیرین بلکہ اہل بصرہ، کوفہ حجاز اور شام میں کوئی بھی نہیں[1]، بڑے بڑے علماء فقہی مسائل کے سائلین کو ان کے پاس بھیجدیتے تھے، سعید بن جبیر کے پاس جب کوئی فتویٰ پوچھنے کے لئے آتا تو اوس سے کہتے ابراہیم کی موجودگی میں مجھ سے پوچھتے ہو[2]، ابو وائل کے پاس جب کوئی مستفتی آتا تو اوس کو ابراہیم کے پاس بھیجدیتے، اور اوراس سے کہدیتے کہ وہ جو جواب دیں مجھے بتانا[3]،

اظہارِ علم سے احتراز ان کمالات کے باوجود وہ اپنے علم کا اظہار کرنا اچھا نہ سمجھتے تھے، چنانچہ بغیر کسی کے سوال کئے ہوئے کبھی خود سے کوئی علمی تذکرہ نہ کرتے تھے[4] بلکہ سوالات تک سے گھبراتے تھے، زبید کا بیان ہے کہ جب کبھی میں نے ابراہیم سے کسی چیز کے متعلق کچھ پوچھا تو ان میں ناگواری کے آثار نظر آئے[5]،

ذمہ داری کا احساس اور احتیاط، اس کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ وہ علم کی بڑی ذمہ داری محسوس کرتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ ایک زمانہ وہ تھا جب لوگ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے ڈرتے تھے، اور اب یہ زمانہ ہے کہ جس کا دل چاہتا ہے مفسر بن بیٹھتا ہے، مجھے یہ زیادہ پسند ہے، کہ میں علم کے متعلق ایک کلمہ بھی منہ سے نہ نکالوں، جس زمانہ میں فقیہ ہوا وہ بہت ہی برا زمانہ ہے[6] میں نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے کہ جب وہ مجمعوں میں ہوتے تھے، تو اپنی بہترین احادیث بھی نہ بیان کرتے تھے،

[1] تہذیب الاسماء ق اول ج اول ص ۱۰۴، [2] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۹، [3] ایضاً ص ۱۹۰، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۴، [5] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۹، [6] طبقات کبریٰ امام شعرانی ج اول ص ۳۶،

اس ذمہ داری اور احتیاط کی وجہ سے مسائل کے جوابات میں بڑی احتیاط کرتے تھے، اعمش کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابراہیم سے کہا کہ میں چند مسائل آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں، فرمایا "میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ میں کسی شے کے متعلق کہوں کہ وہ اس طرح ہے، اور وہ اسکے خلاف ہو"[1]

دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ شہرت اور ریار کو سخت ناپسند کرتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ جو شخص علم کا ایک کلمہ بھی اس نیت سے منہ سے نکالتا ہے کہ اس سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے تو وہ اس کے وسیلہ سے سیدھا جہنم میں گرتا ہے، نہ کہ جس کی شروع سے آخر تک یہی نیت ہو[2]

استفادہ کے مخصوص اوقات، لیکن اس سے یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ اونھوں نے اپنی ذات سے استفادہ کا دروازہ بالکل بند کر دیا تھا، وہ مسائل بتاتے تھے، لیکن اس کے لئے خاص اوقات تھے جن میں ہر شخص مسائل پوچھ سکتا تھا، اور آپ اس کے جواب دیتے تھے، حسن بن عبید اللہ کا بیان ہے، کہ میں نے ابراہیم سے کہا کہ آپ ہم لوگوں سے حدیث نہ بیان کریں گے، جواب دیا کیا تم چاہتے ہو کہ میں فلاں شخص کی طرح ہو جاؤں، اگر تم کو اس کی خواہش ہے تو قبیلہ کی مسجد میں آیا کرو وہاں جب کوئی شخص کچھ پوچھے گا تو تم بھی جواب سن لوگے[3]

تحریر پر حفظ کو ترجیح، بعض قدما اور اسلاف کی طرح ابراہیم کو علم سفینہ سے زیادہ علم سینہ پر اعتماد تھا، چنانچہ وہ لکھتے نہ تھے، فضیل کا بیان ہے، کہ میں نے ابراہیم سے کہا کہ میں نے مسائل کو کتاب میں جمع کیا تھا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ خدا نے اوس کو مجھ سے چھین لیا، اونھوں نے کہا کہ جب انسان لکھ لیتا ہے، تو اس پر اوس کو اعتماد ہو جاتا ہے، اور جب انسان علم کی جستجو کرتا ہے، تو خدا اوس کو بقدر کفایت علم عطا فرماتا ہے[4]

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۰ [2] طبقات کبریٰ امام شعرانی ج اول ص ۳۷، [3] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۰، [4] ایضاً ص ۱۸۹،

فضائل اخلاق | اس علم کے ساتھ وہ عمل اور فضائلِ اخلاق کی دولت سے بھی مالا مال تھے،

عبادت وریاضت | نہایت عابد و زاہد اور متورع تھے، راتوں کی تنہائی میں لوگوں کی آنکھوں سے چھپ کر عبادت کرتے تھے، طلحہ کا بیان ہے کہ جب لوگ سو جاتے تھے، اس وقت ابراہیم ایک عمدہ حلہ پہن کر خوشبو لگا کر مسجد چلے جاتے تھے، صبح تک وہیں رہتے صبح کو حلہ اتار کر پھر معمولی لباس پہن لیتے تھے[1] عبادت کے اثر سے بالکل چور اور خستہ ہو جاتے تھے، اعمش کا بیان ہے کہ ابراہیم اکثر نماز پڑھکر ہمارے یہاں آتے تھے، دن چڑھے تک یہ حال رہتا تھا کہ بیمار معلوم ہوتے تھے،[2]

ایک دن ناغہ دیکر پابندی کے ساتھ روزہ رکھتے تھے[3]

پابندی سنت | سنت کے اتنے پابند تھے کہ معمولی سی معمولی سنت بھی ترک نہ ہوتی تھی، پیر دل پر مسح محض سنت ہے اور سنت بھی اختیاری، ابراہیم اس سنت کی پابندی میں اتنے متشدد تھے کہ فرماتے تھے، جس نے مسح نہ کیا اس نے سنت سے انکار کیا، اور سنت سے انکار شیطان کا کام ہے اگر رسول اللہ صلعم کے اصحاب نے محض ناخن ہی پر مسح کیا ہوتا تو بھی میں اتنی سی فضیلت کے حصول کے لئے اوس کو نہ دھوتا،[4]

صحت عقیدہ، | عقیدہ میں سلفِ صالحین کے عقائد سے سر مو تجاوز کرنا پسند نہ کرتے تھے، چنانچہ ارجاء کا عقیدہ رکھنے والوں کے جو کوئی ایسی اہم شے نہیں ہے، اور بعض تابعین بھی اس عقیدہ کے تھے، سخت خلاف تھے، فرماتے تھے ارجاء بدعت ہے، تم لوگ ہمیشہ اس سے بچتے رہو، مرجئہ کے پاس نہ بیٹھو، ان کے پاس آنے والوں میں جس کے خیالات میں ارجاء کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نظر آتا ان کو آنے سے منع کر دیتے،[5]

انتہائی احتیاط، | صلحاء اور خیار امت سے طلب دعا کوئی ممنوعہ فعل نہیں ہے، اور اس پر صحابہ اور

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۳ [2] ایضاً ص ۱۹۵، [3] ایضاً ص ۱۹۲، [4] ایضاً ص ۱۹۱ و ۱۹۲، [5] ایضاً ص ۱۹۰ و ۱۹۱،

تابعین کا عمل بھی رہا ہے، لیکن چونکہ اس سے بہت سی بدعات کا دروازہ کھلتا ہے، اور عوام کے عقیدوں میں اس سے ضعف پیدا ہوتا ہے، اس لئے اسے بھی پسند نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے درخواست کی کہ ابو عمران دعا کیجئے کہ خدا مجھے شفا عطا فرمائے، اون کو یہ درخواست اتنی ناگوار ہوئی کہ اس کا اثر چہرہ پر ظاہر ہو گیا، اور اس شخص سے کہا کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حذیفہ سے مغفرت کی دعا کی درخواست کی تھی انھوں نے اوس کے جواب میں کہا کہ خدا تمھاری مغفرت نہ فرمائے، یہ سن کر وہ شخص الگ ہٹ گیا، اس کے ہٹنے کے بعد حذیفہؓ نے یہ دعا کی کہ خدا تم کو حذیفہ کی جگہ داخل کرے اس دعا کے بعد اس شخص سے پوچھا کہ اب تم راضی ہو، تم میں سے بعض اشخاص ایک شخص کے پاس اس عقیدہ کے ساتھ جاتے ہیں کہ اس نے تمام مراتب حاصل کر لئے ہیں، اور وہ کوئی بلند ہستی بن گیا ہے، یہ واقعہ سنا کر ابراہیم نے سنت کا تذکرہ کر کے اس کی پابندی کی تلقین کی اور بدعتوں کا ذکر کر کے ان سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا،[۵۱]

سماحت لیکن عقائد میں اس سختی کے باوجود چھوٹی چھوٹی باتوں میں سخت گیر نہ تھے، بلکہ ان میں سختی ناپسند کرتے تھے، ایک دن آپ کے یہاں دو آدمی آئے، ان میں سے ایک کا بند کھلا ہوا تھا اور دوسرے کے بال گندھے ہوئے تھے، فرقد سنجی نے ابراہیم سے کہا کہ ابو عمران اس شخص کو بند کھولنے اور اس شخص کو بال گوندھنے سے منع نہیں کرتے ابراہیم نے کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم میں بنی اسد کی سنگدلی پیدا ہو گئی ہے یا بنی تمیم کی سختی ان میں سے ایک شخص کو گرمی معلوم ہو رہی تھی، اس نے بند کھول دیا، اور دوسرا شخص نماز کے وقت بال کھول دیتا ہے،[۵۲]

اختلاف صحابہ میں سکوت صحابۂ کرام کے اختلافات پر تنقید، اظہار رائے اور فریقین میں سے کسی کی جنبہ داری ناپسند کرتے تھے، اور ان مسائل میں سکوت سے کام لیتے تھے، ان کے ایک شاگرد نے

---

[۵۱] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۳، [۵۲] ایضاً، ص ۱۹۴،

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے اختلاف کے بارہ میں سوال کیا آپ نے فرمایا نہ میں سبائی ہوں اور نہ مرجی، اسی طرح ایک مرتبہ ایک اور شخص نے آپ سے کہا کہ مجھے ابوبکرؓ و عمرؓ کے مقابلہ میں علیؓ سے زیادہ محبت ہے، آپ نے فرمایا، اگر علیؓ تمہارا یہ خیال سنتے تو تم کو سزا دیتے، اگر تم کو اس قسم کی باتیں کرنی ہیں، تو میرے پاس نہ بیٹھا کرو، فرماتے تھے مجھکو عثمانؓ کے مقابلہ میں علیؓ سے زیادہ محبت ہے لیکن میں آسمان سے منہ کے بل گرنا پسند کرتا ہوں، اور یہ گوارا نہیں ہے کہ عثمان کیساتھ کسی قسم کا سوء ظن رکھوں[۱]

تواضع و خاکساری ابراہیم بایں جلالت شان نہایت خاموش، عزلت نشین، بے تکلف، اور سادہ مزاج تھے تواضع اور خاکساری کا یہ حال تھا کہ ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھنے تک کا امتیاز بھی گوارا نہ تھا[۲]، عامی سے عامی آدمی سے ملنے میں کوئی تکلف نہ تھا، ان کی مجلس میں ہر قسم کے لوگ آتے تھے، خثیمہ نے اون کے ہم جلیس اعمش سے اعتراض کیا کہ تم دونوں مسجد اعظم میں بیٹھتے ہو، جہاں عریف اور شرطی ہر قسم کے لوگ تمہارے ساتھ بیٹھتے ہیں، اعمش نے ابراہیم سے اس کا تذکرہ کیا، اونھوں نے کہا بیشک ہم مسجد میں بیٹھتے ہیں اور ہمارے پاس عریف اور شرطی بیٹھتے ہیں، اور یہ ہم کو اس کے مقابلہ میں پسند ہے کہ ہم علیحدہ رہیں اور ہم پر فرقہ بندی اور مبتدعانہ خیالات کی تہمت رکھی جائے[۳]، کبھی کبھی حصول اجر کیلئے دوسروں کا بوجھ تک اٹھا لیتے تھے، اعمش کا بیان ہے کہ میں نے بسا اوقات ابراہیم کو بوجھ اوٹھائے ہوئے دیکھا ہے، وہ کہتے تھے کہ میں حصول اجر کے لئے ایسا کرتا ہوں[۴]،

ہیبت لیکن اس خاکساری اور فروتنی کے باوجود لوگوں کے دلوں پر اون کی ہیبت چھائی رہتی تھی، مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حکام اور امرار کی طرح ابراہیم سے ڈرتے تھے[۵]،

سلاطین اور امرار سے تعلقات سلاطین اور امرار کے ساتھ ابراہیم کے دوستانہ تعلقات تھے، اور دونوں

[۱] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۲، [۲] تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۷۷، و تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۴،
[۳] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۱، [۴] ایضاً ص ۱۹۴، [۵] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۴،

میں باہم ہدایا و تحائف کا تبادلہ ہوا کرتا تھا، اکثر ممتاز امرا ان کی خدمت کیا کرتے تھے[1] یہ اس کو قبول کرنے میں مضائقہ نہ سمجھتے تھے، اسے برا سمجھتے تھے کہ خدا کسی کو کوئی شے عطا فرمائے اور وہ اس سے انکار کرے[2]، لیکن وہ ہدایا لینے کے ساتھ اون کا بدلہ بھی کرتے تھے، ان کا ہدیہ عموماً مرغابی ہوتا تھا،[3]

ظالم امرا کی مخالفت

لیکن ظالم اور جفاکار امرا کے سخت خلاف رہتے تھے، چنانچہ ان میں اور حجاج میں کبھی نہ بنتی تھی، وہ آپ کا سخت دشمن تھا، ابراہیم اسے بہت برا بھلا کہا کرتے تھے، اس پر لعنت بھیجنے میں بھی مضائقہ نہ سمجھتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے حجاج اور اس کے جیسے دوسرے ظالموں پر لعنت کے بارہ میں سوال کیا، آپ نے جواب دیا، خدا خود قرآن میں فرماتا ہے الا لعنۃ اللہ علی الظالمین[4]، حجاج کی موت پر اس قدر مسرور ہوئے کہ سجدہ میں گر پڑے، اور آنکھوں سے اشکِ مسرت رواں ہوگئے،[5]

وفات،

حجاج کی موت کے چند مہینے بعد بیمار پڑے، دم آخر نہایت مضطرب و بے قرار تھے، لوگوں نے اس کا سبب پوچھا فرمایا اس سے زیادہ خطرہ کا وقت کون ہوگا کہ خدا کا قاصد جنت یا دوزخ کا پیام لے کر آئیگا، میں اس پیام کے مقابلہ میں قیامت تک موجودہ صورت کا قائم رہنا پسند کرتا ہوں[6]، اسی علالت میں آغاز ۹۶ھ میں انتقال کیا، باختلاف روایت انتقال کے وقت انچاس ۴۹ یا پچاس ۵۰ یا اس سے کچھ اوپر عمر تھی،[7]

حلیہ و لباس

ابراہیم نہایت خوش لباس تھے، رنگین اور بیش قیمت پوشاک پہنتے تھے، زعفرانی اور سرخ رنگ کا لباس استعمال کرنے میں بھی مضائقہ نہ سمجھتے تھے، جاڑوں کے لباس میں سمور کی سنجاف لگی ہوتی تھی، سمور کی ٹوپی دیتے تھے، عمامہ بھی باندھتے تھے، لوہے کی انگوٹھی پہنتے تھے، اس کا نقش

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۳، [2] ایضاً ص ۱۹۴، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۴، [4] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۶،

[5] ایضاً، [6] ابن خلکان ج اول ص ۳، [7] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۹،

ذباب اللہ ونحن لہ" تھا[1] امام شعرانی کا بیان ہے کہ اپنے کو چھپانے کیلئے رنگین کپڑے پہنتے تھے تاکہ یہ نہ معلوم ہو کہ قرار کی جماعت سے ہیں یا نوجوانوں کی[2]

حکیمانہ اقوال آپ کے بعض اقوال نہایت حکیمانہ اور پر موعظت ہیں، فرماتے تھے کہ (۱) انسان چالیس سال تک جس سیرت پر قائم رہے، پھر وہ نہیں بدل سکتی[3]، (۲) ایمان کے بعد آدمی کو سب سے بڑی دولت تکلیفوں پر صبر کی عطا کی گئی ہے، اسی لئے بیماری کا حال بیان کرنا بھی پسند نہ کرتے تھے فرماتے تھے کہ جب مریض سے اس کی حالت پوچھی جائے تو اوس کو چاہئے کہ پہلے اچھا کہے اوس کے بعد اصل حالت بیان کرے کہ شکوۂ غم بھی شان صبر کے خلاف ہے، (۳) انسان کے لئے یہ معصیت کافی ہے، کہ لوگ دنیا یا دین کے معاملہ میں اس پر انگشت نمائی کریں[4]،

۳- احنف بن قیس

نام ونسب ضحاک نام، ابو بحر کینت، عرفی نام احنف ہے، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے، کہ احنف کے پیروں میں خلقی کجی تھی، عربی میں اس کو "حنف" کہتے ہیں، اس لئے وہ احنف مشہور ہو گئے، نسب نامہ یہ ہے احنف بن قیس بن معاویہ بن حصین بن حفص بن عبادہ بن نزال بن مرہ بن عبید بن مقاعس بن عمرو بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم تمیمی، بنی تمیم کے سرداروں میں تھے،

عہد رسالت احنف عہد رسالت میں موجود تھے، ابن عماد حنبلی کے بیان کے مطابق وہ اسی عہد میں مشرف باسلام ہوئے، اور اون کا قبیلہ انہی کی تحریک پر اسلام لایا[5]، لیکن اور تمام ارباب طبقات ورجال کا بیان اس کے خلاف ہے، چنانچہ ابن سعد نے ان کے حالات تابعین ہی کے زمرہ میں لکھے

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۶، ۱۹۱ [2] طبقات امام شعرانی ج اول ص ۳۶، [3] ابن سعد ج ۶ تذکرہ ابراہیم نخعی [4] طبقات امام شعرانی ج اول ص ۳۶، [5] شذرات الذہب ج اول ص ۷۸،

ہیں، حافظ ابن عبد البر بھی جنھوں نے احتیاطاً ان کے حالات صحابہ کے زمرہ میں اسی لئے لکھدیئے ہیں کہ اونھوں نے آنحضرت صلعم کا زمانہ پایا، مگر شرف دیدار سے محروم رہے تابعین ہی میں شمار کرتے ہیں[1] حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلعم کا زمانہ پایا، مگر اسلام نہیں لائے،[2]

جس روایت سے ان کے اسلام کا نتیجہ نکالا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایک صحابی کو قبیلہ بنی سعد (احنف کا قبیلہ) میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا، اونھوں نے جاکر اسلام پیش کیا، احنف بھی موجود تھے، اونھوں نے اسلامی تعلیمات سن کر کہا کہ یہ شخص بھلائی کی طرف بلاتا ہے اور اچھی باتیں سناتا ہے، مبلغ صحابی نے جاکر یہ واقعہ آنحضرت صلعم سے بیان کیا، آپ نے سن کر دعا فرمائی، کہ خدایا احنف کی مغفرت فرما،[3]

لیکن اولاً اس روایت کی صحت محل نظر ہے، لیکن اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو اس میں اسلام کی کوئی تصریح نہیں، اس سے صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ حق شناس تھے، اور اون کے دل میں قبول حق کا مادہ موجود تھا، آنحضرت صلعم کی دعا قبول اسلام کا ثبوت نہیں، آپ نے یہ دعا اون کی حق شناسی پر فرمائی تھی، اور اگر بالفرض اسلام بھی مان لیا جائے تو آنحضرت صلعم کو دیکھنا، آپ سے ملنا، آپ کی صحبت اٹھانا تو قطعی ثابت نہیں، جو صحابیت کے لئے ضروری ہے، لیکن ان کا یہی شرف کیا کم ہے کہ وہ اسلام سے پہلے بھی حق شناس تھے، اور ان کو آنحضرت صلعم اور اسلام سے کوئی عناد نہ تھا،

اسلام قیاس یہ ہے کہ وہ شیخین کے زمانہ میں کسی وقت اسلام سے مشرف ہوئے،

عہد فاروقی حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مدینہ آئے، حضرت عمرؓ کو قبیلہ بنی تمیم کے ساتھ سوءظن تھا اس لئے آپ اکثر اس کی مذمت کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ احنف کی موجودگی میں بنی تمیم کا کچھ تذکرہ

---

[1] استیعاب ج اول، ص ۵۵، [2] تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۹۱، [3] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۶۶،

آیا، آپ نے حسب معمول اس کی مذمت کی، احنف مذمت سن کر کھڑے ہوگئے، اور عرض کیا مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہو، آپ نے اجازت دی، احنف نے کہا آپ نے بلا استثنا پورے قبیلہ بنی تمیم کی برائی کی، حالانکہ وہ بھی عام انسانوں کی طرح ہیں، ان میں اچھے بُرے ہر قسم کے لوگ ہیں، حضرت عمرؓ نے یہ سچا بیان سن کر فرمایا تم نے سچ کہا اور ذکر خیر سے گذشتہ مذمت کی تلافی فرمائی، احنف کے بعد اسی قبیلہ کے ایک اور آدمی حتات نے کچھ کہنا چاہا، مگر حضرت عمرؓ نے روک دیا، کہ تم بیٹھ جاؤ تمھاری جانب سے تمھارے سردار فرض ادا کر چکے،

حضرت عمرؓ کی صحبت اگرچہ حضرت عمرؓ نے احنف کی ایک اصولی بات کی وجہ سے اس کا اعتراف کر لیا تھا، لیکن چونکہ اون کے قبیلہ کیساتھ انکو سوء ظن تھا اس لئے بہ تقاضائے احتیاط احنف کی سیرت کا اندازہ لگانے کے لئے اون کو ایک سال تک اپنے ساتھ مدینہ میں رکھا، تجربہ کرنے کے بعد ان سے کہا کہ میں نے ایک سال تک تمھارا تجربہ کیا، مجھ کو تم میں بھلائی کے سوا اور کوئی قابل اعتراض شے نظر نہ آئی، تمھارا ظاہر اچھا ہے، امید ہے کہ باطن بھی اچھا ہوگا، میں نے یہ اس لئے کیا تھا کہ رسول اللہ صلعم نے ہم لوگوں کو ڈرایا تھا کہ اس امت کی ہلاکت باخبر منافقین کے ہاتھوں ہوگی،[۱]

ابو موسیٰ اشعری والی بصرہ کو احنف کے بارہ میں حضرت عمرؓ کی ہدایت اس تجربہ کے بعد حضرت عمرؓ کو جب ان پر کامل اعتماد ہوگیا، تو انھیں اون کے وطن بصرہ واپس کر دیا، اور ابو موسیٰ اشعری والی بصرہ کو ہدایت کر دی کہ ان کو اپنے ساتھ رکھنا، ان سے مشورہ لینا، اور اون کے مشوروں اور ہدایتوں پر عمل کرنا،[۱] احنف اہل بصرہ کے سردار تھے حضرت عمرؓ کے اس حکم کے بعد سے احنف کے مراتب روز بروز بلند ہونے لگے،[۲]

فارس کی مہم میں شرکت اس وقت ایران پر فوج کشی ہو چکی تھی، بصرہ واپس جانے کے بعد احنف اس میں

---

[۱] ابن سعد، ج ۷، ق اول ص ۶۶، [۲] اسد الغابہ ج اول ص ۵۵،

شریک ہوئے، چنانچہ ۲۱ھ میں وہ فارس کی مہم میں نظر آتے ہیں۔[۱]

اہل بصرہ کی نمایندگی | احنف بڑے عاقل و مدبر تھے، اس لئے قومی و ملکی مہمات میں ان کا نام سر فہرست ہوتا تھا، اور اکثر قوم کی نمایندگی کی خدمت اون کے سپرد ہوتی تھی، چنانچہ اسی زمانہ میں وہ بصرہ کے وفد میں مدینہ آئے، حضرت عمرؓ نے وفد سے اہل بصرہ کی شکایتیں اور ضرورتیں پوچھیں احنف نے جو ضروریات تھیں پیش کیں، حضرت عمرؓ نے اون کی تقریر بہت پسند کی اور خاندان کسریٰ کی بعض مفتوحہ جاگیریں انھیں عطا کین، اور والی بصرہ کو لکھ بھیجا کہ وہ انتظامی امور میں احنف سے صلاح و مشورہ لیا کریں، اور ان پر عمل کیا کریں[۲]، پھر اہواز کی فتح کے بعد مشہور ایرانی افسر ہرمزان کو جس نے خوزستان کی مہم میں سپر ڈال دی تھی، لے کر مدینہ آئے،

ایران پر عام فوج کشی کا مشورہ | اس وقت عراق فتح ہو چکا تھا لیکن ایران پر عام فوج کشی نہ ہوئی تھی، اور مفتوحہ علاقے بار بار باغی ہو جاتے تھے، اسی زمانہ میں مجاہدین کا وفد مدینہ آیا حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ ایرانی بار بار باغی کیوں ہو جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے مسلمان انھیں ستاتے ہیں، مسلمانوں نے اس کی تردید کی، لیکن کوئی حضرت عمرؓ کے سوال کا تشفی بخش جواب نہ دے سکا، احنف کا دماغ نہایت نکتہ رس تھا، یہ اصل تہ تک پہنچ گئے، اونھوں نے کہا، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ امیرالمومنین نے مسلمانوں کو ایران کے اندرون ملک فوج کشی سے روک دیا ہے، اور سلطنت کا وارث تاج و تخت ملک میں موجود ہے، جب تک وہ باقی رہے گا ایرانی اس کے سہارے پر برابر بغاوت کرتے رہیں گے کیونکہ ایک ملک میں دو حکومتیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، ایران کا بادشاہ ایرانیوں کو ابھارتا رہتا ہے، اس لئے جب تک ہم لوگ ایران کے اندر فوج کشی کر کے اس کو ختم نہ کر دیں گے اس وقت تک ایرانیوں کی یہی روش رہے گی، جب وہ لوگ اپنی حکومت سے بالکل مایوس ہو جائیں گے اس وقت

[۱] ابن اثیر ج ۲ ص ۴۲۰، [۲] ایضاً ج ۲ ص ۲۲۴، ۲۲۵،

خاموش ہوں گے، حضرت عمرؓ نے اون کی تقریر سن کر فرمایا تم سچ کہتے ہو، اور اون کے مشورہ کے مطابق ایران پر عام فوج کشی کے انتظامات شروع کردیئے، اور ہر ہر صوبے پر علٰحدہ علٰحدہ فوجیں روانہ کیں،[1]

یزدگرد کا استیصال، چونکہ یزدگرد کے استیصال کا مشورہ احنف ہی نے دیا تھا، اور وہ اپنے دل ودماغ کے لحاظ سے اس مہم کے لئے سب سے زیادہ موزوں تھے، اس لئے خراسان کی مہم جہاں یزدگرد پناہ گزیں تھا حضرت عمرؓ نے انہی کے سپرد کی، یہ ۲۲ھ میں خراسان کی طرف بڑھے، اور طبسین ہوکر ہرات پہنچے، اور اوس کو فتح کرکے مرو شاہجہاں کا جہاں یزدگرد مقیم تھا رخ کیا، وہ ان کی پیشقدمی کی خبر سن کر مروالروذ چلا گیا یہاں پہنچکر خاقان چین اور دوسرے سرحدی حکمرانوں کو مدد کے لئے خطوط لکھے، یزدگرد کے مروالروذ جانے کے بعد احنف مرو شاہجہاں میں حارثہ بن نعمان باہلی کو چھوڑ کر مرو کی طرف بڑھے، ان کا رخ دیکھ کر یزدگرد یہاں سے بھی بھاگا، اور بلخ پہنچا، اس دوران میں کوفہ سے تازہ دم امدادی فوجیں آگئیں، احنف نے انھیں لے کر بلخ پر حملہ کردیا، یزدگرد شکست کھا کر دریا پار خاقان کے حدودِ حکومت میں چلا گیا، اس کے بعد احنف نے خراسان کے تمام علاقوں میں فوجیں پھیلا دیں، خراسانی انھیں نہ روک سکے، اور نیشاپور سے طخارستان تک کا پورا علاقہ صلحاً فتح ہوگیا، اور احنف نے مروالروذ واپس ہوکر حضرت عمرؓ کو فتح کا مژدہ لکھا، آپ فتوحات کا دائرہ ایران سے آگے نہیں بڑھانا چاہتے تھے، اس لئے دریا پار پیشقدمی کرنے سے روک دیا،

یزدگرد کے حدودِ چین میں داخل ہونے کے بعد خاقان چین نے اس کی بڑی پذیرائی کی، اور ایک لشکر جرار کے ساتھ اوس کی مدد کے لئے خراسان پہنچا، اور سیدھا بلخ کی طرف بڑھا بلخ کی اسلامی فوجیں احنف کے ساتھ مروالروذ واپس جاچکی تھیں، اس لئے یزدگرد اور خاقان دونوں بلخ ہوتے ہوئے مرو کی طرف بڑھے، احنف نے پہاڑ کے دامن میں صف آرائی کی، فریقین میں عرصے تک صبح و شام

[1] ابن اثیر ج ۲ ص ۴۳۹ و ۴۳۰،

معمولی چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی، ایک دن احنف خود میدان میں نکلے، خاقان کی فوج سے ایک بہادر ترک طبل اور دمامہ بجاتا ہوا مقابل میں آیا، احنف نے اس کا کام تمام کر دیا، اس کے بعد دو اور بہادر یکے بادیگرے مقابلہ میں آئے، مگر دونوں احنف کی تلوار کا لقمہ بنے، اس کے بعد ترکوں کا پورا لشکر آگے بڑھا، خاقان کی نظر لاشوں پر پڑی، اس نے فال بد لی، یزدگرد کی حمایت میں اس کا کوئی خاص فائدہ نہ تھا، اور مسلمانوں کو زیر کرنا بھی آسان نہ تھا، اس لئے اس نے کہا ہم کو یہاں آئے ہوئے بہت دن ہو گئے ہیں، ہمارے بہت سے نامور بہادر قتل ہو چکے ہیں، ہم کو ان لوگوں سے لڑنے میں کوئی فائدہ نہیں نظر آتا، یہ کہہ کر اس نے فوج کو کوچ کا حکم دیدیا،

احنف کا اصل حریف یزدگرد مرد شاہجہان کا جہاں اس کا خزانہ تھا، محاصرہ کئے ہوئے تھا، اس کو خاقان کی واپسی کی خبر ملی تو اس کی ہمت چھوٹ گئی اور اس نے خزانہ لے کر ترکستان نکل جانا چاہا، ایرانیوں نے اوس کو اس ارادہ سے روکا اور کہا کہ ترکوں کا کوئی دین و مذہب نہیں ہے، اور نہ ان کے عہد و پیمان کا ہمیں کوئی تجربہ ہے مسلمان بہرحال صاحب مذہب اور عہد کے پابند ہیں، اسلئے اگر آپ کو ملک ہی چھوڑنا ہے تو مسلمانوں سے صلح کر لیجئے، لیکن یزدگرد نے اس مشورہ کو قبول کرنے سے انکار کیا، ایرانیوں نے جب دیکھا کہ ان کے ملک کی دولت دوسرے ملک میں نکلی جا رہی ہے، تو لڑ کر یزدگرد سے کل خزانہ چھین لیا، اور وہ شکست کھا کر ترکستان چلا گیا، اور حضرت عمرؓ کے زمانہ تک خاقان کے پاس مقیم رہا،

یزدگرد کے ترکستان چلے جانے کے بعد ایرانیوں کا آخری سہارا بھی جاتا رہا، اور اونھوں نے مایوس ہو کر احنف سے صلح کر لی، اور یزدگرد کا کل خزانہ ان کے حوالہ کر دیا، احنف نے اون کے ساتھ ایسا شریفانہ برتاؤ کیا کہ انھیں اس کا افسوس ہوا کہ وہ اب تک مسلمانوں کی حکومت سے کیوں محروم رہے،

ایک پر اثر تقریر اس مصالحت کے بعد احنف نے حضرت عمرؓ کو فتح کی اطلاع بھجوائی، اور مسلمانوں کو جمع کرکے ایک پر اثر تقریر کی، جو اپنی اثر پذیری کے اعتبار سے آج بھی مسلمانوں کے لئے درس بصیرت ہو سکتی ہے، تقریر یہ تھی،

مسلمانو! آج مجوسیوں کی حکومت برباد ہوگئی، اور اب ان کے قبضہ میں ان کے ملک کا ایک چپہ بھی باقی نہیں رہا کہ وہ مسلمانوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سکیں، خدا نے اب تم کو ان کی زمین، ان کے ملک اور ان کے اہل ملک کا وارث بنایا ہے تاکہ تمہارا امتحان لے، اگر تم بدل گئے تو خدا بھی تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدل دیگا، مجھے مسلمانوں ہی کے ہاتھوں سے ان کی بربادی کا خوف ہے[۱]،

عہد عثمانی حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب ایران میں بغاوت ہوئی اور خراسان مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا، اس وقت احنف ہی نے فوج کشی کرکے دوبارہ اس پر قبضہ کیا[۲]،

خانہ جنگی سے اجتناب اور حضرت علیؓ کے ہاتھوں پر بیعت حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب مسلمانوں میں خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہوا، اوس وقت احنف نے اپنی تلوار میان میں کرلی، چنانچہ جب حضرت علیؓ اور حضرت عایشہؓ میں اختلافات شروع ہوئے، اوس وقت احنف نے جو مکہ میں تھے حضرت عایشہؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ سے مل کر اصل حقیقت کا اندازہ کرکے حضرت علیؓ کے ہاتھوں پر بیعت کرلی[۳]، لیکن جنگ میں کسی جانب سے حصہ نہ لیا[۴]، حضرت عایشہؓ نے بھی انھیں اپنے ساتھ آنے کی دعوت دی، لیکن اس وقت وہ بیعت کر چکے تھے،

جنگ صفین میں شرکت، البتہ جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہ میں جنگ چھڑی، اس وقت انکی حق شناس تلوار میان میں نہ رہ سکی، اور اونھوں نے حضرت علیؓ کی حمایت میں نہایت پرجوش حصہ لیا اور اہل بصرہ کو ان کی امداد و اعانت پر آمادہ کیا[۵]،

[۱] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۶ تا ۲۹ ملخصاً [۲] ایضاً ص ۹۶ تا ۹۹ [۳] ایضاً ص ۱۹۵ [۴] اخبار الطوال ص ۱۵۰ [۵] ایضاً ص ۱۶۶،

جنگ صفین کے التواء پر جب تحکیم کا مسئلہ پیش ہوا، اور حضرت علیؓ کی جانب سے ابوموسیٰ اشعری کا نام لیا گیا، اوس وقت احنف نے سخت مخالفت کی اور کہا آپ کو عرب کے مدبر اعظم سے سابقہ پڑا ہے، ابوموسیٰ کا مجھکو خوب تجربہ ہے، وہ اس اہم کام کے اہل نہیں ہیں، اس کے لئے نہایت چالاک اور عاقل شخص کی ضرورت ہے، اگر ہوسکے تو آپ مجھے حکم بنائیے، اور اگر اس کے لئے صحابی ہونا ضروری ہے تو آپ کسی اور صحابی کو منتخب کیجئے، اور مجھ کو اس کا مشیر بنائیے، لیکن عراقی قوم کا فیصلہ ابوموسیٰ کے حق میں تھا، اس لئے حضرت علیؓ احنف کے خیرخواہانہ اور زرین مشورہ پر عمل پیرا نہ ہوسکے جنگ صفین کے بعد خوارج پر فوج کشی میں بھی حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، اور کئی ہزار اہل بصرہ کو آپ کی مدد کے لئے لے گئے تھے[1]

امیر معاویہؓ کی اطاعت اور آزادی رائے

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امیر معاویہ کی خلافت تسلیم کرلی، لیکن اس وقت بھی اونھوں نے آزادی اور حق گوئی کا جوہر قائم رکھا، اور امیر معاویہؓ کی ہر جائز و ناجائز خواہش کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کے نزدیک ان کا جو فعل درست نہیں ہوتا تھا، اس پر نہایت جرأت کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کرتے تھے، امیر معاویہؓ نے جب یزید کی ولیعہدی کے لئے تمام ممالک محروسہ سے وفود طلب کئے، تو احنف بھی بصرہ کے وفد کے ساتھ آئے، امیر معاویہ نے ان سے بھی یزید کی ولیعہدی کے بارہ میں پوچھا اونھوں نے کہا امیر المومنین آپ یزید کے شبانہ یوم کے مشاغل، اوس کے ظاہر اور مخفی حالات، اس کے آنے جانے کے مقامات سے اچھی طرح واقف ہیں، اگر اس واقفیت کے بعد بھی آپ اس کو خدا اور امت محمدی کے لئے بہتر سمجھتے ہیں تو اس میں مشورہ کی ضرورت نہیں، اور اگر بہتر نہیں سمجھتے تو ایسی حالت میں کہ آپ کو عنقریب آخرت کا سفر پیش آنے والا ہے، یزید کو دنیا کا توشہ نہ دیجئے، ورنہ

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۰۰، و ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۴

یوں ہمارا فرض ہے کہ آپ جو کچھ فرمائیں ہم اوس کو بجالائیں،[۱]

امیر معاویہؓ پران کا اثر، لیکن ان کی حق پرستی اور صاف گوئی کے باوجود امیر معاویہؓ ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے، اور بڑے بڑے عمال کو ان کی اشارہ پر معزول کردیتے تھے، عبید اللہ بن زیاد امیر معاویہؓ کے نہایت معتمد علیہ اور ان عمال میں تھا جنھوں نے اموی حکومت قائم کی تھی، اسکا طرزِ عمل احنف کے ساتھ پسندیدہ نہ تھا، ۵۹ھ میں عبید اللہ چند عمائد کوفہ کے ساتھ جن میں احنف بھی تھے، امیر معاویہؓ کے پاس شام آیا، امیر معاویہؓ حسب معمول احنف کے ساتھ بڑے تپاک سے پیش آئے، اور اونھیں اپنے ساتھ تخت شاہی پر بٹھایا، عمائد بصرہ نے عبید اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے امیر معاویہ کے سامنے اوس کی بڑی تعریفیں کیں، احنف کی رائے ان سب کے خلاف تھی، اس لئے وہ خاموش رہے، امیر معاویہؓ نے پوچھا، ابو بحر تم کیوں نہیں بولتے، انھوں نے جواب دیا، اگر میں بولوں گا تو قوم کی مخالفت ہوگی، ان کا خیال سن کر امیر معاویہؓ نے اسی وقت عبید اللہ کو معزول کردیا، اور اہل بصرہ سے کہا تم لوگ جس والی کو پسند کرتے ہو، اوسکو پیش کرو، ان لوگوں نے امیر معاویہؓ کی خوشامد میں اموی خاندان اور شامیوں میں سے انتخاب کیا، احنف اس وقت بھی خاموش رہے، اور کسی کو پیش نہیں کیا، امیر معاویہؓ نے پیش کرنے والوں سے پوچھا تم نے کسے منتخب کیا، چونکہ ان میں سے ہر شخص کا انتخاب جداگانہ تھا، اس لئے کسی ایک شخص پر اتفاق نہ ہوسکا، احنف بالکل خاموش تھے، امیر معاویہؓ نے ان سے کہا تم کیوں نہیں بولتے، یہ منتخب کرنے والوں کا رنگ دیکھ چکے تھے، اس لئے انھوں نے کہا اگر آپ کو اپنے خاندان والوں میں سے کسی کو والی بنانا ہے، تو ایسی صورت میں ہم عبید اللہ ہی کو ترجیح دیں گے اور اگر کسی تیسرے شخص کو بنانا ہو تو اس میں جو آپ کی رائے ہو، ان کا منشا سن کر معاویہ نے عبید اللہ ہی کو برقرار رکھا، اور

[۱] ابن اثیر ج ۳ ص ۴۲۱،

اس کو احنف کے نظر انداز کرنے پر ملامت اور آیندہ ان کے ساتھ حسن عمل کی تاکید کی،[۱]

یزید کی خلافت، امیر معاویہ کی وفات کے بعد احنف نے یزید کی خلافت تسلیم کرلی حضرت امام حسین جب یزید کے مقابلہ کے لئے اٹھے تو احنف کو بھی امداد کے لئے خط لکھا،[۲] لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے آپ کا ساتھ نہیں دیا، اور یزید کی بعیت پر قائم رہے،

ابن زبیرؓ کی حمایت، یزید کی موت کے بعد جب اموی حکومت میں انقلاب برپا ہوا، اور عراق سے اموی حکومت اُٹھ گئی، اس وقت احنف بصریوں کی رہنمائی کرتے رہے، اس سلسلہ میں ان کے قبیلہ بنی تمیم اور بعض دوسرے قبائل میں کچھ ہنگامہ آرائیاں ہوئیں، پھر جب عراق عبداللہ بن زبیرؓ کے قبضہ میں آگیا، اس وقت احنف ان کے ساتھ ہوگئے، ان کے زمانہ میں بھی احنف کا قدیم اعزاز و وقار قائم رہا، ابن زبیرؓ کے حکام ان سے صلاح و مشورہ کرتے تھے، اور اس پر عمل کرتے تھے، چنانچہ جب عراق میں خوارج کا زور بڑھا، اور اس کا اثر بصرہ تک پہنچا، اس وقت احنف ہی کی تحریک سے مشہور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ خوارج کے مقابلہ پر مامور کئے گئے،[۳]

عبداللہ بن زبیرؓ کے دور خلافت میں مختار ثقفی نے جب عراق پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، اس وقت احنف نے ابن زبیرؓ کی حمایت میں مختار کے داعی مثنیٰ کو عراق سے نکالا،[۴] لیکن رفتہ رفتہ جب عراق میں مختار کا اثر نفوذ کرنے لگا، اس وقت احنف نے ابن زبیرؓ کے بھائی مصعب کے ساتھ مل کر مختار کے آدمیوں کا مقابلہ کیا،[۵]

اسی زمانہ میں عبداللہ بن زبیرؓ کے اصل حریف عبدالملک اموی نے احنف کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی، لیکن گذشتہ تجربات کے بعد سے یہ امویوں کے سخت خلاف ہوگئے تھے، اس لئے انھوں

[۱] ابن اثیر ج ۳ ص ۴۱۳، [۲] اخبار الطوال ص ۲۴۶، [۳] ایضاً ص ۲۸۱، [۴] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۰۳، [۵] اخبار الطوال ص ۳۱۲،

نہایت سخت جواب دیا، کہ ابن زرقا رمجھے شامیوں کی دوستی کی دعوت دیتا ہے، خدا کی قسم میں چاہتا ہوں کہ میرے اوراس کے درمیان آگ کا پہاڑ حائل ہوجاتا، کہ نہ اس کے آدمی ادھر آسکتے، اور نہ میرے آدمی اودھر جاسکتے"[۱]

وفات، عبداللہ بن زبیرؓ کے بھائی مصعب والی کوفہ کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے، احنف ان سے ملنے کے لئے کوفہ گئے یہیں انتقال ہوگیا[۲]، ابن عماد حنبلی کے بیان کے مطابق یہ ۶۷ھ تھا[۳]،

فضل وکمال علمی اعتبار سے احنف کوئی قابل ذکر شخصیت نہ رکھتے تھے، تاہم اکابر صحابہ کی صحبت اٹھائی تھی، اس لئے دولت علم سے بالکل تہی دامن نہ تھے، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبداللہ بن سعدؓ، اور حضرت ابوذرؓ جیسے اجلہ صحابہ سے انھوں نے سماع حدیث کیا تھا، اوراون سے ان کی روایات موجود ہیں، خود اون سے استفادہ کرنے والوں میں، حسن بصری، ابو العلاء بن شخیر، اور طلق بن حبیب وغیرہ لائق ذکر ہیں[۴]،

عقل ودانش، ان کی فضیلت کا میدان مسند علم کے بجائے خارزار سیاست تھا، وہ اپنے عہد کے بڑے عاقل مدبر، حکیم اور حلیم تھے[۵]، اون کے بارہ میں لوگوں کی رائے تھی کہ کسی قوم میں احنف سے بہتر سردار نہیں دیکھا گیا[۶]، جب اون کی وفات ہوئی تو مصعب نے کہا آج سے حزم اور رائے کا خاتمہ ہوگیا[۷]،

عبادت وریاضت، عموماً دیکھا گیا ہے کہ غیر معمولی عقل ودانش اور تدبر کے ساتھ زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت کا اجتماع کم ہوتا ہے، لیکن احنف جس درجہ کے مدبر تھے، اسی درجہ کامل میں زہد وتقویٰ تھا، اون کی عبادت کا خاص وقت پردۂ شب میں مستور تھا، جب دنیا خواب شیریں کے مزے لیتی تھی، اس وقت وہ اپنے رب کے حضور میں اظہار عبودیت کرتے تھے، اسی وقت وہ اپنے اعمال کا

۱؎ ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۶۸، ۲؎ ایضاً ص ۶۹، ۳؎ شذرات الذہب ج اول ص ۷۸، ۴؎ تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۹۱، ۵؎ استیعاب ج اول ص ۵۵، ۶؎ ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۶۷، ۷؎ تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۹۱،

جائزہ بھی لیتے تھے، ابو منصور کا بیان ہے کہ احنف کی نماز کا وقت عموماً رات کو ہوتا تھا، وہ چراغ جلا کر اسکی لو پر انگلی رکھتے اور نفس سے خطاب کرکے کہتے "تجھ کو فلاں فلاں دن فلاں فلاں کام کرنے پر کس چیز نے آمادہ کیا[1]"،

ضعف پیری میں جب کہ قویٰ روزے کے متحمل نہ رہ گئے تھے، ان کے ایک ملنے والے زید نے کہا کہ اب آپ کے قویٰ بہت ضعیف ہوگئے ہیں، روزے آپ کو اور زیادہ کمزور کردیں گے، جواب دیا میں اس کو ایک بہت لمبے سفر کے لئے تیار کرتا ہوں[2]،

قرآن کی تلاوت سے خاص شغف تھا، جب تنہائی ہوتی فوراً قرآن لے کر بیٹھ جاتے[3]، ان عبادتوں پر بھی پورا اعتماد نہ تھا، خدا سے عرض کیا کرتے تھے، خدایا اگر تو میری مغفرت کردے تو یہ تیری رحمت ہے، اور اگر سزا دے تو میں اس کا مستحق ہوں[4]،

طہارت میں غلو | طہارت میں اتنا اہتمام بلکہ غلو تھا کہ سخت سے سخت موسم میں بھی تیمم نہ کرتے تھے اور برف آلود پانی کی ٹھنڈک برداشت کرلیتے تھے، خراسان کی مہم کے زمانہ میں ایک شب کو نہانے کی حاجت ہوگئی، سردی کا موسم تھا، وہ بھی خراسان کی سردی رات بھی ٹھنڈی تھی، احنف نے کسی خادم اور سپاہی تک کو نہ جگایا، اور اسی وقت تن تنہا پانی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، راستہ میں کانٹے دار جھاڑیاں تھیں، ان کو روندتے ہوئے آگے بڑھے، کانٹوں کی خراش سے دونوں پاؤں لہو لہان ہوگئے، بالآخر ایک برف کی تہ تک پہونچے اور اوس کو توڑ کر برف آلود پانی سے غسل کیا[5]،

حق گوئی | نہایت حق گو اور حق پرست تھے، سلاطین اور امرا کے سامنے بھی اون کی زبان اظہار حق میں باک نہ کرتی تھی، یزید کی ولیعہدی کے مسئلہ میں اظہار رائے کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے، ایک اور

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۶۷، [2] ایضاً ص ۶۸، [3] ایضاً ص ۶۷، [4] ایضاً ص ۶۸،

[5] ایضاً ص ۶۷،

کسی موقع پر اسی قبیل کا کوئی اختلافی مسئلہ پیش آیا تھا، اور لوگ اپنی اپنی رائے ظاہر کرتے تھے، لیکن احنف خاموش تھے، امیر معاویہ رضؓ نے اون سے کہا ابو بحر تم بھی کچھ بولو، اونھوں نے کہا کیا بولوں، اگر جھوٹ بولتا ہوں تو خدا کا خوف ہے، اور اگر سچ بولتا ہوں تو تم لوگوں کا ڈر ہے[۱]،

صفائے قلب ان کا دل نہایت صاف تھا جب تک کسی سے مخالفت کے اسباب رہتے تھے، اس وقت تک وہ مخالف رہتے تھے، اسباب مخالفت ختم ہو جانے کے بعد پھر دل میں کسی قسم کا غبار نہ رکھتے تھے، اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ وہ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے پرجوش حامیوں میں تھے، جنگ صفین کے اختتام کے بعد ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ان سے کہا کہ جب میں صفین کو یاد کرتا ہوں تو دل میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے، اونھوں نے جواب دیا، کہ جس دل سے میں تم لوگوں سے بغض رکھتا تھا، اب وہ سینہ میں ہے، اور جس تلوار سے تم لوگوں سے جنگ کی تھی اب وہ میان میں ہے[۲]،

حلم، ضبط و تحمل ان کا نمایاں وصف تھا، علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ان کے مناقب بہ کثرت ہیں، انکا حلم ضرب المثل تھا[۳]، لیکن خود ہمیشہ انکساراً کہتے تھے کہ میں حقیقۃً حلیم نہیں ہوں، بلکہ اپنے کو حلیم دکھانا چاہتا ہوں[۴]،

بعض اصول احنف کے بعض اصول ایسے تھے کہ وہ ہر شخص کے لئے لائق عمل ہیں، فرماتے تھے کہ میں تین کاموں کے کرنے میں زیادہ جلدی کرتا ہوں، نماز پڑھنے میں جب اس کا وقت آجائے، جنازہ دفن کرنے میں، اور لڑکی کی شادی کرنے میں جب اوس کی نسبت ہو جائے[۵]،

اجمالی تبصرہ، ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ سادات تابعین میں تھے، اون کا حلم مثالاً پیش کیا جاتا تھا، حسن بصری فرماتے تھے کہ میں نے کسی قوم کے شریف کو احنف سے افضل نہیں پایا، اونھوں نے متعدد خلفاء کا عہد پایا تھا، ان میں سے کسی خلیفہ نے ایک شخص سے ان کے اوصاف پوچھے، اوس نے

[۱] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۶۷، [۲] شذرات الذہب ج اول ص ۷۸، [۳] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۹۱، [۴] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۶۷، [۵] ایضاً ص ۱۶۵،

کہا اگر آپ ایک وصف سننا چاہتے ہوں تو ایک بتاؤں، اگر دو چاہتے ہوں تو دو بتاؤں، اگر تین چاہتے ہوں تو تین بتاؤں، خلیفہ نے کہا دو بتاؤ، اس شخص نے کہا وہ بھلائی کرتے تھے اور بھلائی کو پسند کرتے تھے، اور شر سے بچتے تھے، اور اس سے بغض رکھتے تھے، خلیفہ نے کہا اچھا تین اوصاف بتاؤ، اس شخص نے کہا کسی پر حسد نہیں کرتے تھے، کسی پر بیجا زیادتی اور ظلم نہیں کرتے تھے اور کسی کو اس کے حق سے نہیں روکتے تھے، خلیفہ نے کہا ایک وصف بیان کرو، اس شخص نے کہا کہ وہ اپنے نفس کے سب سے بڑے حکمراں تھے[۱]،

۴- اسمٰعیل بن ابی خالد احمسی

نام ونسب | اسمٰعیل نام، ابوعبداللہ کنیت، قبیلہ بجیلہ کی شاخ بنی احمس کے غلام تھے، اسی نسبت سے احمسی کہلاتے ہیں، ابن سعد کی روایت کے مطابق چھ صحابہ کو دیکھا تھا، انس بن مالک، ابن ابی اوفی، ابوکاہل، ابوجحیفہ، عمرو بن حریث، اور طارق بن شہاب[۲] اور ابونعیم کی روایت کے مطابق بارہ[۳] کو[۴]

فضل وکمال | فضل وکمال کے اعتبار سے کبار تابعین میں ہیں، عامر کہتے تھے، انھوں نے علم کو پی لیا ہے[۴]، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق وجلالت پر سب کا اتفاق ہے[۵]،

حدیث | حدیث میں اسکا پایہ نہایت بلند تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ حجت تھے متقن تھے، مکثر تھے، اور عالم تھے[۶]، تمام بڑے بڑے علماء ان کے حفظِ حدیث کے معترف تھے، سفیان ثوری کہتے تھے کہ حفاظ ہمارے نزدیک چار ہیں، عبدالملک بن ابی سلیمان، اسمٰعیل بن ابی خالد، عاصم الاحوال اور یحییٰ بن سعید انصاری[۷] امام شعبی کے تمام ساتھیوں میں ابوحاتم ان پر کسی کو ترجیح نہیں دیتے تھے[۸] اپنی صداقت کی وجہ سے

۱ے شذرات الذہب ج اول ص ۱۰۰، ۲ے ابن سعد ج ۲ ص ۲۴۰، ۳ے تہذیب التہذیب ج اول ص ۲۹۲، ۴ے ابن سعد ج ۶ ص ۲۴۰، ۵ے تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۲۱، ۶ے تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۰، ۷ے ابن سعد ج ۶ ص ۲۴۰، ۸ے تہذیب التہذیب ج اول ص ۲۹۱،

میزان کہے جاتے تھے[1]

صحابہ میں انھوں نے اپنے والد ابو خالدؓ اور ابو جحیفہؓ، عبداللہؓ بن ابی اوفی، عمروؓ بن حریث اور ابو کاہلؓ سے سماع کیا تھا، اور غیر صحابہ میں زید بن وہب، محمد بن سعد، ابی بکر بن عمارہ قیس بن ابی حازم، شبیل بن عوف، حارث بن شبیل، طارق بن شہاب اور شعبی وغیرہ سے،

ان سے روایت کرنے والوں میں شعبہ، دونوں سفیان، زائدہ، ابن مبارک، ہشیم، یزید بن ہارون اور یحییٰ القطان وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں[2]،

ابن مدائنی کے بیان کے مطابق ان کے مرویات کی تعداد تین سو ہے[3]، اور عجلی کے بیان کے مطابق پانسو کے قریب[4]،

عمل کا درجہ، علم کے ساتھ عمل کے لباس سے بھی آراستہ تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ باعمل علماء میں تھے[5]، ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ شیخ صالح تھے[6]،

کسب حلال، علمائے اسلام کا یہ خاص امتیاز رہا ہے، کہ اونھوں نے علم کو کسب معاش کا ذریعہ نہیں بنایا، اسمٰعیل بھی انہی علماء میں تھے، اور آٹا پیسنے کی چکی چلا کر رزق پیدا کرتے تھے[7]،

وفات، ۱۴۶ھ میں وفات پائی[8]،

۵- اسود بن یزید

نام و نسب اسود نام ابو عمر کنیت، والد کا نام یزید تھا، نسب نامہ یہ ہے، اسود بن یزید بن قیس بن عبد اللہ بن مالک بن علقمہ بن سلامان بن کہیل بن بکر بن عوف بن نخع نخعی،

---

[1] تہذیب الاسماء ص ۱۲۱، [2] تہذیب التہذیب ج اول ص ۲۹۱، [3] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۲۱، [4] تہذیب التہذیب ج اول ص ۲۹۲، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۸، [6] تہذیب التہذیب ج اول ص ۲۹۲، [7] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۸، [8] ابن سعد ج ۶ ص ۲۴۰

فضل وکمال | فضل وکمال اور زہد و عبادت کے لحاظ سے اسود کوفہ کے ممتاز ترین علماء میں تھے حافظ ذہبی انھیں امام فقیہ، زاہد و عابد، اور کوفہ کا عالم لکھتے ہیں[۱]، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق وجلالت پر سب کا اتفاق ہے[۲]،

حدیث | حدیث کے ممتاز حفاظ میں تھے، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حذیفہؓ، ابومحذورہؓ، اور ابوموسیٰؓ جیسے اکابر کی صحبت اور ان سے استفادہ کا موقع ملا تھا[۳]، حضرت عمرؓ اور اور عائشہؓ کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ زیادہ تعلقات تھے، حضرت عمرؓ کے ساتھ زیادہ رہتے تھے[۴]، حضرت عائشہؓ سے عقیدت مندانہ تعلقات تھے[۵]، مذکورۂ بالا تمام بزرگوں سے انھوں نے روایتیں کی ہیں،

تلامذہ | ان کی ذات سے ان کا پورا گھرانا دولت علم سے مالا مال ہوگیا تھا، ان کے بھانجے ابراہیم نخعی، بھائی عبدالرحمن اور چچیرے بھائی علقمہ جو آسمان علم کے روشن ستارے تھے، ان ہی کے فیض یافتہ تھے، ان کے علاوہ غیر متعلق اشخاص میں عمارہ بن عمیر، ابواسحٰق سبیعی، ابوبردہ بن ابوموسیٰ، محارب بن دثار اور اشعث بن ابی الشعثار وغیرہ نے ان سے سماع حدیث کیا تھا[۶]،

فقہ میں | فقہ میں بھی پورا درک حاصل تھا، ابن حبان کا بیان ہے، کہ وہ فقیہ تھے[۷]، حافظ ذہبی اور ابن حجر وغیرہ سب آپ کے تفقہ کے معترف ہیں،

عبادت وریاضت | علم سے بڑھکر آپ کا عمل یعنی زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت تھی، تابعین کی جماعت میں آٹھ بزرگ زہد و عبادت میں زیادہ ممتاز اور مشہور تھے، ان میں ایک نام اسود کا ہے[۸]

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۳، [۲] تہذیب الاسماء ج اول قسم اول، ص ۱۲۲، [۳] تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۴۲، [۴] ابن سعد ج ۶ ص ۴۰، [۵] ایضاً ص ۱۰۹، [۶] تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۴۲، [۷] ایضاً، [۸] ابن عساکر ج ۳ ص ۱۲۸،

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ عبادت میں وہ بڑے درجہ پر تھے[1]

نماز | نماز آپ کا سب سے دل پسند مشغلہ تھا، سات سو نفل روزانہ پڑھتے تھے[2]، نماز ہمیشہ اول وقت ادا کرتے تھے، اس میں اس قدر اہتمام اور غلو تھا کہ خواہ کسی کام اور کسی حالت میں بھی ہوتے نماز کا وقت آتے ہی کام چھوڑ کر فوراً نماز ادا کرتے، ان کے سفر کے ہمراہیوں کا بیان ہے کہ سفر کی حالت میں بھی خواہ کیسے ہی دشوار گذار راستے سے جا رہے ہوں، نماز کا وقت آنے کے ساتھ سواری روک کر نماز پڑھتے، تب آگے بڑھتے،[3]

روزے | روزوں کے ساتھ بھی یہی شغف و انہماک تھا، قریب قریب ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے، ایسے سخت موسم میں بھی روزہ نہ چھوٹتا جب سرخ اونٹ جیسا قوی اور گرمی برداشت کرنے والا جانور گرمی کی شدت سے بے حال ہو جاتا ہے، سفر میں بھی روزوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا، بعض اوقات سفر کی تکالیف اور پیاس کی شدت سے رنگ بدل جاتا تھا، اور زبان سوکھ کر سیاہ ہو جاتی تھی، لیکن روزہ نہ چھوٹتا تھا، اس عبادتِ شاقہ کی وجہ سے ایک آنکھ جاتی رہی تھی، اگر لوگ کہتے کہ جسم کو اتنی تکلیف نہ دیجئے تو جواب دیتے تکلیف نہیں، بلکہ راحت پہنچانا چاہتا ہوں،[4]

حج | حج کے ذوق کا یہی حال تھا، آپ کے حجوں کی تعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کا شاید کوئی سال حج سے ناغہ نہیں ہوا، باختلافِ روایت آپ کے حجوں اور عمروں کی مجموعی تعداد ستر سے اسی تک ہے، کبھی کبھی ولولۂ شوق میں کوفہ ہی سے احرام باندھ کر "لبیک غفار الذنوب" اور لبیک وحنانیک کی صدا لگاتے ہوئے روانہ ہوتے تھے، لیکن یہ دائمی عمل نہ تھا، بلکہ مختلف اوقات میں مختلف مقامات میں احرام باندھنے کا ثبوت ملتا ہے، مکہ میں عموماً شب کے وقت داخل ہوتے تھے، آپ کو طوافِ کوئے محبوب کے ساتھ ایسا والہانہ شغف تھا، اور اس بارہ میں اس قدر تشدد

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۳، [2] ایضاً، [3] ابن سعد ج ۶ ص ۱۴۴، [4] ایضاً ص ۴۸،

تھے کہ جو شخص حج کی استطاعت رکھتے ہوئے حج نہیں کرتا تھا اُس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھتے تھے[۱]

تلاوتِ قرآن قرآن کی تلاوت کا ہمیشہ معمول تھا، لیکن رمضان کے مہینہ میں قرآن کا ورد بہت بڑھ جاتا تھا، مغرب و عشا کے درمیان سو رہتے تھے، اس کے بعد اوٹھ کر ساری رات قرآن پڑھتے تھے اور دو راتوں میں ایک قرآن ختم کر دیتے تھے[۲]

اختلافِ مسلک اور اتحاد روابط آج ادنیٰ سے اختلاف مسلک پر ہر قسم کے معاشرتی اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں، ان بزرگوں کا یہ اسوہ لائق تقلید ہے کہ اختلافِ مسلک کے باوجود ان میں باہم روابط قائم رہتے تھے، اسود حضرت عمرؓ کی خدمت میں زیادہ رہنے کی وجہ سے ان کے متبع تھے، اور علقمہ عبداللہ بن مسعودؓ کے اصحاب میں تھے، لیکن جب دونوں میں ملاقات ہوتی تھی تو ادنیٰ اختلاف بھی نہ ہوتا تھا[۳]

وفات ۷۵ھ میں وفات پائی، معمولات کی پابندی میں یہ اہتمام تھا کہ مرض الموت میں بھی تلاوت قرآن میں فرق نہ آیا، چنانچہ اس وقت بھی جب جنبش کرنے کی سکت باقی نہ تھی، اپنے بھانجے ابراہیم نخعی کا سہارا لے کر قرآن پڑھتے تھے، دمِ آخر ہدایت کی کہ مجھے کلمۂ طیبہ کی تلقین کرنا، تاکہ میری زبان سے آخری کلمہ لا الٰہ الا اللہ نکلے[۴]

حلیہ اور لباس آخر عمر میں بال سفید ہو گئے تھے، سر اور داڑھی دونوں میں زرد خضاب کرتے تھے، اونچی ٹوپی پہنتے تھے، سیاہ رنگ کا عمامہ باندھتے تھے، اس کا شملہ پیچھے پڑا رہتا تھا[۵]

---

۱ ابن سعد ج ۶ ص ۴۸،۴۹، ۲ ایضاً ص ۴۹، ۳ ایضاً ۴۸، ۴ ایضاً صفحہ ۵۰،
۵ ایضاً ص ۵۹،

۶-اعمش (سلیمان بن مہران)

نام ونسب، سلیمان نام، ابو محمد کنیت، اعمش کے لقب سے زیادہ مشہور ہیں، ان کے والد کا نام مہران تھا، مہران عجمی النسل تھے، ان کا آبائی وطن طبرستان تھا، ایک روایت یہ ہے کہ مہران دیلم کے کسی معرکہ میں گرفتار ہوئے، دوسرا بیان یہ ہے کہ اعمش کو کوفہ کے بنی کاہل کے ایک شخص نے خریدا تھا، اور خرید کر آزاد کردیا، بہرحال اتنا مسلم ہے کہ اعمش ابتدا میں غلام تھے، اور اس غلامی کی نسبت سے وہ کاہلی اور اسدی کہلاتے ہیں،

پیدایش، اعمش حضرت حسینؓ کی شہادت کے دن یعنی عاشورہ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے،[1]

فضل وکمال، اگرچہ اعمش کا آغاز غلامی سے ہوا، لیکن ان میں تحصیل علم کی فطری استعداد تھی، خوش قسمتی سے مرکز علوم کوفہ میں ان کی نشوونما ہوئی، اس لئے آگے چل کر وہ کوفہ کی مسند علم وافتا کی زینت بنے، ان کے علمی اور عملی کمالات پر تمام ارباب سیر وطبقات کا اتفاق ہے، ابن حجر اور حافظ ذہبی ان کو عابد مرتاض علامۃ الاسلام و شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کرتے ہیں،[2] عیسیٰ بن یونس کہتے تھے کہ ہم نے اور ہمارے قبل والے قرن کے لوگوں نے اعمش کا مثل نہیں دیکھا،[3]

ان کو جملہ مذہبی علوم میں یکساں کمال حاصل تھا، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ اعمش کتاب اللہ کے بڑے قاری، احادیث کے بڑے حافظ اور علم فرائض کے ماہر تھے،[4]

قرآن، قرآن کے ساتھ ان کو خاص ذوق تھا، اور علوم قرآنی میں وہ راس العلم شمار کئے جاتے تھے،[5] ہشیم کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ میں اعمش سے بڑا قرآن کا قاری نہیں دیکھا،[6] قرآن کا مستقل درس

[1] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۲۹ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۸ وتہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۳، [3] تاریخ خطیب ج ۹ ص ۸، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۸، [5] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۳، [6] تاریخ خطیب ج ۹ ص ۶

دیتے تھے لیکن پھر آخر عمر میں کبر سنی کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا، لیکن شعبان میں تھوڑا قرآن ضرور سناتے تھے، قرأت میں وہ عبد اللہ بن مسعودؓ کے پیرو تھے، ان کی قرأت اتنی مستند تھی کہ لوگ اس کے مطابق اپنے قرآن درست کرتے تھے،[۱]

حدیث | حدیث رسول میں اون کے معلومات کا دائرہ نہایت وسیع تھا، حافظ ذہبی انھیں شیخ الاسلام لکھتے ہیں، ابن مدائنی کا بیان ہے کہ محمد صلعم کی امت میں چھ آدمیوں نے علم (حدیث) کو محفوظ کیا تھا، مکہ میں ابن دینار، مدینہ میں زہری، کوفہ میں ابو اسحٰق سبیعی اور اعمش اور بصرہ میں قتادہ اور یحییٰ بن کثیر نے،[۲] ابو بکر عیاش کا بیان ہے کہ ہم لوگ اعمش کو سید المحدثین کہتے تھے،[۳]

ان کی مرویات کی تعداد ہزاروں تک پہونچتی ہے، ابن مدائنی کے بیان کے مطابق اون کی تعداد تیرہ سو ہے،[۴] اور بعض دوسری روایات کے مطابق چار ہزار، محدث زہری اہل عراق کے علم کے قائل نہ تھے، اسحٰق بن راشد نے ایک مرتبہ اون سے کہا کہ کوفہ میں اسد کا ایک غلام ہے، جس کو چار ہزار حدیثیں یاد ہیں، زہری نے تعجب سے پوچھا، چار ہزار!! اسحٰق نے کہا ہاں چار ہزار، اگر آپ کہیں تو میں اس کا کچھ حصہ لاکر آپ کے سامنے پیش کروں، چنانچہ اونھوں نے اعمش کی مرویات کا کچھ حصہ اون کے سامنے پیش کیا، زہری اوس کو پڑھتے جاتے تھے، اور حیرت سے اون کا رنگ بدلتا جاتا تھا، مجموعہ ختم کرنے کے بعد بولے خدا کی قسم اسے علم کہتے ہیں، مجھے یہ نہ معلوم تھا کہ کسی کے پاس اتنا علم محفوظ ہوگا،[۵] شعبہ کہتے تھے کہ حدیث میں مجھ کو جو تشفی اعمش سے ہوئی وہ کسی سے نہیں ہوئی،[۶] عبد اللہ ابن مسعود کی احادیث خصوصیت کے ساتھ ان کے حافظہ میں زیادہ محفوظ تھیں، قاسم بن عبد الرحمٰن کہتے تھے کہ کوفہ میں اعمش سے زیادہ عبد اللہ بن مسعودؓ کی احادیث کا جاننے والا نہیں ہے،[۷]

---

[۱] ابن سعد ج ۶ ص ۲۳۸، [۲] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۳، [۳] خطیب بغدادی ج ۹ ص ۱۱، [۴] شذرات الذہب ج اول ص ۲۲۱، [۵] ابن سعد ج ۶ ص ۲۳۹، [۶] تاریخ خطیب ج ۹ ص ۱۰، [۷] ایضاً،

مرویات کا پایہ، | ان کی مرویات کمیت کی طرح کیفیت کے اعتبار سے بھی نہایت اعلیٰ درجہ کی تھیں، وہ اپنی صداقت اور روایتوں کے معیار کی بلندی کے اعتبار سے مصحف کہے جاتے تھے[۱]، ابن عمار کہتے تھے کہ محدثین میں اعمش سے زیادہ اثبت کوئی نہیں[۲]، جریر ان کی روایات کو دیبائے خسروانی کہتے تھے[۳]

احتیاط | اس علم کے باوجود وہ روایت حدیث میں بڑے محتاط تھے، اور زیادہ حدیث بیان کرنے کو اچھا نہ سمجھتے تھے، چنانچہ لوگوں سے کہتے تھے کہ جب تم لوگ (حدیث سننے کے لئے) کسی کے پاس جاتے ہو تو اوس کو جھوٹ بولنے پر آمادہ کرتے ہو، خدا کی قسم یہ لوگ اشرالناس ہیں،

شیوخ و تلامذہ | حدیث میں انھوں نے زیادہ تر عبداللہ بن مسعود، ان کے بعد انس بن مالک، عبداللہ ابن ابی اوفی، زید بن وہب، ابووائل، ابوعمر شیبانی، قیس بن ابی حازم، اسمٰعیل بن رجار، ابوصخرہ جامع بن شداد، ابوذبیان بن جندب، امام شعبی، ابراہیم نخعی، اور مجاہد بن جبیر وغیرہ سے استفادہ کیا تھا، ان کے تلامذہ میں حکم بن عتبہ، زبید الیامی، ابواسحٰق سبیعی، سلیمان تیمی، سہیل بن ابوصالح، محمد ابن واسع، شعبہ، ابراہیم بن طہمان اور جریر بن حازم وغیرہ قابل ذکر ہیں،

محدثین کے مراتب پر نظر | حدیث میں ان کے کمال کی ایک سند یہ بھی ہے کہ وہ اس عہد کے بڑے بڑے محدثین کے علم پر ناقدانہ نظر رکھتے تھے، اور ان کے نزدیک سب کا ایک خاص درجہ متعین تھا، ابوبکر بن عیاش کا بیان ہے کہ ہم لوگ اور محدثین کے پاس سے ہو کر آخر میں اعمش کے پاس جاتے تھے، وہ ہم سے سوال کرتے کس کے پاس سے آتے ہو؟ ہم بتاتے کہ فلاں شخص کے پاس سے، نام سن کر وہ کہتے وہ بیٹھا ہوا طبل ہے، پھر پوچھتے ان کے بعد کہاں گئے، ہم لوگ بتاتے فلاں کے پاس، وہ کہتے وہ اڑنے والے طائر ہیں، پھر پوچھتے ان کے بعد ہم لوگ نام بتاتے، فرماتے وہ دف ہیں[۴]،

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۰، [۲] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۳، [۳] تاریخ خطیب ج ۹ ص ۱۰، [۴] ایضاً ص ۱۱،

فقہ وفرائض فقہ وفرائض میں بھی پورا درک رکھتے تھے، فقہا اون کو اپنا سردار کہتے تھے[1]، فرائض میں خصوصیت کے ساتھ بڑی مہارت رکھتے تھے، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ وہ فرائض کے بڑے عالم تھے، ان سے پہلے ابراہیم فرائض کے عالم مانے جاتے تھے، اور لوگ اس فن میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے، ان کی وفات کے بعد اعمش کی ذات مرجوعہ بن گئی تھی[2]،

عبادت وریاضت اس علم کے ساتھ وہ عمل میں بھی یہی درجہ رکھتے تھے، یحییٰ قطان کا بیان ہے کہ وہ عابد وزاہد تھے[3]، یحییٰ بن سعید انھیں عبادِ وقت میں شمار کرتے تھے، خریبی کا بیان ہے کہ اعمش نے اپنے بعد کسی کو اپنے سے بڑا عبادت گذار نہیں چھوڑا[4]، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علم نافع اور عمل صالح دونوں کے سردار تھے[5]، نماز باجماعت میں یہ اہتمام تھا کہ ستر سال تک تکبیر اولیٰ تک قضا نہیں ہوئی،[6]

امرا سے استغنا اور بے نیازی اعمش خاصان خدا اور صلحاے امت کی طرح دولت دنیا سے بالکل تہی دامن تھے، کھانے پینے کی طرف سے بھی اون کو پورا اطمینان نہ تھا، لیکن اس دنیاوی فقرو احتیاج کے باوجود امرا اور ارباب دول سے نہ صرف بے نیاز تھے بلکہ اون کو نہایت حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے، عیسیٰ بن یونس کا بیان ہے کہ اعمش کے فقرو احتیاج کے باوجود میں نے ان سے زیادہ امرا اور سلاطین کو کسی کی نگاہ میں حقیر نہیں پایا[7]، امام شعرانی لکھتے ہیں کہ اعمش کو روٹی تک میسر نہ تھی، لیکن اس کے باوجود ان کی مجلس میں اغنیا اور سلاطین سب سے بڑے فقیر معلوم ہوتے تھے،[8]

ان کی جرأت کا ایک واقعہ امرا کے مقابلہ میں ان کی جرات وبے باکی کا یہ واقعہ لائق ذکر ہے، خلیفہ ہشام نے ایک مرتبہ اون کو لکھا کہ میرے لئے عثمانؓ کے فضائل اور علیؓ کی برائیاں قلمبند کر دیجئے،

---

[1] تاریخ خطیب ج ۹ ص ۸ [2] ایضاً ص ۹، [3] ایضاً ص ۸، [4] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۴
[5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۸، [6] تاریخ خطیب ج ۹ ص ۸ [7] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۴،
[8] طبقات کبریٰ امام شعرانی ج اول ص ۳۸،

اونھوں نے شاہی قاصد کے سامنے اس خط کو بکری کو کھلادیا اور قاصد سے کہا یہ تمھاری تحریر کا جواب ہے، جب قاصد نے زیادہ اصرار کیا تو یہ جواب دیا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! امابعد اگر عثمانؓ کی ذات میں ساری دنیا کے انسانوں کی خوبیاں جمع ہوں تو بھی اس سے تمھاری ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، اور اگر علیؓ کی ذات میں دنیا بھر کی برائیاں مجتمع ہوں تو اوس سے تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، تم کو صرف اپنے نفس کی خبر رکھنی چاہیے"[1]

فیاضی، اس فقر واحتیاج کے باوجود وہ بڑے فیاض تھے، ابوبکر بن عیاش کا بیان ہے، کہ ہم لوگ جب اعمش کے پاس جاتے تھے، تو ہم کو کچھ نہ کچھ کھلاتے تھے[2]

نفس کی تحقیر ان ظاہری و باطنی کمالات کے باوجود وہ اپنی ذات کو بالکل حقیر اور ہیچ سمجھتے تھے، چنانچہ وصیت کی تھی کہ جب میں مرجاؤں تو کسی کو میری موت کی اطلاع نہ دیجائے، اور مجھ کو میرے رب کے پاس لیجاکر لحد میں پھینک دیا جائے میں اس سے بھی فروتر اور حقیر ہوں کہ لوگ میرے جنازہ میں شرکت کریں[3]"

وفات، باختلاف روایت ۱۴۷ھ یا ۱۴۸ھ میں وفات پائی،

۷- اویس بن عامر قرنی

نام ونسب، سیر خیل تابعین حضرت اویس قرنی وطناً یمنی اور نسباً قبیلہ مراد سے تھے، ان کو بارگاہ رسالت سے غائبانہ "خیر التابعین" کا لقب ملا تھا نسب نامہ یہ ہے اویس بن عامر بن جزء بن مالک بن عمرو بن سعد بن عصوان بن قرن بن ددمان بن ناجیہ بن مراد بن مالک بن ادمرادی مزحجی،

حضرت اویس ان برگزیدہ وارفتگان محبت میں تھے، جن کی تخلیق ہی عشق و محبت کے

---

[1] شذرات الذہب ج اول ص ۲۲۱ [2] تاریخ خطیب ج ۹ ص ۱۱ [3] طبقات کبری امام شعرانی ج اول ص ۳۰،

خمیر سے ہوئی تھی، وہ نادیدہ جمال نبویؐ کے پروانوں میں تھے کہ

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد، بسا کیں دولت از گفتار خیزد

انھوں نے اپنی ہستی کو راہِ خدا میں ایسا گم کر دیا تھا، کہ بعض ظاہر بیں نگاہوں میں ان کی شخصیت ہی مشکوک ہوگئی، جو اُن کا عین مدعا تھا، اگرچہ اویس عہدِ رسالت میں موجود تھے لیکن لقائے ظاہری سے محروم رہے، مگر عالمِ باطن کے قوانین اس دنیائے آب و گل کے قوانین سے ماورا ہیں، وہاں قرب و بعد منزل کا کوئی سوال نہیں چشمِ حقیقت نگر لاکھ حجابوں پر بھی محرومِ تماشا نہیں رہتی، ربط باطن بعد مسافت پر بھی کھٹک محسوس کرتا ہے، خود اس دنیائے آب و گل میں بھی ظاہری بعد اور دوری ایک بے حقیقت شے ہے، اصل شے قوتِ تاثیر اور جذب و کشش ہے، آفتاب کروروں منزلوں کی مسافت کے باوجود عالم کے ذرے ذرے کو منور کرتا ہے، قطراتِ شبنم اڑکر آفتاب کی حرارت میں تحلیل ہوجاتے ہیں، موسم گل کی نکہت منزلوں تک کوہ و وادی کو معطر کر دیتی ہے، اس لئے اویس بھی بعد مسافت کے باوجود آفتابِ نبوت کی کرنوں سے مستنیر اور بہار مدینہ کی نکہت باریوں سے مست و بیخود تھے، اگرچہ وہ یمن میں تھے لیکن اون کی محبت کی لہریں حجاز تک رواں دواں تھیں یہ

حضرت عمرؓ سے غائبانہ تعارف اور ملاقات

یہ صرف شاعری نہیں بلکہ حقیقت ہے، چنانچہ آنحضرت صلعم نے حضرت عمرؓ کو اس نادیدہ وارفتۂ محبت کی ایک ایک علامت بتادی تھی، صحیح مسلم میں ہے کہ "خیر التابعین قبیلۂ مراد کا ایک شخص ہے اس کا نام اویس ہے وہ تمھارے پاس یمن کی امداد میں آئے گا، اس کے جسم پر برص کے داغ ہیں، سب مٹ چکے ہیں، صرف ایک درہم کے برابر باقی ہے، اس کے ماں بھی ہے جس کی وہ خدمت کرتا ہے، جب وہ خدا کی قسم کھاتا ہے تو اوس کو پوری کرتا ہے، اگر تم اس کی دعائے مغفرت لے سکو تو لینا"

اس نشان دہی کے بعد سے حضرت عمرؓ برابر اویس کی تلاش میں رہے، چنانچہ آپ کے

عہدِ خلافت میں جب یمن سے فوجی مدد آئی تو آپ تلاش کرتے کرتے اویسؓ کے پاس پہنچے، اور پوچھا تم اویسؓ بن عامر ہو، اونھوں نے کہا ہاں، حضرت عمرؓ نے سوال کیا تمھارے کوئی ماں ہے اونھوں نے جواب دیا ہاں، ان ابتدائی علامات کو معلوم کرنے کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا "رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ تمھارے پاس اہل یمن کی مدد کے ساتھ قبیلہ مراد اور قرن کا ایک شخص اویس بن عامر آئے گا، جس کے جسم پر برص ہوگا لیکن ایک درہم کے برابر کے سوا سب مٹ چکا ہوگا، اس کے ایک ماں ہوگی جس کے ساتھ وہ نیکی کرتا ہوگا، جب وہ خدا کی قسم کھاتا ہے تو اوس کو پوری کرتا ہے اگر تم اس کی دعاے مغفرت لے سکنا تو لینا، اس لئے آپ میرے لئے دعاے مغفرت فرمائیے"۔ یہ سن کر اویس نے حضرت عمرؓ کے لئے دعا کی، پھر آپ نے ان سے پوچھا اب کہاں کا قصد ہے، اونھوں نے کہا کوفہ کا، حضرت عمرؓ نے فرمایا میں آپ کے متعلق وہاں کے عامل کے پاس لکھے دیتا ہوں، اویس نے کہا "اُس کی ضرورت نہیں مجھے عوام کے زمرہ میں رہنا زیادہ پسند ہے"

اس واقعہ کے دوسرے سال کوفہ کا ایک معزز شخص حج کے لئے آیا، حضرت عمرؓ نے اس سے اویس کا حال پوچھا، اس نے بتایا کہ وہ نہایت تنگدست ہیں ایک بوسیدہ جھونپڑے میں رہتے ہیں، حضرت عمرؓ نے اس سے اویس کے متعلق آنحضرت صلعم کی حدیث بیان کی، یہ شخص واپس جاکر اویس سے اپنے لئے دعاے مغفرت کا طالب ہوا، اونھوں نے فرمایا کہ تم ابھی تازہ تازہ ایک مقدس سفر سے آرہے ہو، اس لئے تم میرے لئے دعا کرو، پھر پوچھا تم عمرؓ سے ملے تھے، اس نے کہا ہاں، اس گفتگو کے بعد اویس نے اس شخص کے لئے دعاے مغفرت کی[1]

ہرم بن حیان اور اویس کی پراثر ملاقات کے حالات

اویس اپنے کو اہل دنیا سے چھپانے کے لئے نہایت خستہ حال رہتے تھے، اکثر بدن تک ڈھانکنے کے لئے کپڑا نہ ہوتا تھا، لوگ ننگا بدن

---

[1] یہ تمام واقعات مسلم کتاب الفضائل باب فضائل اویس قرنی سے ماخوذ ہیں،

دیکھکر کبڑا اوڑھا دیتے، انکی ظاہری حالت پر بے بصر عوام اون کا مذاق اڑاتے اور انھیں پریشان کرتے،[1]
لیکن ارباب بصیرت کی نگاہوں سے وہ چھپ نہ سکے، ان کی شمیم روحانیت اہل دل اشخاص
کو دور دور سے کھینچ بلاتی تھی، ہرم بن حیان ایک صاحب دل تابعی ہیں، ان کی اور ان کی ملاقات
کے واقعات نہایت پرتاثیر ہیں، یہ واقعات خود ہرم بن حیان کی زبان سے سنو ان کا بیان ہے،
میں اویس قرنی کی زیارت کی تمنا میں کوفہ گیا، اور تلاش کرتے کرتے فرات کے کنارہ پہنچا،
وہاں دیکھا کہ ایک شخص تنہا بیٹھا نصف النہار کے وقت وضو کر رہا ہے، اور کپڑے دھو رہا ہے میں
اویس کے اوصاف سن چکا تھا، اس لئے فوراً پہچان گیا، وہ ایک فربہ اندام اور سخت گندم گوں
آدمی تھے، بدن پر بال زیادہ تھے، سر منڈا ہوا تھا، داڑھی گھنی تھی، بدن پر ایک صوف کا ازار اور
ایک صوف کی چادر تھی، چہرہ بہت بڑا اور مہیب تھا، قریب پہنچکر میں نے سلام کیا، اویس نے جواب دیا، اور میری طرف
دیکھ کر کہا، خدا تم کو زندہ رکھے، میں نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا، اونھوں نے مصافحہ کرنے سے انکار
کیا، اور پھر وہی کہا خدا تم کو زندہ رکھے، میں نے کہا، اویس تم پر خدا رحمت نازل کرے، اور تمھاری
مغفرت فرمائے، تمھارا کیا حال ہے، غایت محبت میں اون کی ظاہری حالت پر میرے آنسو نکل آئے،
مجھے روتا دیکھکر وہ بھی رونے لگے، اور مجھ سے فرمایا، ہرم بن حیان خدا تم پر رحم کرے، میرے بھائی
تم کیسے ہو، تم کو میرا پتہ کس نے بتایا، میں نے کہا خدا نے، اس جواب پر اونھوں نے فرمایا، "لا الٰہ الا اللہ
سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا حین سمانی" ہرم بن حیان کہتے ہیں کہ اس سے
پہلے نہ کبھی میں نے ان کو دیکھا تھا، اور نہ انھوں نے مجھے دیکھا تھا، اس لئے میں نے ان سے پوچھا
آپ نے میرا اور میرے باپ کا نام کیسے جان لیا، خدا کی قسم آج سے پہلے کبھی میں نے آپ کو نہ دیکھا
تھا، فرمایا علیم وخبیر نے مجھے بتایا، جب تمھارے نفس نے میرے نفس سے باتیں کیں، اسی وقت میری

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۱۴، ۱۱۲،

میری روح نے تمہاری روح کو پہچان لیا، زندہ اور چلتے پھرتے لوگوں کی طرح روحوں کے بھی جان ہوتی ہے۔ مومنین خواہ کبھی آپس میں نہ ملے ہوں۔ اور نہ ان میں کوئی تعارف ہو اور نہ باتیں کرنے کا اتفاق ہوا ہو، لیکن وہ سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ اور خدا کی روح کے وسیلہ سے باتیں کرتے ہیں، خواہ وہ ایک دوسرے سے کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں ؛

میں نے درخواست کی کہ آپ رسول اللہ صلعم کی کوئی حدیث سنائیے، تاکہ میں آپ کی زبان سے سن کر اس کو یاد کرلوں، فرمایا میں نے نہ رسول اللہ صلعم کو پایا، اور نہ آپ کی صحبت سے بہرہ ور ہوا، البتہ آپ کے دیکھنے والوں کو دیکھا ہے، اور تم لوگوں کی طرح مجھے بھی آپ کی حدیثیں پہنچی ہیں، لیکن میں اپنے لئے یہ دروازہ کھولنا نہیں چاہتا کہ محدث، قاضی یا مفتی بنوں، ہرم بن حیان! مجھے خود اپنے نفس کے بہت سے کام ہیں، یہ جواب سن کر میں نے عرض کیا کہ پھر قرآن ہی کی کچھ آیات سنا دیجئے، مجھے آپ کی زبان سے قرآن سننے کی خواہش ہے، میں خدا کے لئے آپ کو محبوب رکھتا ہوں، میرے لئے دعا فرمائیے، اور کچھ وصیتیں کیجئے، تاکہ میں اون کو ہمیشہ یاد رکھوں، میری درخواست سن کر میرا ہاتھ پکڑ لیا، اور اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم پڑھ کر چیخ مار کر رونے لگے، اور فرمایا، میرے رب کا ذکر بلند ہے، سب سے زیادہ حق اس کا قول ہے، سب سے زیادہ سچی بات اس کی بات ہے، سب سے زیادہ اچھا کلام اس کا کلام ہے، یہ کلمات فرما کر ما خلقنا السموات والارض سے ھو العزیز الرحیم تک تلاوت کرکے چیخ مار کر ایسے خاموش ہوئے، کہ میں سمجھا بے ہوش ہو گئے، پھر مجھ سے فرمایا حرم بن حیان تمہارے باپ مر چکے، عنقریب تم کو بھی مرنا ہے، ابو حیان مر چکے، ان کے لئے یا جنت ہے یا دوزخ، ابن حیان آدم مر گئے، حوا مر گئیں، ابن حیان نوح اور ابراہیم خلیل الرحمٰن مر گئے، ابن حیان موسیٰ نجی الرحمن مر گئے، ابن حیان داؤد خلیفۃ الرحمٰن مر گئے، ابن حیان، محمد رسول الرحمٰن مر گئے، ابن حیان ابوبکر خلیفۃ المسلمین مر گئے،

ابن حیان میرے بھائی عمر رضی بن الخطاب مر گئے، یہ کہہ کر ولا عمراہ کا نعرہ لگایا، اور اون کے لئے رحمت کی
دعا کی، عمر رضی فاروق اس وقت تک زندہ تھے، اور اون کی خلافت کا آخری زمانہ تھا، اس لئے میں نے
کہا خدا آپ پر رحم کرے، عمر رضی بن الخطاب تو زندہ ہیں، فرمایا ہاں، جو کچھ میں نے کہا ہے اگر تم اس کو سمجھو
تو خود جان جاؤ گے، ہمارا تمھارا شمار مردوں ہی میں ہے، ہونے والی بات ہو چکی، اس کے بعد رسول اللہ صلعم
پر درود بھیجا، اور چند مختصر دعائیں پڑھکر کہا حرم بن حیان کتاب اللہ، صلحاے امت کی ملاقات، اور
بنی صلعم پر درود و سلام میری وصیت ہے، میں نے اپنی خبر موت دی، اور تمھاری خبر موت دی،
آیندہ ہمیشہ موت کو یاد رکھنا، اور ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے غافل نہ ہونا، واپس جاکر اپنی قوم کو ڈرانا
اور اپنے ہم مذہبوں کو نصیحت کرنا، اور اپنے نفس کے لئے کوشش کرنا، خبردار جماعت کا ساتھ نہ چھوڑنا،
ایسا ہو کہ بے خبری میں تمھارا دین چھوٹ جائے، اور قیامت میں تم کو آتشِ دوزخ کا سامنا ہو، پھر
فرمایا "خدایا اس شخص کا گمان ہے کہ وہ تیرے لئے مجھ سے محبت کرتا ہے، اور تیرے لئے مجھ سے ملاقات
کی، اس لئے خدایا جنت میں اس کا چہرا مجھے پہچنوانا، اور اپنے گھر دار السّلام میں مجھے اس سے ملانا، وہ
دنیا میں جہاں کہیں بھی رہے، اس کو اپنے حفظ و امان میں رکھ، اس کی کھیتی باڑی کو اس کے قبضہ
میں رہنے دے، اس کو تھوڑی دنیا پر خوش رکھ اور دنیا سے تو نے جو حصہ اس کو دیا ہے، وہ اس کے
لئے آسان کر، اور اپنے عطایا، اور نعمتوں پر اس کو شاکر بنا اور اس کو جزائے خیر دے' یہ دعائیں دیکر
مجھ سے خطاب فرمایا کہ ہرم بن حیان اب میں تم کو خدا کے سپرد کرتا ہوں' اچھا سلام و علیک و رحمۃ اللہ
اب میں تم کو آج سے نہ دیکھوں، میں شہرت ناپسند کرتا ہوں، اور تنہائی اور عزلت کو دوست رکھتا
ہوں، جب تک میں دنیا میں لوگوں کے ساتھ زندہ رہوں گا، انتہائی غم والم میں مبتلا رہوں گا،
اس لئے آیندہ نہ تم مجھے پوچھنا اور نہ تلاش کرنا، تمھاری یاد میرے دل میں ہمیشہ رہے گی، لیکن اس کے
بعد نہ میں تم کو دیکھوں گا، اور نہ تم مجھے دیکھ سکو گے، مجھے یاد کرتے رہنا، اور میرے لئے دعاے خیر کرنا،

میں بھی انشاء اللہ تم کو یاد اور تمھارے لئے دعاے خیر کرتا رہون گا، یہ کہہ کر رخصت ہو کر وہ ایک سمت چلے، میں بھی ساتھ ہو لیا، کہ ایک ساعت اور ساتھ رہ لوں، لیکن اس پر بھی وہ راضی نہ ہوئے، اور ہم دونون روتے ہوئے باہم جدا ہو گئے، میں حد نظر تک دیکھتا رہا تا آنکہ وہ ایک گلی میں چلے گئے، اس کے بعد میں نے اون کو بہت تلاش کیا، اور لوگوں سے پوچھا لیکن کسی سے کچھ سراغ نہ ملا، خدا ان پر رحمت نازل کرے، اور اون کی مغفرت فرمائے، اس ملاقات کے بعد سے کوئی ہفتہ ایسا نہیں جاتا کہ میں ان کو ایک دو مرتبہ خواب میں نہ دیکھتا ہوں[1]،

شہادت اویس کو جب تک ظاہر میں دنیا نے نہ پہچانا تھا، اس وقت تک وہ اہل دنیا میں نظر آتے تھے، لیکن جب سے ان کی حقیقت آشکارا ہوئی اس وقت سے وہ ایسے روپوش ہوئے کہ پھر کسی نے نہ دیکھا، اس کے بعد جنگ صفین میں ان کی شہادت کا پتہ چلتا ہے، اون کو راہ خدا میں شہادت کی بڑی تمنا تھی، اور اس کے لئے وہ دعا کیا کرتے تھے، خدا نے جنگ صفین مین یہ آرزو پوری کر دی، اور حضرت علیؓ کی حمایت میں شہادت پائی[2]،

علم ظاہر، اگرچہ اویس سرتاج تابعین ہیں، اور ان کی ذات جملہ فضائل و کمالات کی جامع تھی لیکن اس کے باوجود علماے ظاہر کے زمرہ میں ان کا کہیں ذکر نہیں، حتیٰ کہ ان سے کوئی روایت تک مروی نہیں، ہے، لیکن اس سے یہ قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کہ وہ علوم ظاہری سے بے گانہ تھے، ان کی ذات علم باطن کے ساتھ علم ظاہر کی بھی جامع تھی، اس کی دو وجہیں تھیں، سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ان کو اپنی اصلاح نفس، تزکیہ روح اور مجاہدات و ریاضیات سے اتنی فرصت نہ تھی کہ علم ظاہر کو مشغلۂ حیات بناتے، اور حجرۂ عبادت سے نکل کر مسند علم پر بیٹھتے، دوسرے انھیں شہرت اور نمود سے اتنی نفرت تھی، کہ قاضی مفتی اور محدث کے لقب سے مشہور ہونا بھی پسند نہ کرتے

[1] یہ تمام حالات مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۶ و ۴۰۷ سے ماخوذ ہیں، [2] اصابہ ج اول ص ۱۲۰،

تھے، جیسا کہ اونھوں نے خود ایک موقع پر فرمایا ہے، کہ مجھے رسول اللہ صلعم کی احادیث اسی طرح پہنچی ہیں، جس طرح تم کو پہنچی ہیں، لیکن میں اپنے اوپر اون کا دروازہ کھول کر محدث قاضی اور مفتی بننا پسند نہیں کرتا، مجھے خود اپنے تزکیۂ نفس کے بہت سے کام ہیں[1]، یا فرمایا کہ میں شہرت ناپسند کرتا ہوں، اور تنہائی اور عزلت کو دوست رکھتا ہوں، اور مسند علم پر بیٹھنے کے بعد نہ وہ شہرت سے بچ سکتے تھے، اور نہ ان کی عزلت نشینی قائم رہ سکتی تھی، اس لئے اونھوں نے سرے سے اس باب شہرت ہی کو بند رکھا،

علم باطن آپ کے کمالات کا منبع اور سرچشمہ کاغذ کے اوراق کے بجائے صحیفۂ قلب تھا، آپ کی ذات گرامی علوم باطن کا سرچشمہ تھی، اور تابعین میں خواجہ حسن بصری کے بعد آپ ہی کی ذات تصوف کا مرجع ہے، اور صوفیائے کرام کے بہت سے سلاسل آپ کی ذات تک منتہی ہوتے ہیں[2]،

عبادت و ریاضت، آپ نے راہ سلوک میں بڑے بڑے مجاہدات کئے، ساری ساری رات پلک سے پلک نہ ملتی تھی، معمول تھا کہ ایک شب قیام میں گذارتے تھے، دوسری رکوع میں اور تیسری سجدہ میں[3]، اکثر رات کے ساتھ دن بھی عبادت ہی میں گذر جاتا تھا، ربیع بن خثیم کا بیان ہے کہ ایک دن میں اویس سے ملنے گیا، دیکھا کہ وہ فجر کی نماز میں مشغول ہیں، میں اس خیال سے کہ اون کی تسبیح و تہلیل میں حارج نہ ہوں اس سے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا، وہ ظہر کی نماز تک برابر مشغول رہے، پھر ظہر سے عصر تک اور عصر سے مغرب تک یہی حال رہا، میں نے خیال کیا کہ مغرب کے بعد شاید افطار کے لئے جائیں لیکن وہ برابر عشا تک مشغول رہے، پھر عشا سے صبح تک یہی کیفیت رہی، دوسرے دن نماز فجر کے بعد کچھ نیند کا غلبہ ہوا، لیکن پھر فوراً متنبہ ہو گئے، اور دعا کی کہ "خدایا میں سونے والی آنکھ اور نہ بھرنے والے پیٹ سے پناہ مانگتا ہوں"، یہ حال دیکھ کر میں نے کہا

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۶ [2] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ شاہ ولی اللہ ص ۴ [3] ابن عساکر ج ۳ ص ۱۷۳ و تذکرۃ الاولیاء فریدالدین عطار ج اول

جو کچھ میں نے دیکھا ہے، اس قدر کافی ہے[1]،

ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ افطار کے لئے کچھ میسر نہ آتا تو کھجور کی گٹھلیاں چن کر بیچتے[2]، اور اس کی قیمت سے قوتِ لایموت حاصل کرتے، اگر خشک خرما مل جاتا تو اوس کو افطار کے لئے رکھ لیتے، اگر زیادہ مقدار میں مل جاتا، تو گٹھلیاں بیچ کر اس کی قیمت خیرات کر دیتے[2]،

حلقۂ ذکر | کوفہ میں ذکر و شغل کا ایک حلقہ تھا جس میں بہت سے سالکین جمع ہوتے تھے، اویس بھی اس حلقہ میں شرکت کرتے تھے، اسیر بن جابر کا بیان ہے کہ ہم چند لوگ کوفہ میں ذکر و شغل کے ایک حلقہ میں جمع ہوتے تھے، اویس بھی ہمارے ساتھ شریک ہوتے تھے، اس حلقہ میں دلوں پر سب سے زیادہ اویس کے ذکر کا اثر پڑتا تھا[3]، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر و شغل نماز اور تلاوتِ قرآن تھی[4]،

زہد عن الدنیا | زہد کا یہ عالم تھا کہ گھر بار، لباس اور کھانے پینے وغیرہ جملہ علائقِ دنیاوی سے ہمیشہ آزاد رہے، ایک نہایت بوسیدہ اور شکستہ مکان میں رہتے تھے[5]، کھانے پینے کا یہ حال تھا کہ کبھی اونٹ چرا کر اور کبھی کھجور کی گٹھلیاں بیچ کر قوت لایموت حاصل کرتے تھے[6]، حضرت عمرؓ نے سلوک کرنا چاہا، مگر انکار کر دیا[7]، لباس میں ایک صوف کی چادر اور ایک صوف کا ازار ہوتا تھا[8]، اور اکثر وہ بھی میسر نہ آتا تھا، لوگ ننگے بدن دیکھ کر چادر دیدیتے[9]، پیٹ کے کھانے اور بدن کے کپڑے کے علاوہ کوئی چیز پاس نہ رکھتے تھے، فرمایا کرتے تھے "خدایا میں تجھ سے بھوکے جگر اور ننگے بدن کی معذرت چاہتا ہوں، لباس جو میرے جسم پر اور غذا جو میرے پیٹ میں ہے اُس کے علاوہ میرے

---

[1] ابن عساکر ج ۳ ص ۱۰۳، [2] تذکرۃ الاولیاء ج اول ص ۲۳، [3] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۴،
[4] ایضاً ص ۴۰۸، [5] ابن سعد ج ۶ ص ۱۱۳، [6] تذکرۃ الاولیاء فریدالدین عطار حالات اویس،
[7] ابن سعد ج ۶ ص ۱۱۳، [8] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۶ [9] ابن سعد ج ۶ ص ۱۱۴،

پاس کچھ نہیں ہے[1]،

آپ کی اس مجذوبانہ شان کی وجہ سے ظاہر بین عوام آپ کو ریاکار کہتے، اور راہ چلتے پریشان کرتے ایک مرتبہ آپ کپڑا نہ ہونے کی وجہ سے حلقۂ ذکر سے غیر حاضر ہو گئے، آپ کے شریکِ حلقہ اسیر بن جابر یہ سمجھ کر کہ آپ بیمار ہو گئے ہیں، آپ کے گھر پہنچے، اور کہا خدا تم پر رحم کرے تم نے ہمیں چھوڑ کیوں دیا، آپ نے جواب دیا میرے پاس چادر نہیں تھی اس لئے میں نہ آسکا، اسیر بن جابر کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے اپنی چادر ان کو دیدی، اونھوں نے واپس کر دی، میں نے اصرار کیا، تو اونھوں نے کہا اگر میں چادر لے کر اوڑھ لوں اور میرے ہم قوم مجھے دیکھ لیں تو کہیں گے اس ریاکار کو دیکھو ایک آدمی کے ساتھ لگ گیا، اور دھوکا دے کر اس کی چادر لے لی، لیکن میں نے اصرار کر کے چادر انھیں دیدی، اور کہا ہمارے ساتھ چلو دیکھو وہ لوگ کیا کہتے ہیں، چنانچہ وہ چادر اوڑھ کر ہمارے ساتھ ہو لئے، جیسے ہی ایک مجمع کے سامنے سے گذرے مجمع نے کہا ذرا اس ریاکار کو دیکھو ایک شخص کے ساتھ چمٹا رہا، اور دھوکا دیکر اس کی چادر لے لی، یہ الفاظ سن کر میں نے ان لوگوں سے کہا تم کو شرم نہیں آتی، خدا کی قسم میں نے جب انھیں چادر دینا چاہا، تو اونھوں نے انکار کر دیا تھا[2]، غرض وہ اپنی ظاہری حالت کی وجہ سے ہر قسم کا طعن و طنز اور تمسخر سنتے تھے اور اس کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے تھے، اور اسی عالم میں مست رہتے،

شہرت سے اجتناب | آپ فنا کے اس درجہ پر تھے. جہاں شہرت نمود اور اہلِ دنیا سے اختلاط کی کوئی گنجایش نہیں، اس لئے شہرت اور ناموری سے بہت بھاگتے تھے[3]، حضرت عمرؓ نے چاہا کہ والیِ کوفہ کے نام خط لکھ کر آپ کا تعارف کرا کے آپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی ہدایت کر دیں،

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۵، [2] ایضاً ص ۴۰۴، [3] ایضاً ص ۴۰۷،

مگر آپ نے منظور نہ کیا، اور جواب دیا کہ میں زمرۂ عوام میں رہنا پسند کرتا ہوں[۱]، آپ نہ صرف شہرت اور نمود ناپسند کرتے تھے، بلکہ لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے سے بھی گھبراتے، لیکن آپ کی عزلت پسندی زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکی، آپ کی شمیمِ روحانیت نے خلق اللہ کو خود اپنی طرف متوجہ کر لیا، اور لوگوں کا رجحان آپ کی طرف بڑھنے لگا، اسیر بن جابر بیان کرتے ہیں کہ میرے ایک ساتھی مجھے اویس کے پاس لے گئے، وہ دو رکعت نماز تمام کرنے کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا، آپ لوگوں کا بھی میرے ساتھ عجیب معاملہ ہے، آپ لوگ میرے پیچھے پیچھے کیوں چلتے ہیں، میں ایک ضعیف انسان ہوں، میری بہت سی ضروریات ہیں، جنھیں میں آپ کی وجہ سے پوری نہیں کر سکتا، آپ لوگ ایسا نہ کیجئے، خدا آپ پر رحم کرے، اگر کسی کی مجھ سے کوئی ضرورت ہو تو وہ عشا کے وقت مل لیا کرے، اس مجلس میں تین قسم کے لوگ آتے ہیں، سمجھ دار مومن، بے سمجھ مومن، اور منافق، ان تینوں کی مثال درخت اور بارش کی سی ہے، اگر سرسبز و شاداب اور پھل دار درخت پر پانی برستا ہے تو اس کی تراوٹ و شادابی، اور حسن و خوبصورتی میں اور زیادہ اضافہ ہوتا ہے، اور اگر شاداب مگر بے پھل والے درخت پر برستا ہے، تو اس کے پتوں میں خوبصورتی پیدا ہوتی ہے، اور وہ پھل دینے لگتا ہے اور اگر خشک گھاس اور کمزور شاخ پر برستا ہے تو اسے توڑ پھوڑ ڈالتا ہے، یہ مثال دے کر یہ آیت پڑھی، "وننزل من القرآن ما هو شفاء للناس ورحمة للمؤمنين ولا يزيد الظلمين الا خسارا[۲]،

امر بالمعروف لیکن اس عزلت پسندی اور تنہا نشینی کے باوجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے کبھی غافل نہ رہے، اور اس کی ادائیگی میں ساری دنیا کو اپنا دشمن بنا لیا،

ابو الاحوص روایت کرتے ہیں کہ میرے ایک ساتھی کا بیان ہے، کہ قبیلہ مراد کا ایک شخص

---

[۱] مسلم کتاب الفضائل فضائل اویس قرنی، [۲] اصابہ ج اول ص ۱۲۰،

اویس کے پاس گیا، اور سلام کے بعد پوچھا کہ اویس تمہارا کیا حال ہے، فرمایا الحمد للہ، پھر پوچھا زمانہ کا تمہارے ساتھ کیا طرز عمل ہے، فرمایا، یہ سوال اس شخص سے کرتے ہو جس کو شام کے بعد صبح ملنے کا یقین نہیں، اور صبح کو شام ملنے کی امید نہیں، میرے مرادی بھائی موت نے کسی شخص کیلئے خوشی کا محل باقی ہی نہیں رکھا، مرادی بھائی، خدا کے عرفان نے مومن کے لئے چاندی سونے کی کوئی قیمت باقی نہیں رکھی، مرادی بھائی خدا کے کاموں میں مومن کے فرض کی ادائیگی نے اون کا کوئی دوست باقی نہیں چھوڑا ہے، خدا کی قسم چونکہ ہم لوگ لوگوں کو اچھے کاموں کی تلقین کرتے ہیں، اور برے کاموں سے روکتے ہیں، اس لئے اونھوں نے ہم کو اپنا دشمن سمجھ لیا ہے، اور اس میں اون کو فاسق مددگار مل گئے ہیں، جو ہم پر بڑی تہمتیں رکھتے ہیں، لیکن خدا کی قسم ان کا یہ رویہ مجھ کو حق بات کہنے سے باز نہیں رکھ سکتا،[1]

شرف جہاد، اگرچہ آپ گمنامی کی خاطر گوشۂ عزلت سے قدم نہیں نکالتے تھے لیکن جہاد ایک بہت بڑی عبادت ہے، اس عبادت اور شرف سے محروم نہ رہے، اور اس کے لئے اونھوں نے گوشۂ عزلت کو چھوڑا، اگرچہ صحیح مسلم میں اس کی تصریح نہیں لیکن قیاس بلکہ یقین یہ ہے کہ حضرت عمرؓ سے آپ سے یمن کی جس امداد میں ملاقات ہوئی تھی، وہ یقیناً جنگی سلسلہ میں آئی ہوگی، اس کے علاوہ اصابہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ آذربیجان کے معرکہ میں شریک تھے،[2]

ماں کی خدمت دنیاوی تعلقات میں اویسؓ کے لے دے کر ایک تنہا ماں تھیں، ان کی خدمت کو سب سے بڑی سعادت اور عبادت سمجھتے تھے، چنانچہ جب تک وہ زندہ رہیں اون کی تنہائی کے خیال سے حج نہیں کیا، اور انہی کی وجہ سے وہ جمال نبوی کے دیدار سے محروم رہے، ان کی وفات کے بعد فریضۂ حج ادا کرنے کا موقع ملا لیکن ان کے پاس کیا تھا، چند لوگوں نے سامان سفر پیش کیا

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۴، [2] اصابہ ج اول ص ۱۲۰، [3] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۷،

اس وقت وہ فریضۂ حج سے فارغ ہو سکے[۱]،

بعض اقوال آپ کے بعض حکیمانہ اقوال حقیقت اور پند و موعظت سے لبریز ہیں، فرماتے تھے خدا کے کاموں میں ایسے رہو گویا تم نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا ہے[۲]، لوگوں کے لئے غائبانہ دعا کرنا ان کی ملاقات سے بہتر ہے، کیونکہ اس میں کبھی نمایش اور ریا پیدا ہو جاتا ہے[۳]،

بعض خاص فضائل تابعین میں اویسؓ کے بعض خاص فضائل ایسے ہیں جو مخصوص ان کا طغرائے امتیاز ہیں اور ان کے علاوہ وہ کسی کے حصہ میں نہیں آئے، آپ کی دستارِ فضیلت کا سب سے نمایاں طرہ سرکارِ رسالت کا عطا کردہ "خیر التابعین" کا لقب ہے، عبد اللہ بن ابی اذفیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم فرماتے تھے کہ میری امت کے ایک شخص کی شفاعت سے بنی تمیم کی بڑی تعداد جنت میں داخل ہوگی، حسنؒ کے نزدیک اس سے مراد اویس قرنی ہیں[۴]، اگرچہ اس قبیل کی روایات زیادہ لایق اعتبار نہیں ہوتیں، تاہم ان سے اویسؓ کے درجہ کا پتہ چلتا ہے،

اویس کی شخصیت میں شک کے اسباب یہ عجیب حیرت انگیز امر ہے کہ "خیر التابعین" کے ان فضائل و مناقب اور اخلاقی و روحانی کمالات کے باوجود بعض ایسی روایتیں بھی ملتی ہیں جن سے ان کا وجود ہی مشتبہ ہو جاتا ہے، کہ اویس نام ان اوصاف کے کوئی تابعی تھے بھی یا نہیں، مثلاً ابن عدیؒ کا یہ بیان کہ امام مالکؒ ان کے وجود کے منکر تھے، یا سمعانیؒ کی یہ روایت کہ ابن حبانؒ کا بیان ہے، کہ ہمارے بعض اصحاب ان کے وجود کے منکر تھے، یا عمرو بن مرہ، اور ابو اسحٰق سبیعیؒ ان سے لاعلمی ظاہر کرتے تھے، یا امام بخاریؒ کے نزدیک ان کے اسناد محلِ نظر ہیں،

لیکن دوسرے علماء و محدثین اور کتب احادیث و طبقات کے ان کثیر بیانات کے مقابلہ میں جن کے ہوتے ہوئے خیر التابعین کی شخصیت میں کسی شک و شبہہ کی گنجایش نہیں رہتی، ان چند کمزور

[۱] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۵، [۲] ایضاً ص، [۳] صفوۃ الصفوہ ص ۲۳، [۴] اصابہ ج اول ص ۱۱۹ بحوالہ دلائل بیہقی،

روایتوں کی جن کی حقیقت آیندہ واضح کی جائے گی کوئی حیثیت نہیں، اس سلسلہ میں چند امور قابل غور ہیں، ایک یہ کہ جن روایات سے اویس قرنی کا وجود مشتبہ معلوم ہوتا ہو اون کی روایتی حیثیت کیا ہو؟ پھر انکی صحت کی صورت میں ان سے اویس کے عدم وجود کا نتیجہ نکالنا کہاں تک صحیح ہے، اور ان کے مقابلہ میں دوسرے علمار اور کتب احادیث وطبقات کی شہادت کیا ہو؛

روایتی حیثیت سے اوپر کی تمام روایتیں ناقابل اعتماد ہیں، حافظ ابن حجر اور سمعانی نے اگرچہ یہ روایتیں نقل کی ہیں لیکن ان کی کوئی سند نہیں دی ہو، اس لئے محدثانہ اصول سے وہ ساقط الاعتبار اور ناقابلِ استناد ہیں، لیکن اگر انھیں صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی ان سے اویس قرنی کے نہ ہونے کا نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ جن جن لوگوں نے ان کے وجود میں شک ظاہر کیا ہو، یا اس سے انکار کیا ہو وہ صرف اس بنا پر کہ انھوں نے اس عہد میں ان کا ذکر نہیں سنا، یا ان کے حالات انکے علم میں نہیں آئے، لیکن ان میں سے ایک چیز بھی انکے نہ ہونے کا ثبوت نہیں،

اصولاً ہر زمانہ میں انھی اشخاص کے حالات کا لوگوں کو علم ہوتا ہے، جو کسی حیثیت سے نمایاں ہوتے ہیں، عزلت نشین اور خاموش اشخاص سے واقفیت نہیں ہوتی، خود صحابہ کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ ہر صحابی سے اس عہد کے لوگ واقف تھے یا ان سب کے حالات لکھے گئے عموماً انھی صحابہ کے حالات معلوم ہیں جنھوں نے کوئی علمی یا عملی کام کئے یا سلسلۂ روایت میں کہیں ان کا نام آگیا ہو، بعضوں کا صرف نام ہی معلوم ہو، اور کسی حالات کا علم نہیں، ایسی حالت میں گمنام تابعین کا کیا ذکر،

اس اصول کو پیشِ نظر رکھنے کے بعد اویس قرنی کے حالات پر نظر ڈالنی چاہئے، جیسا کہ اون کے اوپر کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف علمی دنیا سے الگ تھلگ اور گوشہ نشین تھے، بلکہ اپنے اخفار میں انکو اتنا اہتمام تھا کہ اہل دنیا کی نگاہوں سے چھپتے پھرتے تھے، اور اس کے لئے انھوں نے محدث اور مفتی بننا تک گوارا نہ کیا کہ اس صورت میں وہ مرکز توجہ ہو جاتے، اونھوں نے اپنی زندگی ایسی بنائی تھی کہ بعض خواص کے علاوہ

خود ان کے اہلِ وطن تک ان سے واقف نہ تھے، اور جو لوگ جانتے بھی تھے وہ محض ایک وارفتہ مزاج سودائی کی حیثیت سے، ایسی حالت میں اس عہد کے بعض علما کا ان سے واقف نہ ہونا کوئی تعجب انگیز نہیں کہ علمار کی واقفیت کے لیے علمی اور عملی امتیاز ضروری تھا،

لیکن بہرحال اون کی شخصیت چھپنے والی نہ تھی، اسلئے بہت سے خواص پر انکی حقیقت آشکارا ہوگئی جسکے حالات اوپر گذر چکے ہیں، پھر جب ہم کتب احادیث وطبقات پر نظر ڈالتے ہیں تو صحیح مسلم تک میں انکے مستقل فضائل ملتے ہیں بلکہ حدیث کی کتابوں میں ان کے حالات طبقات ورجال سے زیادہ ہیں، حدیث کی حسب ذیل کتابوں میں انکے حالات ہیں یا کسی نہ کسی حیثیت سے ان کا ذکر آیا ہے، مسند احمد بن حنبل، صحیح مسلم، دلائل بیہقی، حلیۃ الاولیا، ابونعیم، مسند ابویعلی، مسند ابوعوانہ، مستدرک حاکم وغیرہ، ان میں سے اکثروں کے حوالہ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں دیئے ہیں، طبقات ورجال کی کتابوں میں ان کا ذکر کم ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان میں عموماً انہی لوگوں کے تفصیلی حالات ہیں جن کا تعلق علمی یا عملی دنیا سے رہا ہے، پھر بھی تہذیب التہذیب، میزان الاعتدال، لسان المیزان، طبقات ابن سعد، اصابہ اور اسد الغابہ میں انکے حالات موجود ہیں، پھر جن علمار نے ان کے وجود کی انکار کی روایتیں نقل کی ہیں انھیں خود ان پر اعتماد نہیں ہے، اور وہ اویس قرنی کی شخصیت کو مانتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر امام مالک کے انکار کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ انکی (اویس قرنی) شہرت اور ان کے حالات اتنے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے ان کے وجود میں شک وشبہ کی گنجایش نہیں[1]، ان بیانات کے بعد اویس قرنی کی شخصیت میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ جاتا، تذکروں میں ان کے حالات بہت ملتے ہیں لیکن ان میں ہر قسم کی رطب ویابس روایتیں ہیں، اس لئے ہم نے تذکرۃ الاولیار کے ایک دو بیانوں کے علاوہ انھیں ہاتھ نہیں لگایا ہے،

---

[1] اصابہ ج اول ص۱۱۵

۸- ایاس بن معاویہ

نام ونسب ایاس نام ابو واثلہ کنیت نسب نامہ یہ ہے، ایاس بن معاویہ بن قرہ بن ایاس بن ہلال بن رئاب بن عبید بن سواۃ بن ساریہ بن ذبیان بن ثعلبہ بن سلیم بن اوس بن مزینہ مزنی[1]

فضل وکمال ایاس اس عہد کے مشہور قضاۃ میں تھے، جیسا کہ آیندہ چل کر معلوم ہوگا قضا میں انھیں بڑا کمال حاصل تھا،

حدیث حدیث میں ان کا کوئی قابل ذکر پایہ نہ تھا، لیکن اس سے بالکل تہی دامن بھی نہ تھے علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ "احادیث[1]، حدیث میں انھوں نے اپنے والد معاویہ، انس بن مالک سعید بن مسیب، سعید بن جبیر اور ابی مجلز وغیرہ سے خوشہ چینی کی تھی، اور ایوب، داؤد بن ابی ہند، حمید الطویل، حماد، شعبان، شعبہ اور معاویہ بن عبد الکریم وغیرہ ان کے تلامذہ میں ہیں[2]،

فقہ فقہ ان کا خاص فن تھا، اس میں وہ امتیازی پایہ رکھتے تھے عجلی اون کو فقیہ لکھتے ہیں[3]،

عہدۂ قضا اپنے فقہی کمال کی وجہ سے وہ اموی دور میں بصرہ کے عہدۂ قضا پر مامور ہوئے ان کے تقرر کے وقت حضرت حسن بصری ان کے پاس تشریف لے گئے، انھیں دیکھ کر ایاس رونے لگے[4]

فہم وفراست ایاس کو فہم وفراست سے نہایت غیر معمولی حصہ ملا تھا، وہ عقل و دانش کا مجسم پیکر تھے، ابن سعد لکھتے ہیں کان عاقلا من الرجال فطنا[5]، ابن سیرین کے سامنے جب ان کا ذکر آتا تو کہتے "وہ مجسم فہم ہیں[6]"، ان کے عہد کے لوگ کہتے تھے کہ ہر صدی میں ایک بڑا عاقل پیدا ہوتا ہے

---

[1] ابن سعد ج، ق ۲ ص ۵، [2] تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۹۰، [3] ایضاً، [4] ابن سعد ج، ق ۲ ص ۵
[5] ایضاً، [6] تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۹۰،

اور اس صدی کے عاقل ایاس ہیں[۱]، ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ ان کی ذکاوت اور فطانت ضرب المثل تھی، ابو تمام کا ایک شعر ہے[۲]،

اقدام عمرو فی سماحة حاتم   فی حلم احنف فی ذکاء ایاس

ذہانت و ذکاوت کے بعض واقعات

قضارت کا دار و مدار بڑی حد تک ذہانت اور ذکاوت پر ہے اس لئے ایاس اس عہد کے ممتاز ترین قضاۃ میں تھے، اس موقع پر ان کی ذہانت کے بعض واقعات پیش کئے جاتے ہیں،

ایک مرتبہ کسی مقدمہ کے سلسلہ میں چار عورتیں اون کی عدالت میں آئیں، اونھوں نے ان کو دیکھ کر کہا کہ ان میں سے ایک حاملہ ہے، ایک دودھ پلاتی ہے، ایک شادی شدہ ہے اور ایک کنواری، لوگوں نے تحقیقات کی تو معلوم ہوا ان کا قیاس صحیح تھا، ان سے پوچھا گیا آپکو اس کا کیسے اندازہ ہوگیا اونھوں نے کہا حاملہ جس وقت گفتگو کر رہی تھی تو اس کا کپڑا پیٹ سے اٹھ جاتا تھا، اس سے میں نے جانا کہ وہ حاملہ ہے، اور دودھ پلانے والی کی چھاتیاں ہلتی تھیں اس لئے میں نے قیاس کیا کہ وہ دودھ پلاتی ہے، شادی شدہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرتی تھی، یہ اس کے شادی شدہ ہونے کا ثبوت تھا اور باکرہ آنکھیں نیچی کر کے باتیں کرتی تھی[۳]،

ایک دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک شخص کے پاس کچھ مال امانت رکھوایا تھا جب اوس نے واپس مانگا تو امانت دار نے انکار کر دیا، مال کے مالک نے ایاس کی عدالت میں دعویٰ کیا، ایاس نے کہا اس وقت لوٹ جاؤ اس واقعہ کو پوشیدہ رکھنا اس شخص کو یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ تم میرے پاس آئے تھے، دو دن کے بعد پھر آنا، اس کو لوٹا کر ایاس نے امانت دار کو

۱؎ تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۹۰ ۲؎ شذرات الذہب ج ا ص ۱۶۰ ۳؎ الطرق الحکمیہ ابن جوزی ص ۲۵ و ۲۶،

بلوایا، اور اس سے کہا کہ میرے پاس بہت سامان آگیا ہے، میں اوس کو تمھارے پاس رکھوانا چاہتا ہوں تمھارا گھر محفوظ ہے، اس نے کہا ہاں، ایاس نے کہا تو مال رکھنے کے لئے کوئی جگہ منتخب کرلو، اور دو بار بردار لے کر آؤ، اس گفتگو کے بعد ایاس نے مال کے مالک کو بلوا کر کہا کہ اب جاکر تم اوس شخص سے اپنا مال مانگو اگر دیدے تو فبہا ورنہ اس سے کہنا کہ میں جاکر قاضی کو اطلاع دیدوں گا، اس شخص نے جاکر کہا کہ میرا مال دو، ورنہ میں قاضی سے جاکر اطلاع دیتا ہوں، اس مرتبہ اس نے کل روپیہ واپس کردیا، اور صاحبِ مال نے آکر قاضی ایاس کو اطلاع دیدی کہ میرا مال مجھ کو مل گیا، اس کے بعد سابق قرارداد کے مطابق وہ شخص ایاس کے پاس روپئے لینے کے لئے آیا، اونھوں نے اسکو ڈانٹ کر نکال دیا[1]،

قضاۃ سے واقفیت، ہر شعبہ اور صنف کے اشخاص کا اس شعبہ کے متعلق ایک کمال یہ بھی ہے، کہ وہ اپنے ہم پیشہ اشخاص کی خصوصیات پر پوری ناقدانہ نظر رکھتے ہوں، ایاس اس عہد کے تمام مفتیوں اور قضاۃ کے محاسن معائب اور خصوصیات سے پوری طور پر آگاہ تھے، حبیب بن شہید کا بیان ہے، کہ ایک شخص ایاس کے پاس ایک مقدمہ میں مشورہ کے لئے آیا کہ وہ اس میں کس کی طرف رجوع کرے، اونھوں نے کہا اگر تم اس کا صحیح فیصلہ چاہتے ہو تو عبدالملک بن یعلی کے پاس جاؤ، وہ صحیح معنوں میں قاضی ہیں، اور اگر محض فتویٰ لینا ہے، تو حسن بصری کے پاس جاؤ، وہ میرے اور میرے باپ کے استاد ہیں، اور اگر صلح مقصود ہے تو حمید الطویل کی طرف رجوع کرو، وہ اس طریقے سے صلح کرادیں گے، کہ تم سے کہیں گے کہ تم اپنے حق کا کچھ حصہ لو اور کچھ چھوڑ دو اور اگر مقدمہ بازی کرنا ہے تو صالح الدوسی کے پاس جاؤ، وہ تم کو رائے دیں گے کہ دوسرے کے حق سے بالکل انکار کردو، اپنے حق سے زیادہ کا مطالبہ کرو اور جو لوگ موجود نہیں ہیں، ان کو گواہ بناؤ[2]،

[1] الطرق الحکمیہ ابن قیم جوزی ص ۲۵ [2] تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۹۰،

صحت عقائد اور مبتدعین سے مطالبہ، عموماً ذہانت اور ذکاوت جدت پسند ہوتی ہے، اور کبھی کبھی اس کا دائرہ تجدد عقائد و اعمال تک وسیع ہوجاتا ہے لیکن ایاس باایں ہمہ ذہانت عقائد میں جدت اختراع اور موشگافیوں کو سخت ناپسند کرتے تھے، بلکہ ان کی ذہانت اس قسم کے عقائد کی تردید میں صرف ہوتی تھی، وہ مبتدعین خصوصاً قدریوں سے مناظرہ کیا کرتے تھے۔ ان کا ایک مختصر مناظرہ لائق ذکر ہے، جس سے ان کی ذہانت کا بھی اندازہ ہوتا ہے، قدریہ کا عقیدہ ہے کہ خدا عادل ہے یہاں تک تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن یہ اصول ماننے کے بعد وہ ان افعال کو جو بظاہر ظلم معلوم ہوتے ہیں، خدا کی جانب منسوب نہیں کرتے بلکہ اس میں یہاں تک شدت برتتے ہیں کہ خدا کی قدرت مسلوب ہوجاتی ہے، اس مناظرہ کا واقعہ ایاس خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے مبتدع فرقوں میں اپنی پوری عقلیت سے صرف قدریہ سے مناظرہ کیا، میں نے ان سے پوچھا کہ ظلم کسے کہتے ہیں، انھوں نے کہا کسی کا ایسی چیز کو لے لینا جو اس کی نہیں ہے، میں نے کہا کہ خدا کی تمام چیزیں ہیں، یعنی جب وہ تمام چیزوں کا مالک ہوا تو پھر اس کے کسی فعل پر ظلم کا اطلاق صحیح نہیں ہے[1]،

بعض اقوال، ان کے بعض اقوال نہایت دلچسپ ہیں، کہتے تھے کہ جس میں کوئی عیب نہیں وہ احمق ہے" کسی نے پوچھا آپ میں کیا عیب ہے، کہا فضول گوئی،[2] کہتے تھے کہ میں نے انسان کی تمام فضیلتوں کو آزمایا ان سب میں اشرف زبان کی سچائی ہے[3]،

وفات، ۱۲۲ھ میں وفات پائی،[4]

---

[1] تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۹۱، [2] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۵، [3] تہذیب التہذیب ج ۱، ص ۳۹۱، [4] ایضاً ص ۳۹۰،

۹ - ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی

نام و نسب ایوب نام، ابو بکر کنیت، والد کا نام کیسان تھا، لیکن وہ کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، ایوب عنزہ کی غلامی میں تھے،

فضل و کمال، ایوب اگرچہ غلام تھے لیکن اقلیم علم و عمل کے تاجدار تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کان ثقة ثبتا فی الحدیث جامعا عدلا ورعا کثیر العلم حجة،[1] امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت، ان کی امامت ان کے حفظ ان کی توثیق ان کے وفور علم ان کی فہم اور ان کی سربلندی پر سب کا اتفاق ہے،[2] ابن عماد حنبلی ان کو علمائے اعلام میں لکھتے ہیں،[3]

اکابر علماء کا اعتراف، ان کے عہد کے تمام اکابر علماء ان کے علمی اور اخلاقی کمالات کے معترف اور ان کی جلالت شان پر متفق ہیں، شعبہ ان کو سید العلماء کے لقب سے ملقب کرتے تھے، ابن عیینہ کہتے تھے کہ میں چھیاسی تابعین سے ملا، مگر ان میں سے کسی کو ایوب کے مثل نہ پایا، حماد بن زید کا بیان ہے کہ انھیں جن جن محدثین اور علماء کے پاس بیٹھنے کا اتفاق ہوا، ایوب ان سب سے افضل اور پابند سنت تھے، ایوب جہبذ العلماء کہلاتے تھے، ہشام بن عروہ کہتے تھے کہ بصرہ میں ایوب کا مثل نہ تھا، حضرت حسن بصری ان کو نوجوانانِ بصرہ کا سردار کہتے تھے، ابن عون کہتے تھے کہ ابن سیرین کی موت کے بعد ہم لوگوں کے سامنے سوال پیدا ہوا کہ اب کون باقی رہ گیا؟ لیکن پھر خود ہی جواب مل گیا کہ ایوب موجود ہیں،[4]

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۱۴، [2] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۱۳۱، [3] شذرات الذہب ج اول ص ۱۸۰، [4] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۱۳۲ و تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۱،

حدیث | وہ بصرہ کے ممتاز ترین حفاظِ حدیث میں تھے، امام ذہبی لکھتے ہیں، کہ وہ حافظ اور اعلام میں تھے[1]،

حدیث میں اونھوں نے بڑے بڑے تابعین سے فیض پایا تھا، عمر بن سلمہ جرمی، ابو رجار عطاردی، ابو عثمان نہدی، ابو الشعثار جابر بن زید، حسن بصری، ابن سیرین، سالم بن عبداللہ، نافع بن ابی ملیکہ، ابن منکدر، حمید بن بلال، ابو قلابہ جرمی، قاسم بن محمد، عبد الرحمن بن قاسم، عکرمہ اور عطار وغیرہ جیسے اکابر علمائ سے سماعِ حدیث کیا تھا، حدیث میں اون کی وسعت علم کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ ان کی مرویات کی تعداد آٹھ سو اور بعض روایات کے مطابق دو ہزار تک پہنچتی ہے[2]،

امام مالک، سفیان ثوری، ابن عیینہ، ابن ابی عروبہ، معمر، اعمش، قتادہ اور شعبہ وغیرہ جیسے اکابر علمار اور ائمہ آپ کے خوشہ چینوں میں تھے[3]،

ارباب فن میں آپ کی مرویات کا پایہ، | کیفیت کے اعتبار سے ان کی روایات کا جو پایہ تھا، اس کا اندازہ ذیل کے آرار سے ہوگا، ابو حاتم کا ان کی روایات کے متعلق خیال تھا کہ ان کے جیسے شخص کے متعلق کچھ پوچھنے گچھنے کی ضرورت نہیں، ابن سیرین ان کو ثبت کہتے تھے، مسلم بن الکیس کا بیان ہے کہ میں نے ابن سیرین سے پوچھا کہ آپ سے فلاں فلاں حدیث کس نے بیان کی، انھوں نے جواب دیا، ثبت ثبت ایوب نے[4]،

ابن مدائنی، نسائی اور ابن خثیمہ وغیرہ سب ان کی روایات کو اعلیٰ درجہ کی سمجھتے تھے، شعبہ ان کی ان روایات کو جنمیں انھیں خود شک ہوتا، دوسروں کی یقینی اور غیر مشتبہ روایات پر ترجیح دیتے تھے، ایک مرتبہ انھوں نے ان سے ایک حدیث پوچھی، اونھوں نے جواب دیا مجھے اس میں شک ہے، شعبہ نے کہا آپ کا شک مجھے دوسروں کے یقین سے زیادہ پسند ہے[5]،

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۱، [2] تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۹۷ و ۳۹۸ و تہذیب الاسمار ج اول ق اول ص ۱۳۲، [3] تہذیب التہذیب حوالہ مذکور، [4] تہذیب الاسمار ج اول ق اول ص ۱۳۱ و ۱۳۲ [5] تہذیب ج اول ص ۳۹۸

فقہ | فقہ میں بھی وہ پورا کمال رکھتے تھے، شعبہ انھیں سید الفقہار کہتے تھے[۱] لیکن انکی انتہائی احتیاط کی وجہ سے انکے کمالات فقہی ظاہر ہو سکے،

احتیاط | ان محدثانہ اور فقہی کمالات کے باوجود وہ حدیث بیان کرنے اور فقہی مسائل بتانے میں بڑے محتاط تھے، حماد بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ایوب اور یونس سے زیادہ میں نے سوالات کے جوابات میں لاعلمی ظاہر کرنے والا نہیں دیکھا، جواب بھی دیتے تھے تو اس احتیاط کے ساتھ کہ جواب دینے سے پہلے سائل کے حافظہ کا امتحان کر لیتے تھے، کہ وہ ان کے جواب کو غلط نقل نہ کرے، حماد بن یزید بیان کرتے ہیں، کہ جب کوئی شخص ایوب سے کسی چیز کے متعلق پوچھتا تھا، تو پہلے اس کا سوال دہرواتے تھے، اگر وہ بعینہٖ پہلی مرتبہ کی طرح دہرا دیتا تو جواب دیتے، اور اگر ذرا بھی تغیر و تبدل اور خلط ملط کرتا تو جواب نہ دیتے لیکن جوابات میں بھی اپنی رائے کو دخل نہ دیتے تھے، بلکہ صرف احادیث و سنن کا حکم بتا دیتے، اور اگر کوئی سند نہ ہوتی تو لاعلمی ظاہر کر دیتے، ایک مرتبہ ایک شخص نے کسی چیز کے متعلق سوال کیا، جواب دیا مجھے کوئی علم نہیں، سائل نے کہا اپنی رائے سے بتائیے، فرمایا میری رائے بھی کوئی نہیں ہے[۲]، رائے کو وہ ایک باطل شے سمجھتے تھے، کسی نے ان سے کہا، آپ مسائل میں رائے کیوں نہیں دیتے، آپ نے یہ تمثیلی جواب دیا کہ کسی نے گدھے سے کہا تم جگالی کیوں نہیں کرتے، اس نے کہا باطل شے کا چبانا پسند نہیں کرتا[۳]،

پندار علم کا خوف اور اس سے احتراز | انسان کسی مرتبہ اور درجہ پر پہنچکر مشکل ہی سے عجب و غرور سے بچ سکتا ہے، اس لئے ایوب ہمیشہ اس سے خائف رہتے تھے، چنانچہ کہا کرتے تھے، کہ کون انسان اس سے محفوظ رہ سکتا ہے، کہ ایک شخص جب حدیث بیان کرتا ہے اور قوم کے دل میں وہ ایک جگہ حاصل کر لیتا ہے، اس وقت اس کے دل میں بعض چیزوں (عجب و غرور وغیرہ) کی آمیزش ہو جاتی ہے[۴]، لیکن ان کا دامن اس سے محفوظ تھا، علم کا ایک پندار یہ بھی ہے، کہ صاحب علم اپنی لاعلمی

---

[۱] تہذیب الاسماء ج اول ق ا صہ ۱۳۱ [۲] ابن سعد ج ۷ ق ۲ صہ ۱۴ [۳] تذکرۃ الحفاظ ج اول صہ ۱۱۲ [۴] ابن سعد ج ۷، ق ۲ صہ ۱۴،

دوسروں پر ظاہر نہ ہونے دیتے، اوپر گذر چکا ہے کہ وہ بہتیرے سائلوں کو صاف جواب دیتے تھے، کہ مجھے نہیں معلوم، بعض سائلوں سے کہدیتے، کہ کسی دوسرے صاحب علم سے پوچھ لو،[1]

اہل علم کی عزت۔ اہل علم کی بڑی عزت و محبت کرتے تھے خواہ وہ کیسی ہی معمولی حالت میں کیوں نہ ہو، اسکی وقعت میں فرق نہ آتا، ربیع بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایوب سختیانی کا ہم سفر تھا، ابطح میں ایک لحیم شحیم شخص سے جس کے جسم پر نہایت موٹا لباس تھا ملاقات ہوئی۔ وہ ایوب کو پوچھ رہا تھا، میں نے ان کو اطلاع دی، کہ ایک شخص آپ کو تلاش کر رہا ہے، جیسے ہی ایوب نے اس شخص کو دیکھا دوڑ کر گلے لپٹ گئے۔ لوگوں نے پوچھا یہ کون شخص ہے، معلوم ہوا سالم بن عبد اللہ ہیں،[2]

زہد و عبادت۔ ایوب میں جس درجہ کا علم تھا، اس سے کچھ بڑھ کر زہد و تقویٰ تھا، امام مالک کا بیان ہے کہ وہ علمائے باعمل صاحب خشوع بڑے عبادت گذار اور اخیار لوگوں میں تھے،[3] چالیس مرتبہ حج کے شرف سے مشرف ہوئے،[4]

عبادت کا اخفاء۔ لیکن ہمیشہ عبادت و ریاضت کو چھپاتے تھے، فرماتے تھے کہ آدمی کے لئے اپنے زہد کا چھپانا ظاہر کرنے سے بہتر ہے،[5] ساری ساری رات عبادت کرتے تھے، لیکن لوگوں سے چھپانے کے لئے صبح کو اس طرح آواز بلند کرتے کہ سننے والوں کو معلوم ہو کہ ابھی سو کر اٹھے ہیں،[6]

ذات نبوی سے عقیدت و محبت ذات نبوی کے ساتھ ایسی والہانہ شیفتگی تھی کہ حدیث نبوی کو سن کر ایسا زار زار روتے کہ دیکھنے والوں کو رحم آجاتا، امام مالک کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ ان کے اجلال کو دیکھ کر ان سے حدیثیں لکھنی شروع کر دی تھیں،[8]

اتباع رسول۔ محبت رسول کے غلبہ کی وجہ سے اتباع سنت میں بڑا اہتمام تھا، حماد بن زید بیان کرتے

---

[1] ابن سعد ج، ق ۲ ص ۱۴، [2] ایضاً ص ۱۵، [3] تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۹۸ [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص، ۱۱،

[5] ابن سعد ج، ق ۲ ص ۱۶، [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص، ۱۱، [7] ایضاً، [8] تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۹۷،

ہیں کہ جن جن لوگوں کے پاس میں بیٹھا ان سب میں زیادہ افضل اور متبع سنت ایوب کو پایا[1]،

شہرت سے نفرت اور اہل دنیا سے اجتناب

ان اوصاف اور کمالات کی وجہ سے انکی ذات مرجع خلائق بن گئی تھی، لیکن ان کو دنیا، اہل دنیا اور شہرت و نمود سے اس قدر اجتناب تھا کہ وہ سب سے بھاگتے تھے، چنانچہ عام مجموں اور لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لئے عام اور مالوف راستوں کو چھوڑ کر نامانوس اور دور دراز راستوں سے نکلتے تھے، حماد بن زید بیان کرتے ہیں کہ راہ چلتے میں ایوب مجھے دور کے راستوں سے لیجاتے ان کو قریب کا راستہ بتاتا تو وہ کہتے ہیں ان مجالس سے بچنا چاہتا ہوں، ایک دوسری روایت میں حماد بیان کرتے ہیں کہ ایوب مجھے ایسے راستوں سے لیجاتے کہ انکی تلاش پر تعجب ہوتا اور یہ محض اس سے بچنے کے لئے کہ ان پر لوگوں کی نظر نہ پڑنے پائے، لیکن جب کسی کا سامنا ہوجاتا، تو خود سلام میں پیش قدمی کرتے، ان کی شخصیت کی وجہ سے لوگ ان کے سلام کے جواب میں بہت کچھ اضافہ کرتے، ان کو یہ امتیاز بھی گوارا نہ تھا، چنانچہ ان کے جوابات سن کر فرماتے، خدایا تو خوب جانتا ہے کہ یہ میری خواہش نہیں ہے، خدایا تو خوب جانتا ہے، کہ یہ میری خواہش نہیں ہے،

لوگوں کی نظر بچانے کے لئے وہ اکثر دوسروں کو اپنے ساتھ چلنے کی اجازت نہ دیتے، شعبہ بیان کرتے ہیں، کہ بسا اوقات میں اپنی ضرورت سے ان کے ساتھ جانا چاہتا تو وہ مجھے اجازت نہ دیتے، اور گھر سے نکل کر مختلف گلیوں میں ادھر ادھر نکل جاتے تاکہ لوگ انھیں جاننے نہ پائیں[2]،

لوگوں کی نگاہ سے بچنے کے لئے اپنے طبقہ کی مالوف وضع چھوڑ دی تھی، تاکہ لوگوں کی نظر نہ پڑنے پائے، اس زمانہ کے عابدوں اور زاہدوں کے پیراہن کا دامن چڑھا رہتا تھا، اور یہ ان کا امتیازی نشان تھا، اس لئے وہ اپنے پیراہن کا دامن لٹکاتے تھے، معبد بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایوب کی قمیص کا دامن لٹکتا ہوا دیکھ کر ان پر اعتراض کیا، انھوں نے کہا، ابو عروہ اگلے زمانہ میں دامن لٹکا کر

---

[1] تہذیب الاسماء ج اوّل ق اول ص ۱۳۲، [2] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۱۵ و ۱۶،

چلنے میں شہرت تھی، اور اب سمیٹ کر چلنے میں ہے[1]،

ارباب دول وثروت سے گریز، ارباب دول سے ملنے میں خصوصیت کے ساتھ بہت گریز کرتے تھے، اور اپنے گھر میں خلفا وسلاطین تک کے آنے کے روادار نہ تھے، فرماتے تھے کہ مجھے اپنا لڑکا بکر دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے لیکن مجھکو اسے دفن کر دینا پسند ہے لیکن خلفا کا میرے پاس آنا پسند نہیں ہے،

خوش اخلاقی، اوپر کے واقعات سے یہ اندازہ نہ کرنا چاہئے کہ وہ مردم بیزار اور کج خلق تھے، وہ صرف اپنے کو چھپانیکے لئے لوگوں سے میل جول میں احتراز کرتے تھے، ورنہ اس سے الگ ہو کر وہ نہایت خوش خلق تھے حماد بن زید کا بیان ہے کہ میں نے ایوب سے زیادہ کسی کو لوگوں سے تبسم اور خندہ پیشانی کیساتھ ملتے نہیں دیکھا، بلاضرورت ان سے ملنے والوں پر تو یہ اثر پڑتا تھا کہ ایوب انھیں پہچانتے ہی نہیں لیکن جب کوئی بیمار ہوتا، یا کسی کے یہاں موت ہو جاتی تو وہ عیادت اور تعزیت کے لئے جاتے، اس وقت معلوم ہوتا کہ وہ شخص ان کی نگاہ میں سب سے زیادہ معزز اور محترم ہے، ایسے مواقع پر وہ نہایت معمولی معمولی درجہ کے آدمیوں کے یہاں بھی ضرور حاضری دیتے تھے یعلی بن حکیم نامی ایک غلام ان کا ہم محلہ تھا، وہ مرگیا، اس کے صرف ایک ماں تھی، ایوب اس کے یہاں تین دن تک برابر گئے، اور اس کے دروازے پر بیٹھتے تھے[2]،

وفات، ۱۳۱ھ میں بصرہ میں طاعون کے مرض میں وفات پائی، ۶۳ سال کی عمر تھی، ایک سرخ چادر انھوں نے عرصہ سے کفن کے لئے مخصوص کر دی تھی، اور اوس کو وہ احرام کی حالت میں، اور رمضان کی تیسویں شب کو اوڑھتے تھے، لیکن یہ چادر مرنے سے پہلے چوری گئی تھی[3]،

حلیہ، سر پر پٹے تھے جو سال میں ایک مرتبہ (غالباً حج کے موقع پر) منڈا دیا کرتے تھے، سر اور داڑھی، دونوں کے بال سپید ہو گئے تھے، ان میں کبھی کبھی سرخ خضاب کرتے تھے،

[1] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۱۵، [2] ایضاً ص ۱۶، [3] ایضاً ص ۱۶ و ۱۷،

۱۰- بسر بن سعید

نام ونسب، | بسر نام، والد کا نام سعید تھا، حضرمیوں کے غلام تھے، مدینۃ الرسول میں بنی حدیلہ کے محلہ میں رہتے تھے، زہد وورع کے اعتبار سے مدینہ کے ممتاز بزرگوں میں تھے،

فضل وکمال، | علمی اعتبار سے ان کا شمار علمائے ربانیین میں تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں بسر بن سعید العالم الربانی المجاب الدعوۃ احد التابعین[1] حدیث رسول کی معتدبہ تعداد ان کے حافظہ میں محفوظ تھی، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقۃ کثیر الحدیث[2]، حدیث میں وہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور سعد بن مالکؓ جیسے اجلہ صحابہ سے فیضیاب ہوئے تھے، اور سالم ابو النضر بکر بن الاشج، محمد بن ابراہیم، یعقوب بن اشج، ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن اور یزید بن خصیفہ وغیرہ ان کے خوشہ چینوں میں تھے[3]،

زہد وورع | ان کے دستارِ فضیلت کا نمایاں طرہ زہد وورع تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کان بسر من العباد المنقطعین واہل الزھد فی الدنیا[4]، ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں، بسر بن سعید المدنی الزاھد العابد المجاب الدعوۃ[5]،

حضرت عمر بن عبد العزیز پر اثر، | ان کے زہد وورع کے بڑے بڑے اتقیاء اور صلحائے امت معترف تھے حضرت عمر بن عبد العزیز جیسے بزرگ انھیں تمام اہل مدینہ سے افضل سمجھتے تھے، ایک مرتبہ ولید بن عبد الملک نے ان سے پوچھا کہ اہل مدینہ میں سب سے افضل کون ہے، فرمایا بنی حضرمی کا غلام بسر[6]

---

[1] دول الاسلام ذہبی ج اول ص ۵۱ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۲۰۰، [3] تہذیب التہذیب ج ۱ اول ص ۴۳۷، [4] ابن سعد ج ۵ ص ۲۰۰، [5] شذرات الذہب ج اول ص ۱۱۸، [6] تہذیب التہذیب ج اول ص ۴۳۷،

وفات | سنہ میں مدینۃ الرسول میں وفات پائی، انتقال کے وقت اٹھتر سال کی عمر تھی، زہد کا یہ عالم تھا کہ مرتے وقت کفن تک نہ چھوڑا، اسی زمانہ میں عبد الملک کے لڑکے عبد اللہ کا انتقال ہوا تھا اس نے اسّی مد سونا چھوڑا، حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس تفاوت راہ پر فرمایا کہ اگر دونوں کے جانے کی جگہ ایک ہوتی تو میں دنیا میں عبد اللہ کی جیسی عیش و آرام کی زندگی پسند کرتا، اس تعریض پر عبد اللہ کے بھائی مسلمہ نے کہا امیر المومنین آپ نے اپنے خاندان پر چوٹ کی، فرمایا میں صاحب فضل کی فضیلت کا ذکر نہیں چھوڑ سکتا[۱]،

۱۱۔ بکر بن عبد اللہ مزنی

نام و نسب، | بکر نام، باپ کا نام عبد اللہ تھا نسبی تعلق قبیلہ مزینہ سے تھا،

فضل و کمال، | بکر علمائے بصرہ میں تھے، اور اپنے علمی کمالات کی وجہ سے "شیخ البصرہ" حضرت حسن کے مقابلہ میں ان کا لقب "فتی البصرۃ" تھا[۲]،

حدیث، | حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقۃ ماموناثبتا ماماًمنا کثیرا الحدیث حجۃ[۳] صحابہ میں اونھوں نے عبد اللہ بن عمرؓ عبد اللہ بن عباسؓ، اور مغیرہ بن شعبہؓ اور تابعین میں ابو رافع صائغ، ابو تمیمہ جہمی وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا، ثابت البنانی، سلیمان تیمی، قتادہ، غالب القطان، عاصم الاحول، سعید بن عبد اللہ اور مطر الوراق ان کے تلامذہ ہیں، ان کی مرویات کی تعداد پچاس تک پہنچتی ہے[۴]،

فقہ، | فقہ میں بھی انھیں درک تھا، علامہ ابن سعد ان کے حفظ حدیث کے ساتھ انھیں فقیہ

---

[۱] ابن سعد ج ۵ ص ۲۰۸، [۲] ایضاً ج ۷ ق اول ص ۱۵۲، [۳] ایضاً، [۴] تہذیب التہذیب ج اول ص ۴۸۴،

بھی لکھتے ہیں[۱]،

عہدۂ قضائی پیشکش سے انکار ان کے فقہی کمال کی وجہ سے عہدۂ قضا ان کے سامنے پیش کیا گیا، مگر یہ اوس کی ذمہ داریوں سے بہت گھبراتے تھے، اس لئے قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، اور یہ معقول منطقی دلیل پیش کی کہ "خدائے وحدہ لاشریک کی قسم مجھے قضا میں کوئی درک نہیں ہے، اگر میں سچ کہتا ہوں تو ظاہر ہے کہ اس عہدہ کا اہل نہیں اور اگر غلط کہتا ہوں تو جھوٹا شخص قاضی بنائے جانے کے لائق نہیں[۲]،

مبتدعانہ عقائد سے نفرت عقائد میں بکر صحابۂ کرام کے صاف اور سادہ عقیدہ کے پابند تھے، عقلی موشگافیوں کو سخت ناپسند اور جدت طرازیوں سے سخت نفرت کرتے تھے، اس زمانہ میں قدر کا مسئلہ چھڑ چکا تھا، اگر بکر اس کا ذکر بھی سن لیتے، تو اس کے کفارہ میں دو رکعت نماز ادا کرتے تھے[۳]،

فارغ البالی اور تحدیث نعمت خدا نے بکر کو دنیاوی حیثیت سے بہت فارغ البال بنایا تھا، اور وہ تحدیث نعمت کے لئے امیرانہ اور عیش و راحت کی زندگی بسر کرتے تھے، خوش لباسی کے بڑے شائق تھے، چار چار ہزار تک کی قیمت کا لباس استعمال کرتے تھے، مزاج میں نفاست اتنی تھی کہ اس کے خلاف ادنی سی بات بھی گوارا نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ چار سو کی ایک چادر خریدی، درزی نے لباس قطع کرنے کے لئے اس پر مٹی سے نشان لگانا چاہا، بکر نے روک دیا اور کافور پسوا کر اس سے نشان لگوایا[۴]،

فروتنی اور تواضع لیکن اس امارت میں عجب و غرور مطلق نہ تھا، بلکہ اس قیمتی ملبوس میں وہ بے تکلف غربا کے مجمعوں میں حدیث سنانے کے لئے چلے جاتے تھے[۵]،

بارگاہ ایزدی میں الحاح اس فراغت و اطمینان کی حالت میں بھی وہ اپنے کو خدا کی بارگاہ کا ایک گدائے بے نوا سمجھتے تھے اور ہمیشہ اسکے فضل و کرم کے طالب رہا کرتے تھے، چنانچہ دعا کیا کرتے تھے،

---

[۱] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۵۲، [۲] ایضاً ص ۱۵۳، [۳] ایضاً ص ۱۵۲، [۴] ایضاً ص ۱۵۲، ۱۵۳، [۵] ایضاً

خدایا مجھے اپنے فضل وکرم سے رزق عطا فرما تاکہ میں اور زیادہ تشکر گذار ہوں صرف تیری ہی احتیاج ہے، تیرے ماسوا سے استغنا ہے، خدایا نہ میری امیدیں اور آرزوئیں میرے اختیار میں ہیں، اور نہ ناپسندیدہ باتوں کا روکنا میرے بس میں ہے، میرے تمام معاملات کسی اور کے ہاتھوں میں ہیں، دنیا میں کوئی محتاج مجھ سے زیادہ محتاج نہیں، یہ دعا کر کے فرماتے اے ابن آدم ایسی امید و آرزو نہ کر جو خدا کی نیرنگی سے بے خوف نہ کر دے، اور ایسا خوف و ہراس طاری کر جو خدا کی رحمت سے مایوس نہ کر دے[1]

شرط رفاقت | آپ کے بعض اصول ہر شخص کے لئے لائق عمل ہیں، شرط رفاقت کے سلسلہ میں فرماتے تھے کہ اگر تمھارے ساتھی کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے اور تم اسکا اتنا بھی انتظار نہ کرو کہ وہ اپنا تسمہ درست کرے، یا وہ پیشاب کے لئے بیٹھے، اور تم اس کے فارغ ہونے کا انتظار نہ کرو، تو تم اس کے ساتھی نہیں ہو[2]

زیادہ باتیں مضر ہیں، | فرماتے تھے زیادہ باتیں نہ کیا کرو، اگر تم نے صحیح اور درست باتیں کیں تو اس کا کوئی اجر نہ ملے گا، اور اگر غلط کیں تو تم سے ان کا مواخذہ ہوگا[3]

وفات | ۱۳۰ھ میں بصرہ میں وفات پائی، مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جنازہ پر خلقت ٹوٹی پڑتی تھی[4]

۱۲- ثابت بن اسلم بنانی،

نام و نسب، | ثابت نام ابو محمد کنیت، نسباً قریش کی شاخ بنی سعد سے اور بصرہ کے صاحب علم و عمل تابعین میں تھے[5]

فضل و کمال | علمی اعتبار سے وہ بصرہ کے ممتاز علماء میں تھے، حافظ ذہبی انھیں امام و حجت اور ابن عماد حنبلی علم و فضل اور عبادت میں سادات تابعین میں لکھتے ہیں[6]

حدیث | انس بن مالک کے خاص اصحاب میں تھے، ان کی صحبت نے اون کو بڑا حافظ حدیث بنا دیا،

---

[1] ابن سعد ج، ق اول ص ۱۵۲، [2] ایضاً، [3] ایضاً، [4] ایضاً ص ۱۵۳، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۱ و شذرات الذہب ج اول ص ۱۶۱،

تھا، ان کی مرویات کی تعداد ابن مدائنی کے بیان کے مطابق ڈھائی سو تک پہنچتی ہے[1] صحابہ میں انہوں نے انس بن مالکؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور غیر صحابہ میں عبداللہ بن مغفل، عمرو بن ابوسلمہ، شعیب عبداللہ بن رباح، عبدالرحمن بن ابی لیلی، مطرف بن عبداللہ، ابو رافع صائغ سے سماع حدیث کیا تھا[2]

حمید الطویل، شعبہ، جریر بن ابی حازم، معمر، ہمام، ابو عوانہ، جعفر بن سلیمان، سلیمان بن مغیرہ، داؤد بن ابی ہند، عطاء بن ابی رباح، عبداللہ بن عبید وغیرہ ان کے زمرۂ تلامذہ میں ہیں[3]

زہد وورع ان کی شہرت ان کے علم سے زیادہ اون کے عمل اور زہد وورع اور عبادت وریاضت کی وجہ سے ہے، صحابہ ان کے مذہبی اور اخلاقی اوصاف کے معترف تھے، حضرت انسؓ فرماتے تھے کہ ہر شے کی ایک کنجی ہوتی ہے، ثابت خیر کی کنجی ہیں[4]، بکر بن عبداللہ کہتے تھے، کہ جسے دنیا کا سب سے بڑا عابد دیکھنا ہو وہ ثابت کو دیکھ لے، میں نے ان سے بڑا عابد نہیں دیکھا[5]

سوز وگداز، ان کا دل سوز وگداز کی آتش سوزاں تھا، گداز قلب سے ان کی آنکھیں ہر وقت اشکبار رہتی تھیں، اور اس بے قراری کے ساتھ روتے تھے کہ پسلیاں الٹ پلٹ جاتی تھیں، شدتِ گریہ سے آنکھیں خراب ہو گئی تھیں، اور انکے بے نور ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا، لوگوں نے اتنی اشکباری پر عرض معروض کیا تو فرمایا، آنکھوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ روتی رہیں اور علاج کرنے سے انکار کر دیا،[6]

عبادت وریاضت، ان کی زندگی کا سب سے زیادہ محبوب مشغلہ عبادت تھا، فرماتے تھے کہ کسی شخص میں خواہ ساری دنیا کی بھلائیاں کیوں نہ ہوں لیکن جب تک وہ روزے نماز کا پابند نہیں ہے، اس وقت تک وہ عابد نہیں ہو سکتا، جس مسجد کی طرف سے گذرتے تھے، اسمیں نماز ضرور پڑھتے تھے، تہجد کی نماز میں یہ آیۃ عظمت پڑھتے

واکفرت بالذی خلقک من	اے انسان! تو اس سے کفر کرتا
تراب ثم من نطفۃ،	ہے، جس نے تجھکو مٹی پھر نطفہ سے پیدا کیا،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲ [2] ایضاً، [3] ایضاً، [4] ابن سعد ج ۷، ق ۲، ص ۳ [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۲ [6] ایضاً

بار بار تاثر کے ساتھ پڑھتے تھے، اور زار زار روتے تھے[1]

صائم الدہر تھے کبھی روزہ ناغہ نہ ہوتا تھا[2] ایک شبانہ یوم میں پورا قرآن ختم کرتے تھے[3]

توبہ اور استغفار | غفار الذنوب کی بارگاہ میں توبہ اور استغفار بہت پسند تھا، فرماتے تھے "مجھ سے یہ پسند ہے کہ مجھ سے گناہ کبیرہ سرزد ہو اور خدا سے استغفار کرکے اس گناہ کو چھوڑ دوں، اس کے مقابلہ میں کہ صغیرہ سرزد ہو اور استغفار اور اس کو چھوڑنے کی توفیق نہ ہو"[4]

موت کی یاد کا عمل پر اثر پڑتا ہے | فرماتے تھے کہ جو شخص موت کو زیادہ یاد کرتا ہے، اس کے اعمال پر اس کا نمایاں اثر ہوتا ہے[5]

وفات | ۱۲۳ھ میں وفات پائی، وفات کے وقت اسی سال سے اوپر عمر تھی[6]

۱۳- جابر بن زید

نام ونسب | جابر نام ابوالشعثار کنیت، نسبًا قبیلہ ازد سے تھے،

فضل وکمال | جیسا کہ آیندہ معلوم ہوگا، جابر نے بہت سے علمار صحابہ سے استفادہ کیا تھا، لیکن حبرالامۃ عبداللہ بن عباس کی صحبت میں خصوصیت کے ساتھ زیادہ رہے تھے، اس تعلق سے وہ "صاحب ابن عباس" یعنی ابن عباس کے ساتھی کہلاتے تھے[7] ان کے فیض صحبت نے جابر کا دامن علم نہایت وسیع کیا تھا، اور وہ اپنے عہد کے ممتاز ترین علمار میں تھے، حافظ ذہبی انھیں علمائے اعلام میں لکھتے ہیں[8]، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق اور جلالت پر سب کا اتفاق ہے، وہ ائمہ اور فقہائے تابعین میں ہیں[9]

[1] ابن سعد ج، ق ۲ ص ۳، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۲، [3] ایضاً، [4] ابن سعد ج، ق ۲ ص ۳، [5] ایضاً، [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۲، [7] ایضاً ص ۶۲، [8] ایضاً، [9] تہذیب الاسمار ج اول ق اول ص ۱۴۲،

قرآن | قرآن، حدیث، فقہ، جملہ علوم میں انھیں یکساں کمال حاصل تھا، علوم قرآنیہ میں مہارت کی، ان کے استاد حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی جو خود قرآن کے بہت بڑے عالم تھے، یہ سند کافی ہے کہ وہ فرماتے تھے، اگر اہل بصرہ جابر بن زید کا قول اختیار کریں، تو کتاب اللہ کے بارہ میں اون کا علم نہایت وسیع ہو جائے،[1]

حدیث | حدیث کے بھی بڑے حافظ تھے، ابھی اوپر گذر چکا ہے، کہ حافظ ذہبی حفاظ حدیث میں انھیں علمائے اعلام کا درجہ دیتے ہیں، حدیث میں اونھوں نے عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابن زبیرؓ، حکم بن عمرو غفاریؓ، اور امیر معاویہ وغیرہ سے استفادہ کیا تھا، اور عمرو بن دینار، یعلی بن مسلم، ایوب سختیانی اور عمرو بن جرزم وغیرہ ان کے زمرۂ تلامذہ میں ہیں،[2]

فقہ | فقہ میں بھی ان کو بڑی مہارت تھی، علامہ نووی انھیں ائمہ اور فقہائے تابعین میں لکھتے ہیں،[3] صحابہ اور تابعین ان کے تفقہ کے معترف تھے، ایک مرتبہ عبداللہ بن عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ تم بصرہ کے فقہاء میں ہو، اور لوگوں کو فتوی دیتے ہو، اس کا ہمیشہ خیال رکھنا کہ کبھی نص قرآنی اور سنت کے خلاف فتوی نہ دینا، ورنہ تم خود ہلاک ہوگے، اور دوسروں کو ہلاک کروگے،[4]

ایوب حیرت آمیز استعجاب کے ساتھ ان کے تفقہ کا تذکرہ کرتے تھے،[5] ایاس بن معاویہ جو بصرہ کے نامور قاضی تھے کہتے تھے کہ جابر کے علاوہ اہل بصرہ کا کوئی حقیقی مفتی نہ تھا،[6] حضرت حسن بصری کی عدم موجودگی میں جابر افتار میں ان کی قائم مقامی کرتے تھے،[7]

جابر ایک مرتبہ کسی سلسلہ میں قید ہو گئے تھے، قیاس یہ ہے کہ حجاج کے زمانہ میں جبکہ بہت سے صلحائے امت قید و بند کا شکار ہوئے تھے، جابر بھی اس کے مظالم کا نشانہ بنے ہوں گے، اہل بصرہ کو ان کے علم پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ قید کی حالت میں بھی انہی کی طرف رجوع کرتے تھے، قتادہ کا بیان

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۸، [2] ایضاً، [3] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۱۴۲، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۲، [5] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۳۱، [6] ایضاً، [7] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۸

ہے، کہ جابر بن زید قید کئے گئے تھے لوگوں نے خنثیٰ کی میراث کے بارہ میں ان کے پاس استفسار بھیجا، اونھوں نے کہا کہ تم لوگ بھی خوب ہو مجھ کو قید کرتے ہو اور پھر مجھ ہی سے فتویٰ پوچھتے ہو، یہ جتا کر فتویٰ کا جواب دیا[1]،

جامعیت جابر کی شخصیت جامع العلم تھی، وہ اپنے عہد کے سب سے بڑے عالم تھے عمرو بن دینار کہتے تھے کہ میں نے ابو الشعثاء سے زیادہ جاننے والا نہیں دیکھا[2] ان کی موت کے وقت قتادہ کی زبان پر یہ جملہ تھا، کہ "آج روے زمین کا علم دفن ہوگیا[3]"،

کتابت پسند نہ تھی اس عہد کے بعض بزرگوں کی طرح جابر کو بھی علم کو قلم بند کرنا پسند نہ تھا، عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ جابر بن زید سے بعض لوگوں نے کہا کہ لوگ آپ سے جو سنتے ہیں اوس کو لکھ لیتے ہیں، اونھوں نے یہ سن کر کہا انا للہ وہ لوگ لکھ لیتے ہیں! ان کی ناپسندیدگی دیکھ کر ان کے بعض تلامذہ نے لکھنا ترک کر دیا[4]،

فضائل اخلاق، اس علم کے ساتھ وہ فضائل سے بھی آراستہ تھے، وہ عمل خیر کے مقابلہ میں دنیا کی تمام نعمتوں کو جوتے سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے، فرماتے تھے، کہ ساٹھ برس کی عمر ہونے کو آئی، اس طویل مدت میں بہت کچھ ملا، اور خدا نے بہت سی نعمتیں عطا فرمائیں لیکن اس خیر کے علاوہ جسے میں نے کیا ہے، باقی اور تمام نعمتیں میرے نزدیک جوتے سے بھی فروتر ہیں[5]،

دولت دولت اور ثروت کے مقابلہ میں مشکل ہی سے کوئی شخص قائم رہ سکتا ہے، لیکن جابر کو دولت کے مقابلہ میں بھی لغزش نہ ہوتی تھی، محمد بن حسین کہتے تھے کہ خدا جابر پر رحم کرے، وہ درہم کے مقابلہ میں بھی مسلمان تھے[6]

---

[1] ابن سعد ج، ق اول ص ۱۳۱، [2] ایضاً، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۲، [4] ابن سعد ج، ق اول ص ۱۳۱، [5] ایضاً، [6] ایضاً،

ایک الزام سے برات جابر کے پاس فرقہ اباضیہ (خارجی فرقہ کی ایک شاخ) کے افراد کی آمد و رفت رہتی تھی، اس لئے بعض لوگوں کو یہ گمان پیدا ہو گیا تھا کہ وہ بھی اس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، یا کم از کم ان کے خیالات سے متاثر ہیں، لیکن اس کی کوئی اصلیت نہ تھی، وہ اباضیہ سے ملتے جلتے ضرور تھے لیکن ان کے خیالات سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، اور انھوں نے بارہا اپنی زندگی میں اور آخر وقت مرض الموت میں اباضیہ کے عقائد سے اپنی برأت ظاہر کی، جب اون کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو ثابت البنانی نے پوچھا کہ آپ کی کوئی خواہش ہے، کہا حسن بصری کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں، اس وقت وہ (غالباً حکومت کے) خوف سے ابی خلیفہ کے گھر میں روپوش تھے، ان کو جابر کی خواہش کی اطلاع دی گئی، وہ فوراً آنے کے لئے آمادہ ہو گئے، ثابت نے روکا کہ پکڑ جانے کا خوف ہے، آپ نے جواب دیا خدا مجھ کو دشمنوں کی نظر سے بچائے گا، چنانچہ اسی وقت جابر کے پاس پہنچے، جابر میں اٹھنے کی طاقت نہ تھی، حسن بصری کو دیکھ کر سہارا لے کر اٹھے، حسن بصری نے انھیں کلمہ طیبہ پڑھنے کی تلقین کی، اونھوں نے کلام اللہ کی آیات تلاوت کیں، حسن بصری نے دم آخر اباضیہ کے مسئلہ کو صاف کرنے کے لئے پوچھا، اباضیہ تم سے دوستی رکھتے ہیں، جابر نے کہا میں خدا سے ان سے برأت چاہتا ہوں، حسن بصری نے سوال کیا، نہر وانیوں کے بارہ میں تمہارا کیا خیال ہے، جابر نے ان سے بھی برأت ظاہر کی، اس مسئلہ کو صاف کرنے کے بعد حسن بصری صبح تک انھیں رخصت کرنے کا انتظار کرتے رہے، لیکن ابھی وداع میں کچھ تاخیر تھی اس لئے صبح کے آثار نمودار ہونے کے بعد نماز جنازہ کے طور پر چار تکبیریں کہہ کے ان کے حق میں دعائے مغفرت کی اور صبح ہونے سے پہلے اپنے قیام گاہ لوٹ گئے[1]

وفات اسی بیماری میں ۱۰۳ھ میں وفات پائی[2]

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۳۲، [2] ایضاً۔

۱۴۔ جعفر بن محمد الملقب بہ صادق

نام نسب، جعفر نام، ابوعبداللہ کنیت، صادق لقب، آپ امام محمد الملقب بہ باقر کے صاحبزادے اور فرقۂ امامیہ کے چھٹے امام ہیں، نسب نامہ یہ ہے، جعفر بن محمد بن علی بن ابی طالب آپ کی ماں فروہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے پوتے قاسم بن محمد کی لڑکی تھیں، نانہالی شجرہ یہ ہے، ام فروہ بنت قاسم بن محمد ابن عبدالرحمن بن ابی بکر، اس طرح جعفر صادق کی رگوں میں صدیقی خون بھی شامل تھا،

پیدایش، ۸۰ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے،[1]

فضل وکمال آپ اس خانوادۂ علم وعمل کے چشم وچراغ تھے، جس کے ادنی خدام مسندِ علم کے وارث ہوئے آپ کے والد امام باقر اس پایہ کے عالم تھے کہ باقر آپ کا لقب تھا، آپ کے حلقۂ درس سے امام اعظم ابوحنیفۃ النعمان جیسے اکابر امت نکلے، اس لئے جعفر صادق کو علم گویا وراثۃً ملا تھا، فضل و کمال کے لحاظ سے آپ اپنے وقت کے امام تھے، حافظ ذہبی آپ کو امام اور احد السادۃ الاعلام لکھتے ہیں،[2] اہلبیتِ کرام میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا، ابن حبان کا بیان ہے کہ فقہ، علم اور فضل میں ساداتِ اہل بیت میں تھے،[3] امام نووی لکھتے ہیں کہ آپ کی امامت، جلالت اور سیادت پر سب کا اتفاق ہے،[4]

حدیث حدیث آپ کے جدِ امجد علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اقوال ہیں، اس لئے آپ سے زیادہ اس کا کون مستحق تھا، چنانچہ آپ مشہور حفاظِ حدیث میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان کثیر الحدیث۔[5] حافظ ذہبی آپ کو سادات اور اعلام حفاظ میں لکھتے ہیں،[6] حدیث میں اپنے والد بزرگوار حضرت

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۵۰، [2] ایضاً ص ۱۴۹، [3] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۴، [4] تہذیب الاسماء ص ۱۵۰،
[5] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۴ بحوالہ ابن سعد، [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۵۰،

امام باقر، محمد بن منکدر، عبید اللہ بن ابی رافع، عطا، عروہ، قاسم بن محمد، نافع اور زہری وغیرہ سے فیض پایا تھا، شعبہ، دونوں سفیان، ابن جریج، ابوعاصم، امام مالک، اور امام ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ آپ کے تلامذہ میں تھے[1]

احترام حدیث | حدیث رسول کا اتنا احترام تھا کہ ہمیشہ طہارت کی حالت میں حدیث بیان کرتے تھے[2]

فقہ | فقہ میں آپ کو اتنا کمال حاصل تھا کہ افقہ الفقہار امام زمن، امام ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ میں نے جعفر بن محمد سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا[3]

قیاس | گو آپ بہت بڑے فقیہ تھے لیکن مسائل دینیہ میں قیاس احتیاط کے خلاف سمجھتے تھے، ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان سے فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تم دین میں قیاس کرتے ہو، قیاس کو دخل نہ دیا کرو، کیونکہ پہلا قیاس ابلیس نے کیا تھا[4] (یعنی تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا، اور آدم کو مٹی سے، اس لئے میں اون کا سجدہ کیوں کروں)

علمار کا مرتبہ | آپ فرماتے تھے کہ فقہار رسولوں کے امین ہیں جب تک وہ سلاطین کی آستاں بوسی نہ کریں[5]

اقوال | آپ کے اقوال و کلمات طیبات تہذیب اخلاق، علم و حکمت اور پند و موعظت کا دفتر ہیں سفیان ثوری سے آپ نے ایک مرتبہ فرمایا، سفیان جب خدا تم کو کوئی نعمت عطا کرے اور تم اس کو ہمیشہ باقی رکھنا چاہو تو زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرو، کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے، کہ "اگر تم شکر ادا کروگے تو میں تم کو زیادہ دوں گا" جب رزق ملنے میں تاخیر ہو رہی ہو، تو استغفار زیادہ کرو، اللہ عزوجل اپنی کتاب میں فرماتا ہے،

استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم	اپنے رب سے مغفرت چاہو وہ بڑا مغفرت کرنیوالا ہے تم پر آسمان سے
مدرارا ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنت	موسلا دھار پانی برسائیگا اور دنیا میں مال اور اولاد سے تمہاری مدد
ویجعل لکم انہارا (سورہ نوح)	کریگا، اور آخرت میں تمہارے لئے جنت اور نہریں بنائیگا

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ صد ۱۰۳، [2] ایضاً صد ۱۰۵، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول صد ۱۵۰، [4][5] مختصر صفوۃ الصفوہ صد ۱۴۰

جب تمہارے پاس سلطان وقت یا اور کسی کا کوئی حکم پہنچے تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ زیادہ پڑھو، وہ کشادگی کی کنجی ہے، جو شخص اپنی قسمت کے حصہ پر قناعت کرتا ہے وہ مستغنی رہتا ہے، اور جو دوسرے کے مال کی طرف نظر اٹھاتا ہے وہ فقیر مرتا ہے، جو شخص خدا کی تقسیم پر راضی نہیں ہوتا وہ خدا کو اس کے فیصلہ پر متہم کرتا ہے، جو شخص دوسرے کی پردہ دری کرتا ہے، خدا اس کے گھر کے خفیہ حالات کی پردہ دری کر دیتا ہے، جو بغاوت کے لئے تلوار کھینچتا ہے، وہ اسی سے قتل کیا جاتا ہے، جو اپنے بھائی کے لئے گڈھا کھودتا ہے، وہ خود اس میں گرتا ہے، جو سفیہوں کے پاس بیٹھتا ہے، وہ حقیر ہو جاتا ہے، جو علماء سے ملتا جلتا ہے وہ معزز ہو جاتا ہے، جو برے مقامات پر جاتا ہے وہ بدنام ہو جاتا ہے، ہمیشہ حق بات کہو خواہ تمہارے موافق ہو یا مخالف آدمی کی اصل اس کی عقل ہے، اسکا حسب اس کا دین ہے، اس کا کرم اس کا تقوی ہے، تمام انسان آدم کی نسبت میں برابر ہیں، سلامتی بہت نادر چیز ہے، یہاں تک کہ اس کے تلاش کرنے کی جگہ بھی مخفی ہے، اگر وہ کہیں مل سکتی ہے تو ممکن ہے گوشۂ گمنامی میں ملے، اگر تم اس کو گوشۂ گمنامی میں تلاش کرو اور نہ ملے، تو ممکن ہے تنہا نشینی میں ملے، گوشۂ تنہائی گوشۂ گمنامی سے مختلف ہے، اگر گوشۂ تنہائی میں بھی تلاش سے نہ ملے تو سلف صالحین کے اقوال میں ملے گی،

استغفار، | فرماتے تھے جب تم سے کوئی گناہ سرزد ہو تو اس کی مغفرت چاہو، انسان کی تخلیق کے پہلے سے اس کی گردن میں خطاؤں کا طوق پڑا ہے، گناہوں پر اصرار ہلاکت ہے،

دنیا، | فرماتے تھے خدا نے دنیا کی طرف وحی کی ہے کہ جو شخص میری خدمت کرتا ہے تو اس کی خدمت کر اور جو تیری خدمت کرتا ہے، اسے تھکا دے،

اچھے کاموں کے شرائط | فرماتے تھے بغیر تین باتوں کے اچھا کام مکمل نہیں ہوتا، جب تم اسے کرو تو اپنے نزدیک اسے چھوٹا سمجھو، اس کو چھپاؤ اور اس میں جلدی کرو، جب تم اس کو چھوٹا

سمجھو گے تب اس کی عظمت بڑھے گی، جب تم اس کو چھپاؤ گے اس وقت اس کی تکمیل ہو گی، اور جب تم اس میں جلدی کرو گے تو خوشگواری محسوس کرو گے،

حسن ظن | فرماتے تھے جب تمھارے بھائی کی جانب سے تمھارے لئے کوئی ناپسندیدہ بات ظاہر ہو، تو اس کے جواز کے لئے ایک سے ستر تک اس کی تاویلیں تلاش کرو اگر پھر بھی نہ ملے تو سمجھو کہ اس کا سبب اور اس کی کوئی تاویل ضرور ہوگی جس کا تم کو علم نہیں،

اگر تم کسی مسلمان سے کوئی کلمہ سنو تو اسکو بہتر سے بہتر معنی پر محمول کرو جب وہ محمول نہ ہو سکے تو اپنے نفس کو ملامت کرو،

تہذیب و اخلاق | فرماتے تھے چار چیزوں میں شریف کو عار نہ کرنا چاہیئے، اپنے باپ کی تعظیم میں اپنی جگہ سے اٹھنے میں، مہمان کی خدمت کرنے اور خود اوس کی سواری کی دیکھ بھال میں خواہ گھر میں سو غلام کیوں نہ ہوں، اور اپنے استاد کی خدمت کرنے میں،

ایک نکتہ | جب دنیا کسی کے موافق ہوتی ہے تو دوسروں کی بھلائیاں بھی اسے دیدیتی ہے اور جب منہ پھیر لیتی ہے تو خود اسکی خوبیاں بھی چھین لیتی ہے،[1]

فضائل اخلاق؛ آپ کی ذات فضائل اخلاق کا زندہ پیکر تھی، آپ کا ایک نظر دیکھ لینا، آپ کی خاندانی عظمت کی شہادت کے لئے کافی تھا، عمرو بن المقدام کا بیان ہے کہ جب میں جعفر بن محمد کو دیکھتا تھا تو نظر پڑتے ہی معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ نبیوں کے خاندان سے ہیں،[2]

عبادت و ریاضت، | عبادت آپ کے شبانہ یوم کا مشغلہ تھی، آپ کا کوئی دن اور کوئی وقت عبادت سے خالی نہ ہوتا تھا، امام مالک کا بیان ہے، کہ میں ایک زمانہ تک آپ کی خدمت میں آتا جاتا رہا آپ کو ہمیشہ یا نماز پڑھتے پایا، یا روزہ رکھے ہوئے یا قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے،[3]

انفاق فی سبیل اللہ، | انفاق فی سبیل اللہ اور فیاضی و سیرچشمی اہل بیت کرام کا امتیازی اور مشترک

---

[1] یہ تمام اقوال مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۳۹ تا ۱۴۱ سے ماخوذ ہیں [2] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۵۰، [3] تہذیب ج ۲ ص ۱۰۴

وصف رہا ہے، جعفر صادق کی ذات اس وصف کا مکمل ترین نمونہ تھی، ہیاج بن بسطام روایت کرتے ہیں کہ جعفر صادق بسا اوقات گھر کا کل کھانا دوسروں کو کھلا دیتے تھے، اور خود ان کے اہل و عیال کے لئے کچھ نہ باقی رہتا تھا،[۱]

لباس امارت میں خرقہ فقر آپ بظاہر اہل دنیا کے لباس میں رہتے تھے، لیکن اندر لباسِ فقر مخفی ہوتا تھا، سفیان ثوری کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ جعفر بن محمد کے پاس گیا، اس وقت ان کے جسم پر خز کا جبہ اور دخانی خز کی چادر تھی، میں نے کہا یہ آپ کے بزرگوں کا لباس نہیں ہے، فرمایا وہ لوگ افلاس اور تنگ حالی کے زمانہ میں تھے، اور اس زمانہ میں دولت بہ رہی ہے، یہ کہہ کر انھوں نے اوپر کا کپڑا اوٹھا کر دکھایا تو خز کے جبہ کے نیچے پشمینہ کا جبہ تھا، اور فرمایا ثوری یہ ہم نے خدا کے لئے پہنا ہے، اور وہ تم لوگوں کے لئے جو خدا کے لئے پہنا تھا، اوس کو پوشیدہ رکھا ہے، اور جو تم لوگوں کے لئے تھا، اس کو اوپر رکھا ہے[۲]

مذہبی اختلافات سے بچنے کی ہدایت، مذہب میں جھگڑنا سخت ناپسند کرتے تھے، فرماتے تھے، تم لوگ خصومت فی الدین سے بچو، اس لئے کہ وہ قلب کو پھنسا دیتی ہے اور نفاق پیدا کرتی ہے،[۳]

جرات نہایت جری نڈر اور بے خوف تھے، بڑے بڑے جبابرہ کے سامنے یہ بے باکی قائم رہتی تھی، ایک مرتبہ منصور عباسی کے اوپر ایک مکھی آکر بیٹھی وہ بار بار ہنکاتا تھا، اور مکھی بار بار آکر بیٹھتی تھی منصور اس کو ہنکاتے ہنکاتے عاجز آگیا، مگر وہ نہ ہٹی، اتنے میں جعفر پہنچ گئے، منصور نے ان سے کہا ابو عبد اللہ مکھی کس لئے پیدا کی گئی، ہے، فرمایا جبابرہ کو ذلیل کرنے کے لئے،[۴]

حضرت ابو بکرؓ کے متعلق عقیدہ گو تمام حق پرست اہل بیتِ کرام کو خلفاے اربعہ کے ساتھ یکساں عقیدت تھی، لیکن جعفر صادق کی رگوں میں صدیقی خون بھی شامل تھا، اس لئے آپ کو حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ خاص تعلق تھا، اور وہ اپنے جد امجد حضرت علیؓ کی طرح ان پر بھی اپنا حق سمجھتے تھے، چنانچہ فرماتے

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۵۰، [۲] ایضاً، [۳] ایضاً، [۴] صفوۃ الصفوہ ص۱۴۱،

کہ مجھے علیؓ سے جتنی شفاعت کی امید ہے، اتنی ہی ابوبکرؓ سے ہے[1]،

وفات، ۱۴۸ھ میں وفات پائی[2]،

۱۵۔ حسن بن حسن

نام ونسب، حسن نام خاندانِ نبوت کے چشم وچراغ یعنی حضرت امام حسن بن علی علیہما السلام کے فرزند ارجمند اور آپ کے جانشین تھے، ماں کا نام خولہ تھا، ناںہالی نسب نامہ یہ تھا، خولہ بنت منظور بن زبان بن سیار بن عمرو بن جابر بن عقیل بن ہلال بن سمی بن مازن فزاری،

فضل وکمال، فضل وکمال کے لحاظ سے حسن کا کوئی قابلِ ذکر پایہ نہ تھا تاہم اپنے جد امجد کی گفتگو یعنی احادیث نبوی کے امین تھے، اور اوس کو اپنے والد بزرگوار حضرت حسنؓ اور عبداللہ بن جعفر سے سنا تھا، آپ کے صاحبزادے ابراہیم، عبداللہ حسن اور چچیرے بھائی حسن بن محمد بن حنفیہ اور حیان بن سدید کوفی، سعید بن ابی سعید، عبدالرحمن بن حفص اور ولید بن کثیر وغیرہ سے آپ نے روایتیں کی ہیں[3]،

خلافت کے بارہ میں باطل عقائد کی تردید، حسن خلق میں اپنے بے نیاز عالم باپ حضرت حسن علیہ السّلام کے خلف الصدق تھے، نسبی فخر وغرور کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ تھا، بعض سادات کرام غالی مدعیانِ محبت اہل بیت کے فریب میں پھنس جاتے تھے، اگرچہ اون کے عقائد وخیالات سے اون کا دامن پاک ہوتا تھا، لیکن بعض حالات کی وجہ سے وہ ان کے ہفوات انگیز کر لیتے تھے،

لیکن حسن اس باپ کے فرزند تھے جس نے ملتی ہوئی خلافت چھوڑ دی، اس لئے وہ خلافت کے بارہ میں گمراہ کن خیالات کو سخت ناپسند کرتے تھے، اور برملا اون کی تردید کرتے تھے،

ایک مرتبہ آپ نے ایک غالی مدعی محبت سے فرمایا تم لوگوں کو دعویٰ ہے کہ تم ہم سے

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۴۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۱۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۶۳،

خدا کے لئے محبت کرتے ہو، اگر یہ دعویٰ صحیح ہے تو ہم جب تک خدا کی اطاعت کریں تم ہم سے محبت کرو، اور جب اوس کی نافرمانی کریں تو ہم سے دشمنی کرو، آپ کے یہ خیالات سنکر ایک شخص نے کہا کہ آپ لوگ تو رسول اللہ (صلعم) کے قرابت دار اور اہل بیت میں سے ہیں، آپ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے اگر اللہ تعالیٰ بغیر اپنی اطاعت کے محض قرابت رسول کی وجہ سے کسی سے رکنے والا ہوتا تو سب سے زیادہ ان لوگوں کو فائدہ پہنچتا جس کے مادری اور پدری سلسلے ہم سے زیادہ رسول اللہ سے قریب ہیں، خدا کی قسم مجھ کو خوف ہے کہ ہم میں (اہلبیت) کے گنہگار کو عام گنہگاروں سے دگنا عذاب دیا جائیگا، اور یہ امید بھی ہے کہ ہماری جماعت کے مطیع اور محسن کو اجر بھی دونا ملے گا، تم لوگوں کی حالت پر افسوس ہے، خدا سے ڈرو اور ہمارے بارے میں قول حق کہو، کیونکہ وہ اس چیز کو جسے تم چاہتے ہو بدرجۂ اتم پورا کرنے والا ہے، اور ہم بھی قول حق ہی سے تم سے راضی ہو سکتے ہیں،

پھر فرمایا کہ جو کچھ تم لوگ کہتے ہو، اگر وہ خدا کے دین کی بات ہے، تو ہمارے بزرگوں نے ہمارے ساتھ بڑی برائی کی کہ انھوں نے اس کو نہ ہمیں بتایا اور نہ اس کی جانب رغبت دلائی، یہ سن کر اس رافضی نے کہا کیا مولیٰ علیؓ کے بارہ میں رسول اللہ صلعم نے ارشاد نہیں فرمایا ہے کہ "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" فرمایا ہاں کہا ہے، لیکن اگر اس سے مراد خلافت اور حکومت ہوتی تو نماز روزہ حج اور زکوٰۃ وغیرہ اسلامی ارکان کی طرح اس کی بھی وضاحت اور تصریح فرما دیتے، اور صاف صاف ارشاد فرماتے کہ لوگو میرے بعد یہ تمہارے ولی ہیں، کیونکہ مسلمانوں کے سب سے بڑے خیر خواہ رسول اللہ صلعم تھے، (اس لئے آپ کو ایک دینی مسئلہ میں صریح حکم دینا چاہئے تھا) اگر تم لوگوں کے قول کے مطابق یہ صحیح مان لیا جائے کہ اللہ اور اس کے رسول نے علیؓ کو خلافت اور رسول اللہ صلعم کے بعد ان کی جانشینی کے لئے منتخب فرمایا ہے، تو ایسی صورت میں علی سب سے بڑے مجرم اور خطا کار ٹھہرتے ہیں، کہ اونھوں نے اس چیز کو جس کے قیام کا رسول اللہ صلعم نے حکم دیا تھا چھوڑ دیا،[1]

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۲۳۵،

ابو العباس سفاح سے تعلقات و مراسم

ابو العباس سفاح عباسی، حسن اور ان کے بھائی عبد اللہ دونوں کو بہت مانتا تھا، یہ دونوں طالبین کی جماعت کے ساتھ اس کے پاس جاتے تھے، وہ ان کی خدمت کرتا تھا، عبد اللہ پر اتنا مہربان تھا کہ دربار میں جانے کے لئے ان پر پورے لباس کی پابندی نہ تھی، اور وہ بلا تکلف محض معمولی کرتہ پہن کر سفاح کے سامنے چلے جاتے تھے، ان کے ساتھ یہ غیر معمولی برتاؤ دیکھ کر لوگ ان سے کہتے تھے، کہ امیر المومنین تمہارے علاوہ کسی کو اس لباس میں نہیں دیکھتے، تم کو انھوں نے اپنا فرزند تصور کیا ہے،

لیکن ان تعلقات و مراسم اور اس شفقت و کرم کے باوجود سفاح کو ان کے لڑکوں محمد اور ابراہیم کی جانب سے اپنی مخالفت کا بڑا خطرہ تھا، ایک دن اس نے عبد اللہ سے پوچھا کہ تمہارے دونوں لڑکے اپنے خاندان والوں کے ساتھ میرے پاس کیوں نہیں آتے، عبد اللہ خاموش رہے، سفاح نے دوبارہ پھر پوچھا، عبد اللہ نے حسن سے اس کا تذکرہ کیا، اونھوں نے کہا، اگر اب وہ سوال کرے تو کہتے دینا کہ اون کے چچا (یعنی خود حسن) کو ان کا حال معلوم ہے، ان سے پوچھئے، عبد اللہ نے کہا تم میرے لئے اتنی بڑی ذمہ داری برداشت کروگے، اونھوں نے کہا ہاں،

چنانچہ سفاح نے جب دوبارہ پھر پوچھا تو عبد اللہ نے کہہ دیا کہ امیر المومنین ان کے چچا کو ان کا علم ہے، سفاح نے حسن کو بلاکر ان سے پوچھا، اونھوں نے جواب دیا کہ پہلے آپ یہ بتائیے کہ میں آپ سے کس طرح کی گفتگو کروں، خلافت کی عظمت و جلالت کو ملحوظ رکھ کر یا چچیرے بھائی کی طرح، سفاح نے کہا بالکل بے تکلف جیسے بھائی بھائی سے کرتا ہے، حسن نے کہا میں آپ کو خدا کا واسطہ دلا کر آپ سے سوال کرتا ہوں کہ اگر خدا نے خلافت کا کوئی حصہ محمد اور ابراہیم کے لئے مقدر کر دیا ہے، تو کیا آپ اور آپ کے ساتھ ساری روے زمین کی طاقت اور کوشش خدا کی تقدیر کو روک سکتی ہے، سفاح نے کہا نہیں، حسن نے کہا میں آپ کو خدا کا واسطہ دلا کر پوچھتا

ہوں کہ اگر خدا نے ان کی قسمت میں کچھ نہیں لکھا ہے تو کیا وہ دونوں سارے روے زمین کی حمایت اور کوشش سے کچھ پالیں گے، سفاح نے کہا نہیں، حسن نے کہا تو پھر آپ ان پیرمرد (عبد اللہ) کی ان نعمتوں اور الطاف وعنایات کو جو آپ ان پر کرتے ہیں بے لطف اور مکدر کیوں کرتے ہیں حسن کی اس گفتگو کے بعد سفاح نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کبھی ان دونوں کا تذکرہ نہ کرے گا، اور مرتے وقت تک اس عہد پر قائم رہا،

قید اور وفات، لیکن اس کے جانشین منصور نے اس کا لحاظ نہیں رکھا، اور محمد اور ابراہیم کے جرم میں حسن اور عبد اللہ دونوں بھائیوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا، چنانچہ دونوں نے قید ہی میں ۱۴۵ھ میں وفات پائی، وفات کے وقت حسن کی عمر اٹھاسی سال کی تھی[1]

۱۶ حسن بصری

نام ونسب حسن نام، ابو سعید کنیت، والد کا نام یسار تھا، علمی کمالات کے لحاظ سے سرخیل علماء اور اخلاقی و روحانی فضائل کے اعتبار سے سرتاج اولیاء تھے،

ان کے والدین غلام تھے، ان کی غلامی کے بارہ میں مختلف بیانات ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ ان کے والد میسان کے قیدیوں میں تھے، انس بن مالک کی پھوپھی ربیع بنت نضر نے خرید کر آزاد کیا تھا، دوسری روایت یہ ہے کہ ان کے والد اور والدہ دونوں بنی نجار یعنی ایک انصاری کی غلامی میں تھے، اونھوں نے بیوی کے مہر میں بنی سلمہ کو دیدیا تھا، بنی سلمہ نے ان کو آزاد کر دیا، تیسری روایت یہ ہے کہ ان کے والد حضرت زید بن ثابتؓ کے غلام تھے، اور ان کی ماں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی لونڈی تھیں، ان اختلافات سے قطع نظر کر کے اتنا مسلم ہے کہ یسار اور اون کی بیوی

---

[1] یہ واقعات تاریخ خطیب ج، ص ۲۹۳ و ۲۹۴ سے ماخوذ ہیں،

لونڈی غلام تھے، اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا آخری روایت زیادہ مستند ہے،

ام المومنین ام سلمہ کی رضاعت حسن بصری آخر عہد فاروقی میں جب کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کو دو سال باقی رہ گئے تھے یعنی ۲۱ھ میں پیدا ہوئے، ام المومنین ام سلمہ کی غلامی کی نسبت سے اون کو وہ شرف میسر ہوا جو کم خوش قسمتوں کے حصہ میں آیا ہوگا، ان کی ماں لونڈی تھیں، اس لئے اکثر گھر کے کام کاج میں لگی رہتی تھیں، جب وہ حسن بصری کو چھوڑ کر کسی کام میں لگ جاتیں، اور وہ رونے لگتے، تو حضرت ام سلمہؓ اون کو بہلانے کے لئے دودھ منہ میں دیدیتیں پھر انکی ماں لوٹ کر دودھ پلاتیں، اس طرح اون کو ام المومنین کی رضاعت کا شرف حاصل ہوا،

حسن بصری حضرت ام سلمہؓ کے سایۂ شفقت میں پلے تھے، اُن کے علاوہ دوسری ازواج مطہرات کے گھروں میں بھی اون کی آمدورفت رہتی تھی، ان کا خود بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت تک جب کہ اون کی عمر تیرہ چودہ سال کی تھی وہ بے تکلف ازواجِ مطہرات کے گھروں میں آتے جاتے تھے،[۱]

علمی کمالات، حسن بصری ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے جب کہ صحابۂ کرام کی بڑی تعداد موجود تھی اور ایسے مقام پر ان کی نشو و نما ہوئی تھی جہاں کی گلی گلی علوم نبوی کا مخزن تھی پھر انھیں صحبت ایسے بزرگوں کی میسر آئی جو تعلیماتِ اسلامی کا زندہ نمونہ اور اخلاق نبوی کی مجسم تصویر تھے، اس لئے ان کا دامن علم و عمل فضل و کمال اور زہد و ورع جملہ اخلاقی اور روحانی فضائل سے مالا مال ہوگیا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان الحسن جامعا، عالما عالیا، رفیعا، فقیھا، ماموناً، عابدا ناسکا، کبیر العلم فصیحا، جمیلا وسیما[۲] حسن بصری جامع کمالات تھے، عالم تھے بلند مرتبت رفیع المنزلت تھے، فقیہ تھے، مامون تھے، عابد و زاہد تھے، وسیع العلم تھے، فصیح و بلیغ اور حسین و جمیل

---

[۱] یہ تمام بیانات ابن سعد ج، ق ۲ تذکرہ حسن بصری سے ماخوذ ہیں، [۲] ایضاً ص ۱۱۵،

تھے، غرض وہ جملہ ظاہری اور باطنی نعمتوں سے مالامال تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں، حافظ، علامہ من بحور العلم فقیہ النفس، کبیر الشان، عدیم النظیر، ملیح التذکیر، بلیغ الموعظۃ، راس فی انواع الخیر[۱]، علامہ نووی لکھتے ہیں، کہ وہ مشہور عالم تھے، ان کی جلالت شان پر سب کا اتفاق ہے[۲]،

اکابر علماء کی رائے، اس عہد کے تمام علماء اور ارباب کمال کا ان کی جلالت شان پر اتفاق ہے، امام شعبی کہتے تھے کہ میں نے اس ملک (عراق) کے کسی شخص کو بھی ان سے افضل نہیں پایا، قتادہ لوگوں کو ہدایت کرتے تھے کہ اس شخص (حسن بصری) کا دامن پکڑو، میں نے رائے میں اس سے زیادہ کسی شخص کو عمرؓ بن الخطاب کے مشابہ نہیں دیکھا، اعمش کہتے تھے کہ حسن حکمت کو محفوظ رکھتے تھے، اور اس کو بولتے تھے امام باقر فرماتے تھے، کہ ان کی باتیں انبیاء کی باتوں کے مشابہ ہیں، غالب القطان کہتے تھے کہ اس عہد کے علماء پر حسن کو ایسی ہی فضیلت حاصل تھی جیسے طیور میں باز کو گوریوں پر ہوتی ہے، جو شخص اس زمانہ کے سب سے بڑے عالم کو دیکھنا چاہے، اسے حسن کو دیکھنا چاہئے، عمرو بن مرہ کہتے تھے کہ مجھے اہل بصرہ پر حسن اور محمد (دو شیخوں) کی وجہ سے رشک ہے، یونس بن عبید اللہ اور حمید الطویل کہتے تھے کہ میں نے بہت سے فقہا کو دیکھا لیکن حسن سے زیادہ کسی کو کامل المروۃ نہیں پایا، عطاء بن ابی رباح لوگوں کو ہدایت کرتے تھے کہ تم لوگ اس شخص (حسن) کی طرف مسائل میں رجوع کیا کرو، وہ بہت بڑے عالم، امام اور مقتدا ہیں، امام مالک فرماتے تھے کہ تم لوگ حسن بصری سے مسائل پوچھا کرو کیونکہ اونھوں نے محفوظ رکھا اور ہم نے بھلا دیا، بعض لوگ یہاں تک کہتے تھے کہ اگر حسن نے سن شعور میں عہد صحابہ پایا ہوتا تو یہ بزرگوار رائے میں ان کے محتاج ہوتے[۳]،

اگرچہ حسن بصری جامع العلوم تھے، لیکن ان کی زندگی زیادہ تر عبادت و ریاضت اور

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۲، [۲] تہذیب الاسماء ج ۱ اول ق اول ص ۱۶۱، [۳] یہ تمام بیانات ابن سعد ج ۷، ق ۲ تذکرہ حسن بصری سے ماخوذ ہیں،

روحانی مشاغل میں بسر ہوتی تھی، اس لئے ان کے علمی مرتبہ کے مقابلہ میں ان کی تفصیلات بہت کم ملتی ہیں، تاہم جتنے حالات ملتے ہیں وہ سرسری اندازہ لگانے کے لئے کافی ہیں، ان کو تفسیر، فقہ اور حدیث جملہ مذہبی علوم میں یکساں دستگاہ حاصل تھی،

تفسیر | مفسر کی حیثیت سے اونھوں نے کوئی خاص شہرت حاصل نہیں کی، لیکن تفسیر کی تعلیم انھوں نے بڑی محنت سے حاصل کی تھی، بارہ برس کے سن میں وہ حافظ قرآن ہو گئے تھے، ابوبکر الہذلی کا بیان ہے کہ جب تک وہ ایک سورۃ کی تفسیر و تاویل اور شان نزول وغیرہ سے پوری واقفیت نہ حاصل کر لیتے تھے، اس وقت تک آگے نہ بڑھتے تھے[1] اس محنت نے اون کو قرآن کا بڑا عالم بنا دیا تھا، اور قرآن پر اون کی نظر اتنی وسیع تھی کہ وہ تفسیر کا درس دیتے تھے[2]

حدیث | حدیث میں ان کا جو درجہ تھا، اس کا اندازہ حافظ ذہبی کے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے، کہ وہ علامہ اور علم کے سمندروں میں تھے[3] حدیث میں اونھوں نے ان بزرگوں سے فیض پایا تھا جن میں سے اکثر اس فن کے اساطین اور رکن اعظم تھے، چنانچہ صحابہ میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، انس بن مالکؓ، جابر بن معاویہؓ، معقل بن یسارؓ، ابی بکرہؓ، عمران بن حصینؓ، اور جندب بجلیؓ سے براہ راست استفادہ کیا تھا، اور عمر بن الخطابؓ، ابن کعبؓ، سعد بن عبادہؓ، عمار بن یاسرؓ، ابوہریرہؓ، ثوبانؓ، عثمان بن ابی العاصؓ اور معقل بن سنانؓ سے بالواسطہ مستفید ہوئے تھے صحابہ کے علاوہ اکابر تابعین کی ایک بڑی جماعت سے سماع حدیث کیا تھا[4]

شائقین حدیث کا مرجوعہ | جہاں تک ان کے حالات سے پتہ چلتا ہے، غالباً اون کا کوئی خاص

---

[1] شذرات الذہب ج اول ص ۱۳۷، [2] تہذیب التہذیب تذکرہ جابر بن زید [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۲، [4] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۶۴،

حلقۂ درس نہ تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا جو رنگ تھا اس کی وجہ سے وہ یہ سلسلہ پسند کرتے تھے، اور انھیں حدیث بیان کرنا بار معلوم ہوتا تھا، اور وہ اس فرض کو بالاستکراہ ادا کرتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ "اگر خدا نے اہل علم سے عہد نہ لیا ہوتا تو میں تم لوگوں کے سبب سوالات میں حدیث نہ بیان کرتا"[1]

تاہم ان کی شخصیت ایسی تھی کہ لوگ ان کا دامن نہ چھوڑتے تھے، اکثر شائقین علم خود ان کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفید ہوتے تھے، اور جہاں وہ جاتے تھے خلق اللہ کا مرجع بنجاتے تھے، مکہ تک میں جو مدینہ کے بعد علم کا دوسرا مرکز تھا، لوگوں کا ہجوم لگ جاتا تھا، اہل مکہ آپ کو تخت پر بٹھا کر حدیثیں سنتے تھے، اور مجاہد، عطاء اور طاؤس جیسے اکابر علماء سننے والوں میں ہوتے تھے، اور ان کی زبان پر یہ کلمہ ہوتا تھا، کہ ہم نے اس شخص کا مثل نہیں دیکھا[2]"

روایت بالمعنی | آپ احادیث کو بالفاظہا روایت کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے، اور صرف معنی اور مطلب کے ادا ہو جانے کو کافی سمجھتے تھے عموماً آپ کی روایات بالمعنی ہوتی تھیں[3]، اکثر الفاظ میں اختلاف اور کمی بیشی ہو جاتی تھی، لیکن معنی ایک ہی رہتے تھے[4]

تلامذہ | روایت حدیث سے دامن بچانے کے باوجود آپ کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا ان کی مختصر فہرست یہ ہے، حمید الطویل، یزید بن ابی مریم ایوب، قتادہ، بکر بن عبد اللہ مزنی، جریر بن ابی حازم، ابو الاشہب، ربیع بن صبیح، سعید جریری، سعد بن ابراہیم، سماک بن حرب، ابن عون، خالد الحذاء، عطاء بن سائب، عثمان البتی، قرہ بن خالد، مبارک بن فضالہ، یعلی بن زیاد، ہشام بن حسان، یونس بن عبید، منصور بن زاذان، سعید بن ہلال، مجاہد اور عطاء اور طاؤس وغیرہ[5]

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۱۰، [2] ایضاً، [3] ایضاً، [4] ایضاً، [5] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۶۴،

فقہ | فقہ کے وہ بہت بڑے امام اور بصرہ کے مفتی اعظم تھے، قتادہ کا بیان ہے، کہ حسن حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم تھے[1] ایوب کا بیان ہے کہ حسن سے بڑا فقیہ مری آنکھوں نے نہیں دیکھا، ربیع بن انس کا بیان ہے، کہ میں کامل دس سال تک حسن کے پاس آتا جاتا رہا، اور ان سے ہمیشہ نئے نئے مسائل معلوم ہوتے تھے[2]

ابن سعد کی ایک روایت سے جس کا ذکر آئندہ آئے گا، معلوم ہوتا ہے، کہ آپ نے حدیث وفقہ میں بعض کتابیں بھی لکھی تھیں،

رائے وقیاس، | اس تفقہ کے ساتھ آپ میں مجتہدانہ نظر تھی، چنانچہ جن مسائل میں روایتی سند نہ ہوتی تھی، اس میں رائے اور قیاس سے اجتہاد کرتے تھے، ایک مرتبہ ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے آپ سے پوچھا کہ آپ جن جن مسائل میں لوگوں کو فتوی دیتے ہیں، کیا ان سب میں آپ کے پاس سماعی سند ہوتی ہے، فرمایا نہیں خدا کی قسم سب میں سماعی سند نہیں ہوتی، لیکن ہماری رائے سائلوں کی رائے سے ان کے لئے بہتر ہوتی ہے[3]

لیکن ان کی رائے اصابت وصحت میں اصحابِ رائے صحابہ کے برابر ہوتی تھی، ابو قتادہ لوگوں کو مسائل میں ان کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کرتے تھے، اور کہتے تھے، خدا کی قسم میں نے ان کی رائے سے زیادہ کسی کی رائے کو عمر بن الخطابؓ کی رائے کے مشابہ نہیں دیکھا[4] بعض ارباب علم تو یہاں تک ان کی اصابت رائے اور دقتِ نظر کے معترف تھے کہتے تھے کہ اگر حسن سنِ شعور میں عہدِ صحابہ میں ہوتے تو وہ بزرگوار رائے میں ان کے محتاج ہوتے[5]

زبان وادب، | ان مذہبی علوم کے علاوہ وہ زبان وادب کے بڑے ماہر اور فصیح وبلیغ تھے،

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۱۵، [2] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۶۵، [3] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۲۱، [4] ایضاً ص ۱۲۱ [5] ایضاً تذکرہ حسن بصری؛

ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ فصاحتِ زبان اور عربیت میں رویہ بن عجاج کے مشابہ تھے[1]

ارباب علم کی صحبت، اگرچہ آپ تعلیم و تعلم سے دامن بچاتے تھے لیکن اربابِ علم کی صحبت اور ان سے علمی مذاکرہ اور ذکر و فکر کا شغل بہت مرغوب خاطر تھا، ایک مرتبہ چند اہل علم آپ سے ملنے کے لئے آئے اور باتوں باتوں میں دوپہر کا وقت آگیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ گیا، ان کے صاحبزادے نے حاضرین سے کہا آپ لوگوں نے والد پر بہت بار ڈالا، اب انھیں آرام لینے دیجئے، ابھی تک انھوں نے کھایا تک نہیں ہے، یہ سنکر آپ نے صاحبزادے کو تنبیہ فرمائی کہ ان لوگوں کی دید سے زیادہ میرے لئے کوئی آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں، جب ۲ مسلمان آپس میں ملتے ہیں تو باہم حدیث بیان کرتے ہیں، خدا کا ذکر اور اس کی تحمید و تقدیس کرتے ہیں، یہاں تک کہ قیلولہ کا موقع بھی نہیں ملتا،[2]

حقیقی عالم، آپ کے نزدیک تنہا بارِ علم سے کوئی شخص عالم کہلانے کا مستحق نہ ہوتا تھا، بلکہ اس کے لئے بہت سے شرائط تھے، بعض بے عمل اور تنگ نظر علماء آپ کے مسائل پر معترض ہوتے اس وقت آپ ان کے جواب میں حقیقی عالم کے اوصاف بیان فرماتے، ایک مرتبہ مطرالوراق نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا اور عرض کیا، فقہاء آپ کی مخالفت کرتے ہیں، فرمایا تیری ماں تجھکو روئے، تونے فقیہ دیکھا بھی ہے، اور جانتا بھی ہے، کہ فقیہ کسے کہتے ہیں، فقیہ وہ ہے جو زاہد و متورع ہو، اپنے سے بلند مرتبہ کی پرواہ نہ کرتا ہو، اور اپنے سے کم رتبہ والے کا مذاق نہ اڑاتا ہو، اور خدا نے اس کو جو علم عطا کیا ہے اس سے قلیل دنیاوی منفعت نہ حاصل کرتا ہو،[3]

علم باطن، گو حسن بصری علوم ظاہری میں بھی شیخ الاسلام کا درجہ رکھتے تھے، لیکن یہ علوم ان کے لئے سرمایۂ فخر و امتیاز نہ تھے، ان کا اصل اور حقیقی مقام عرفان و حقیقت کا کنگرہ تھا، جہاں فقہا کی نظر بھی نہیں پہنچ سکتی، اس عالم بے کیف و کم کے وہ فرماں روا تھے، ان کی ذات تصوف کا منبع

---

[1] شذرات الذہب ج اول ص ۱۳۸، [2] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۲۳، [3] ایضاً ص ۱۲۹،

اور علم باطن کا سرچشمہ تھی تصوف کی تمام نہریں اسی سرچشمہ سے پھوٹتی ہیں چنانچہ تصوف کے اکثر بڑے بڑے سلاسل آپ ہی کے واسطہ سے حضرت علیؓ تک منتہی ہوتے ہیں، اس طرح گویا آپ ہی کے واسطہ سے دنیا میں یہ دریاے نور رواں ہوا،

اگرچہ محدثین کے نزدیک حضرت علیؓ سے آپ کا استفادہ روحانی ثابت نہیں ہے، لیکن ارباب تصوف کا اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصری حضرت علیؓ ہی کے فیض یافتہ تھے، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ "ارباب طریقت کے نزدیک حسن بصری حضرت علیؓ کی جانب یقینی منسوب ہیں محدثین کے نزدیک یہ انتساب ثابت نہیں ہے، لیکن شیخ احمد قشاشی نے اپنی کتاب عقد الفرید فی سلاسل اہل التوحید میں ایک تشفی بخش بحث کے ذریعہ سے اہل تصوف کی تائید کی ہے" ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے، کہ حسن بصری نے حضرت علیؓ سے فیض پایا ہے[1]،

سلف سے لیکر خلف تک تمام اکابر صوفیا حضرت حسن بصری کو اس سلسلۂ نورانی کا سرچشمہ اور شیخ الشیوخ مانتے ہیں، ان کے اقوال سے سند لاتے ہیں صوفیاء کے تذکروں میں اس کا نام سرفہرست ہوتا ہے، ان کے اقوال تعلیم تصوف کا نصاب مانے جاتے ہیں،

شیخ فریدالدین ان الفاظ کے ساتھ ان کا ذکر شروع کرتے ہیں، "آن پروردۂ نعمت، آن خوکردۂ فتوت، آن کعبۂ علم وعمل، آں خلاصۂ ورع وعلم، آں سبق بردۂ بصاحب صدری، صدر سنت حسن بصری رضی اللہ عنہ مناقب او بسیار است ومحامد او بے شمار[2]"

شیخ علی بن عثمان ہجویری المتوفی ۴۶۵ھ[3] اپنی کتاب کشف المحجوب میں جو فارسی میں تصوف کی سب سے قدیم کتاب ہے لکھتے ہیں "امام عصر فرید دہر ابو علی الحسن بن ابی الحسن بصری رضی اللہ عنہ

[1] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، ص۳۱ و ص۱۰، [2] تذکرۃ الاولیاء فریدالدین عطار ج اول ص۲۴، [3] ان کے سنہ وفات میں اختلاف ہے ۴۵۶ھ سے لیکر ۴۶۵ھ تک کسی سنہ میں وفات پائی،

...... وے را قدرے و خطرے بزرگ است نزدیک اہل طریقت لطیف الاشارہ بود است اندر علم و معاملت[1]،

شیخ ابو النصر سراج المتوفی ۳۷۸ھ اور شیخ شہاب الدین سہروردی وغیرہ اکابر صوفیہ نے اپنی کتابوں کتاب اللمع اور عوارف المعارف میں حسن بصری کے اقوال سے استناد کیا ہے[2]،

فضائل و اخلاق روحانی اور اخلاقی کمالات کے اعتبار سے حسن بصری زہد و ورع کا مجسم پیکر اور فضائل اخلاق کی مجسم تصویر تھے، ہر مسلمان کے لئے فضائل اخلاق کا معیار صحابۂ کرام کی زندگی ہے، اس معیار کے مطابق حسن بصری صحابۂ کرام کا مثنیٰ تھے، اگرچہ اونھوں نے رسالت کا مقدس زمانہ نہیں دیکھا تھا، اور آنحضرت صلعم کی صحبت سے مشرف نہ تھے، لیکن ان کے اخلاق اسی مقدس سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے، تابعین کی جماعت میں ان سے زیادہ کوئی شخص صحابۂ رسول سے مشابہ نہ تھا، ان کی ہر ادا سے شان صحابیت آشکارا تھی اکابر تابعین کو اس کا اعتراف تھا، حضرت ابو بردہ جو ایک بلند مرتبہ تابعی ہیں فرماتے تھے کہ میں نے کسی غیر صحابی کو حسن سے زیادہ اصحاب رسول سے مشابہ نہیں دیکھا[3]، امام شعبی نے ستر صحابۂ کرام کو دیکھا تھا، اور اس شرف میں وہ شاید حسن بصری سے بھی ممتاز تھے، لیکن اس کے باوجود ان کی بڑی عظمت کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کے صاحبزادے نے ان سے پوچھا ابا میں دیکھتا ہوں کہ جیسا برتاؤ آپ اس شیخ (حسن بصری) کے ساتھ کرتے ہیں، ویسا کسی دوسرے شخص کے ساتھ نہیں کرتے ہیں شعبی نے جواب دیا بیٹا میں نے رسول اللہ صلعم کے ستر اصحاب کو دیکھا ہے، اور حسن سے زیادہ کسی کو ان سے مشابہ نہیں پایا[4]،

سوز و گداز تمام محاسن کا سرچشمہ سوز و گداز قلب ہے، اسی سے عبادت و ریاضت زہد و ورع وغیرہ

---

[1] کشف المحجوب نسخہ قلمی دار المصنفین، [2] دیکھو کتاب اللمع و عوارف المعارف، [3] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۱۳، [4] ایضاً،

تمام اخلاقی اور روحانی فضائل کے سوتے پھوٹتے ہیں، حسن کا دل ایسا شکستہ ساز تھا، جس سے درد کے سوا کوئی نغمہ نہ نکلتا تھا، یونس کا بیان ہے، کہ ان پر ہمیشہ حزن اور غمگینی چھائی رہتی تھی، ان کے لب ہنسی سے بالکل ناآشنا تھے، فرماتے تھے کہ مومن کی ہنسی قلب کی غفلت کا نتیجہ ہے، زیادہ ہنسنے سے دل مرجاتا ہے[۱]، کلام پاک کی آیات پڑھ کر شدت تاثر سے زار زار رویا کرتے تھے[۲]،

خشیت الٰہی | خشیت الٰہی کا اس قدر غلبہ تھا کہ ہر آن لرزاں رہتے تھے، یونس بن عبید کا بیان ہے کہ جب حسن آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اپنے کسی عزیز قریب کو دفن کئے ہوئے آرہے ہیں، جب بیٹھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایسے قیدی ہیں جس کی گردن مارے جانے کا حکم دیا جاچکا ہے، اور جب دوزخ کا ذکر کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دوزخ صرف انہی کے لئے بنائی گئی ہے[۳]،

زہد و ورع | اس پر سوز بلکہ پرکیف فطرت کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کی زندگی سرتاپا زہد و ورع میں ڈوبی ہوئی تھی، ان کی ذات عبادت و ریاضت اور زہد و ورع کا مجموعہ تھی، حجاج الاسود کا بیان ہے، کہ ایک شخص آرزو کیا کرتا تھا کہ کاش مجھے حسن کا زہد، ابن سیرین کا ورع، عامر بن عبدقیس کی عبادت اور سعید بن مسیب کا تفقہ میسر آئے، لوگوں نے دیکھا تو یہ تمام اوصاف حسن کی تنہا ذات میں جمع تھے[۴]،
ان کی مجلس میں آخرت کے علاوہ کسی شے کا تذکرہ ہی نہ ہوتا تھا، اشعث کا بیان ہے، کہ ہم جب حسن کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ہم سے نہ کوئی دنیاوی خبر پوچھی جاتی اور نہ کوئی خبر دیجاتی بس صرف آخرت کا ذکر رہتا تھا[۵]،

عبادت کے بعض خاص احوال | فرائض و سنن کے علاوہ آپ کی خاص عبادت تنہائی میں ہوتی تھی اس وقت آپ اس عالم آب و گل کے علاوہ کسی دوسرے عالم میں ہوتے تھے، حمید کا بیان ہے کہ ہم ایک مرتبہ

۱؎ ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۲۴ و ص ۱۲۵، ۲؎ ایضاً ص ۱۲۷، ۳؎ شذرات الذہب ج اول ص ۱۳۸، ۴؎ ابن سعد ص ۱۲۰، ۵؎ ایضاً ص ۱۲۱،

مکہ میں تھے کہ شعبی نے حسن سے تخلیہ کی ملاقات کی خواہش ظاہر کی، میں نے حسن سے اسکا ذکر کیا، انھوں نے کہا جب دل چاہے آئیں، ملاقات ہو جائے گی، چنانچہ وہ ایک دن آئے، میں دروازے پر موجود تھا، میں نے ان سے کہا اس وقت حسن گھر میں تنہا موجود ہیں اندر جاؤ لیکن تنہا جانے کی انکی ہمت نہ پڑی اسلئے انھوں نے مجھ سے بھی ساتھ چلنے کی خواہش کی، میں بھی ساتھ ہو لیا، جس وقت ہم لوگ اندر پہنچے اس وقت حسن قبلہ رو ایک عجیب عالم میں کہہ رہے تھے، ابن آدم تو نیست تھا ہست کیا گیا، تو نے مانگا تجھ کو دیا گیا، لیکن جب تیری باری آئی اور تجھ سے مانگا گیا تو تو نے انکار کر دیا، افسوس تو نے کتنا برا کام کیا، یہ کہہ کر وہ بے خبر ہو جاتے تھے، پھر ہوش میں آکر یہی کلمات دہراتے، یہ رنگ دیکھ کر شعبی نے مجھ سے کہا لوٹ چلو، اس وقت شیخ کسی اور عالم میں ہے[۱]،

عمل اور اخلاص فی العمل آپ کے نزدیک زہد محض زبانی دعووں اور ظاہری وضع بنانے کا نام نہ تھا بلکہ اصل شئے عمل و اخلاص تھا، فرماتے تھے کہ انسان جو کچھ کہتا ہے، اگر اوس کو کچھ کرتا بھی ہو تو یہ فضیلت ہے، اور اگر کرنے سے زیادہ کہتا ہے تو وہ عار ہے[۲]، آپ کی زندگی سرتاپا عمل تھی، ابوبکر ہذلی کا بیان ہے کہ وہ جب تک خود ایک کام نہ کر لیتے تھے، اس وقت تک دوسروں کو اسکے کرنے کی ہدایت نہ کرتے تھے، اور جب تک خود کسی کام کو چھوڑ نہ دیتے تھے اس وقت تک دوسرے کو اس سے منع نہ کرتے تھے، یونس بن عبید سے کسی نے پوچھا تم کسی ایسے شخص کو جانتے ہو جو حسن بصری کے ایسے اعمال کرتا ہو، اونھوں نے ان کے ایسے اعمال کرنا تو کجا میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو زبان سے ان کی جیسی باتیں کہتا ہو[۳]،

بغیر اخلاص کے محض حلقہ نشینی اور گلیم پوشی کو فریب تصور کرتے تھے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے،

۱؎ ابن سعد ج۷، ق اول ص۱۲۴، ۲؎ ایضاً، ۳؎ شذرات الذہب ج اول ص۱۳۶ و ص۱۳۸،

کہ ہمارے حلقہ میں بہت سے لوگ بیٹھتے ہیں، لیکن اس سے ان کی غرض دنیا ہوتی ہے، ایک مرتبہ آپ کے سامنے گلیم پوشوں کا تذکرہ کیا گیا، فرمایا یہ لوگ دل کی گہرائیوں میں غرور کے بت چھپائے ہیں اور ظاہری لباس سے تواضع اور فروتنی ظاہر کرتے ہیں بخدا یہ بنی گلیم گدائی میں بیش قیمت ردا پوشوں سے زیادہ مغرور ہیں[۱]، ع

بزیر دلق مرقع کمانہا دارند،

کلاہ تری، اس پرفریب وضع سے بچنے کے لئے آپ کبھی کبھی اچھا لباس بھی پہن لیتے تھے، کلثوم بن جوشن کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حسن یمنی جبہ اور ردا اوڑھ کر نکلے اس پوشاک میں دیکھ کر فرقد نے اعتراض کیا کہ آپ جیسے شخص پر یہ لباس زیب نہیں دیتا، آپ نے جواب دیا ابن ام فرقدتم کو یہ معلوم نہیں کہ دوزخیوں کا بڑا حصہ گلیم پوشوں میں سے ہوگا[۲]، ع

اے بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد

فریب نفس کا خوف، انسان کا سب سے بڑا دشمن خود اس کا نفس ہے، جو اوس کو کبھی قبولیت عامہ اور شہرت طلبی، کبھی ریاکاری اور کبھی عجب وغرور کے فریب میں مبتلا کر کے برباد کر دیتا ہے، حضرت حسن بصری اس پرفریب اور چمکیلے سراب سے بہت خائف رہتے تھے، اور اُٹھتے بیٹھتے یہ دعا کرتے تھے کہ "خدایا شرک، غرور، نفاق، ریا، فریب شہرت طلبی اور اپنے دین میں شک وشبہ سے ہمارے قلوب کو بچا، اے مقلب القلوب ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم اور استوار رکھ، اور اسلام قیم کو ہمارا دین بنا[۳]"

عوام کی عقیدت کو بڑا ابتلا سمجھتے تھے، غالب القطان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حسن مسجد آئے، ان کی سواری کا گدھا واپس جا چکا تھا، اس لئے انھیں واپس پہنچانے کے لئے میں نے اپنا

---

[۱] ابن سعد ج ۷، ق اول صفحہ ۱۲۳، [۲] ایضاً، [۳] ایضاً صفحہ ۱۲۸،

گدھا منگالیا، اس کی عادت تھی کہ اکثر سواری کی ٹانگ پکڑ لیا کرتا تھا، اس لیئے میں نے حفاظت کے خیال سے اس کی لگام پکڑ لی، حسن کی سواری تھی اس لئے بہت سے آدمی ساتھ ہو گئے انھیں دیکھ کر حسن نے کہا تمھارا برا ہو اگر مسلمان اپنے نفس کا جائزہ نہیں لیتا ہے اور وہ اپنی حقیقت سے آگاہ نہیں کہ وہ بالکل تہی دامن ہے، ان لوگوں کے جوتوں کی چاپ ضعیف انسان کے دل کو برباد کرنے کے کافی ہے[1]،

فریب نفس اور عجب وغرور سے بچنے کے لئے اپنی تعریف سننا پسند نہ کرتے تھے، سعید بن محمد ثقفی کا بیان ہے کہ اگر کوئی شخص حسن کے منہ پر ان کی تعریف کرتا تھا، تو وہ انھیں سخت ناگوار ہوتی تھی، اور اگر لوگ ان کے لئے دعا کرتے تو وہ اس سے خوش ہوتے تھے[2]،

جہاد فی سبیل اللہ | عموماً عابدان شب زندہ دار کے تجروں کی برودت راہ خدا میں جانبازی کی حرارت کو سرد کر دیتی ہے، لیکن حسن بصری کی رگوں کا خون ہمیشہ جہاد فی سبیل اللہ میں گرنے کے لئے جوش زن رہتا تھا، اگرچہ چند مہمات کے علاوہ جہاد میں اون کی شرکت کی تصریح نہیں ملتی لیکن ارباب سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ بچپن سے ان کے دل میں جہاد فی سبیل اللہ کا ولولہ ساری تھا، اور اونھوں نے سن شعور کو پہنچنے کے بعد جہاد کو مشغلۂ حیات بنا لیا تھا[3]،

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اکثر مہمات میں شریک رہے ہوں گے، لیکن تصریح کے ساتھ کابل، اندقان، اور زابلستان کی مہمات کے علاوہ اور دوسری مہمات میں شرکت کا پتہ نہیں چلتا[4]، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک خاموش اور شہرت سے نفور بزرگ تھے، جہاد سے غرض نام ونمود نہیں بلکہ حصول شرف تھا، اس لئے عام سپاہی کی حیثیت سے شریک ہوتے رہے ہوں گے، جن کا تذکرہ عموماً تاریخوں میں نہیں ہوتا،

---

[1] ابن سعد ج، ق اول صـ ۱۲۲، [2] ایضاً صـ ۱۲۹، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول صـ ۶۱، [4] ابن سعد ج، ق ۲ صـ ۱۱۱،

ظلم کی تلوار کے مقابلہ میں توبہ کی سپر | ظالم حکومتوں اور جابر امراء کے مقابلہ میں اعلان حق اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صلحاے امت کا خاص طغرائے امتیاز رہا ہے لیکن اس باب میں حسن بصری کا طرزِ عمل ان سے مختلف تھا، وہ ان کے مقابلہ میں سکوت افضل سمجھتے تھے، عمارہ بن مہران کا بیان ہے کہ حسن بصری سے لوگوں نے کہا آپ امراء کے پاس جاکر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیوں نہیں فرماتے، جواب دیا مومن کو اپنا نفس ذلیل نہ کرنا چاہئے، اس زمانہ کے امراء کی تلواریں ہماری زبانوں سے آگے بڑھ گئی ہیں، جب ہم اون سے گفتگو کرتے ہیں تو وہ ہمیں تلوار سے جواب دیتے ہیں[۱] ان حالات میں آپ ظلم کی تلوار کے مقابلہ میں توبہ کی ڈھال استعمال کرنے کی ہدایت کرتے تھے، ابو مالک کا بیان ہے کہ حسن سے جب کہا جاتا کہ آپ میدان میں نکل کر ان حالات کو بدلتے کیوں نہیں، تو فرماتے کہ اللہ تعالیٰ تلوار سے نہیں بلکہ توبہ سے بدلتا ہے[۲] آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب لوگ اپنے حکمراں کی جانب سے آزمایش میں مبتلا کئے جائیں اور اس پر صبر کریں تو خدا اون کو جلد اس مصیبت سے نکال دے، لیکن وہ تلوار نکال لیتے ہیں اور اس پر اعتماد کرنے لگتے ہیں، خدا کی قسم اس کا کبھی کوئی اچھا نتیجہ نہیں نکلتا،

شور وفتن سے کنارہ کشی | اسی لئے آپ شور وفتن اور انقلاب سے علٰحدہ رہتے تھے، چنانچہ امویوں کے زمانہ میں بڑے بڑے سیاسی انقلابات ہوئے مختلف اوقات میں مختلف جماعتیں ان کے خلاف اٹھیں، لیکن حضرت حسن بصری اپنے اصول کی بنا پر کبھی ان میں شریک نہ ہوئے بلکہ دوسروں کو بھی اس میں پڑنے سے روکتے تھے، چنانچہ عبدالملک کے زمانہ میں جب ابن اشعث نے اور یزید بن عبدالملک کے زمانہ میں ابن مہلب نے علمِ بغاوت بلند کیا تو کچھ آدمیوں نے حضرت حسن بصری سے پوچھا کہ ان فتنوں میں شرکت کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے فرمایا فریقین

[۱] ابن سعد ج ۷، ق ۱ ص ۱۲۲، [۲] ایضاً ص ۱۲۵،

میں سے کسی کا ساتھ نہ دو، ایک شامی نے کہا امیر المومنین کا بھی ساتھ نہ دیں، آپ نے شامی کو ہاتھوں سے دھکا دیکر اس کا جملہ دہرا کر فرمایا ہاں امیر المومنین کا ساتھ بھی نہیں،

ابن اشعث حجاج کے خلاف اٹھا تھا، اور ایک بڑی جماعت جسمیں بعض اکابر تابعین بھی تھے، اس کے ساتھ ہو گئی تھی، عقبہ بن عبد الغافر، ابو الجوزار اور عبد اللہ بن غالب، چند سر برآوردہ آدمیوں نے آکر ان سے پوچھا، ابو سعید اس طاغیہ (حجاج) سے جو خون ناحق بہاتا ہے، حرام مال لیتا ہے، تارک نماز ہے ایسا ہے ویسا ہے، لڑنے کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے، فرمایا میرے نزدیک نہ لڑنا چاہئے اس لئے کہ اگر وہ خدا کا عذاب ہے تو تم اسے تلوار سے نہیں دور کر سکتے اور اگر یہ آزمایش ہے، تو اس پر صبر کرنا چاہئے، تا آنکہ خدا خود اس کا فیصلہ کردے، خدا بڑا فیصلہ کرنے والا ہے،

ابن اشعث کی شورش کے زمانہ میں حسن بصری خود بڑی آزمایش میں پھنس گئے تھے، لیکن جان پر کھیل کر کسی نہ کسی طرح اپنے کو اس سے نکالا، آپ کی شخصیت کی وجہ سے بصرہ کیا سارے عراق پر آپ کا اثر تھا، آپ کی دامن کشی کی وجہ سے بہت سے محتاط ابن اشعث کا ساتھ دینے میں پہلو بچاتے تھے، اس لئے لوگوں نے اس سے کہا اگر تم چاہتے ہو کہ جس طرح لوگ جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے گرد جانبازی دکھاتے تھے، اسی طرح تمھارے لئے جان دیں تو حسن کو کسی نہ کسی طرح میدان میں لاؤ، اس مشورہ پر ابن اشعث زبردستی آپ کو کھینچ لے گیا آپ جبراً و قہراً چلے تو گئے، لیکن لوگ جیسے ہی آپ کی طرف سے غافل ہوئے، آپ جان پر کھیل کر ایک دریا میں پھاند پڑے، اور کسی نہ کسی طرح جان بچا کر نکل آئے،

اسی زمانہ میں ایک شخص سعید بن ابی الحسن نے جو حجاج کے مخالفین میں تھا، اور لوگوں کو اس کے خلاف ابھارا کرتا تھا، حسن بصری سے پوچھا کہ ہم نے نہ امیر المومنین کی اطاعت

سے منہ موڑا ہے اور نہ ان کو تخت سے اتارنا چاہتے ہیں، بلکہ ہم کو صرف اسلئے امیر المومنین سے برہمی ہے کہ اونھوں نے حجاج جیسے جابر شخص کو حاکم بنایا ہے، ایسی صورت میں آپ کی کیا رائے اور اہل شام کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے، آپ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا! لوگو! خدا نے حجاج کو محض عقوبت کے لئے مسلط کیا ہے، اس لئے تلوار سے عقوبت خداوندی کا مقابلہ نہ کرو، بلکہ صبر وسکون اور خاموشی سے کام لو، اور بارگاہ خداوندی میں سکون اور تضرع سے کام لو تم نے شامیوں کے بارہ میں میری رائے پوچھی ہے، میرا خیال ہی کہ حجاج انھیں دنیا کا لقمۂ تر دے کر ان سے ہر کام کرا سکتا ہے[1]،

اظہار حق لیکن اس سے یہ نہ قیاس کرنا چاہئے کہ حکام اور سلاطین کے مقابلہ میں وہ ہر موقع پر خاموشی ہی سے کام لیتے تھے، بلکہ جب ان کے مقابلہ میں خیالات کے اظہار کا موقع آجاتا تھا تو پھر وہ بلا خوف وخطر اپنے حقیقی خیالات ظاہر کر دیتے تھے، یزید بن عبد الملک کے زمانہ میں جب عمر بن ہبیرہ خراسان اور عراق کا والی ہوا، تو اس نے عراق کے اکابر علماء حسن بصری، محمد بن سیرین اور امام شعبی کو بلا کر ان سے بطور استفتا سوال کیا کہ یزید خدا کا خلیفہ ہے، خدا نے اس کو بندوں پر اپنا نائب بنایا ہے، اور ان سے اس کی اطاعت اور ہم (حکام) سے اسکے احکام کی تعمیل کا وعدہ لیا ہے، آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ اس نے ہم کو والی بنایا ہے، اور ہمارے پاس احکام بھیجتا ہے، میں اس کی تعمیل کرتا ہوں، ان حالات میں آپ کی اس بارہ میں کیا رائے ہے، ابن سیرین اور شعبی نے گول جواب دیا، حسن بالکل خاموش تھے، ابن ہبیرہ نے ان سے پوچھا آپ اپنا خیال ظاہر کیجئے، اونھوں نے جواب دیا ابن ہبیرہ! یزید کے بارہ میں خدا کا خوف کر، اور خدا کے معاملہ میں اس کا خوف نہ کیا کر، خدا تجھ کو یزید سے بچا سکتا ہے، لیکن یزید تجھکو

---

[1] یہ تمام واقعات ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۱۹ تا ۱۲۰ سے ماخوذ ہیں،

خدا سے نہیں بچا سکتا، وہ زمانہ قریب ہے کہ خدا تیرے پاس ایسا فرشتہ بھیجے گا جو تجھ کو تخت حکومت سے اتار کر اور قصر کی وسعت سے نکال کر قبر کی تنگی میں ڈال دے گا، اس وقت تیرے اعمال کے سوا کوئی اور شے تجھ کو نجات نہ دلا سکے گی، خدا نے بادشاہ اور حکومت کو اپنے دین اور اپنے بندوں کی امداد و اعانت کے لئے بنایا ہے، اس لئے خدا کی دی ہوئی حکومت کے ذریعہ سے تم خدا کے دین اور اس کے بندوں پر تم سوار نہ ہو جاؤ، خدا کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہ کرنی چاہیے[۱]

مسئلہ تقدیر، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بصری قدری تھے[۲] لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اس شہرت کی وجہ غالباً یہ ہے کہ بعض اکابر تابعین، اس باب میں اتنے متشدد تھے کہ قدریوں سے ملنا بھی پسند نہ کرتے تھے، اور حسن بصری ان سے ملنے جلنے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھتے تھے، اس لئے ناواقفوں نے اس میل جول کی وجہ سے قدریوں کے خیالات کو ان کی طرف منسوب کر دیا، حالانکہ اون کا دامن اس سے پاک تھا، عمر کا بیان ہے کہ قدری حسن کے پاس آتے جاتے تھے لیکن ان کے خیالات ان کے مخالف تھے، حسن کہتے تھے ابن آدم خدا کو ناراض کر کے کسی انسان کی خوشنودی حاصل نہ کر، خدا کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہ کر، خدا کے افضال پر کسی انسان کی تعریف نہ کر، جو شے خدا نے تجھے نہیں دی، اس پر کسی انسان کو ملامت نہ کر، خدا نے خلق اور خلائق کو پیدا کر دیا اور وہ اپنی تخلیق کے اصول پر چل رہے ہیں، جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اپنی حرص سے اپنے رزق میں اضافہ کر سکتا ہے تو اگر اس کا یہ گمان صحیح ہے تو ذرا اپنی عمر بڑھا کر دکھا دے، اپنا رنگ بدل دے، اپنے اعضا و جوارح میں کوئی اضافہ کر دے[۳] جب ایسا نہیں کر سکتا تو معلوم ہوا انسان کا کوئی دخل نہیں ہے، ہر شے تقدیر الٰہی پر چل رہی ہے،

اصل یہ ہے کہ ان کے بعض مشتبہ اقوال سے یہ غلط نتیجہ نکالا گیا ہے، اگر کسی حد تک وہ اس سے

---

[۱] ابن خلکان ج اول ص۱۲۸ و ص۱۲۹، [۲] ابن سعد ج، ق ۲ ص۱۲۲، [۳] ایضاً ص۱۲۶،

متاثر بھی تھے تو آخر میں اس سے رجوع کر لیا تھا، اصمعی اپنے والد کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ حسن کبھی قدر کے بعض حصوں پر گفتگو کرتے تھے، لیکن پھر اس سے رجوع کر لیا تھا، قاضی عطار بن یسار قدری تھے ان کی زبان میں جادو کا اثر تھا، وہ اور سعید جہنی حسن کے پاس آتے تھے، اور ان سے سوالات کرتے تھے، اور کہتے تھے ابوسعید یہ سلاطین و فرماں روا مسلمانوں کا خون بہاتے ہیں اور ان کا مال لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے یہ اعمال خدا کی تقدیر کے مطابق ہیں، حسن یہ سن کر کہتے وہ دشمنانِ خدا جھوٹے ہیں، اس تردید اور بعض اس قبیل کے دوسرے واقعات سے لوگوں نے انکے قدری ہونے کا نتیجہ نکالا ہے[1]، حالانکہ ظاہر ہے کہ یہ ایک خاص موقع تھا جس کو عقیدۂ قدر سے کوئی تعلق نہیں،

بعض اقوال اور کلمات طیبات

بے کار اور بے نتیجہ باتیں بہت کم کرتے تھے، ان کی گفتگو کا بیشتر حصہ حکمت اور موعظت کے موتی ہوتے تھے[2]، ان کے بہت سے حکیمانہ اقوال کتابوں میں ملتے ہیں، جو معنویت اور بلاغتِ ادا کے اعتبار سے پند و موعظت اور علم و حکمت کا دفتر ہیں، جن سے بہت سے اخلاقی اور روحانی اسرار و حکم پر روشنی پڑتی ہے، اس لئے بعض اقوال یہاں نقل کئے جاتے ہیں،

(۱) فرماتے تھے جو وسوسے ایسے ہیں کہ پیدا ہوتے ہیں اور نکل جاتے ہیں وہ شیطان کی جانب سے ہیں، ان کے ازالہ میں ذکرِ خدا اور تلاوتِ قرآن سے مدد لینی چاہئے، اور جو پیدا ہو کر قائم ہو جاتے ہیں وہ نفس کی جانب سے ہیں، ان کے دور کرنے میں نماز روزہ اور ریاضت سے مدد لینی چاہئے، (۲) خدا جس بندہ کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے، اس کو اہل و عیال کی بندشوں میں نہیں پھنساتا ہے، (۳) متواضع ہونے کی یہ شرط ہے کہ گھر سے باہر کسی کو بھی ملے تو اوس کو اپنے سے افضل

---

[1] شذرات الذہب ج اول صد ۱۳۸، [2] ایضاً صد ۱۳۷،

اور برتر سمجھے، (۴) جب بندہ گناہ کے بعد توبہ کرتا ہے تو اس سے خدا کے ساتھ اس کی قربت میں اضافہ ہوتا ہے، (۵) ایک شخص نے آپ سے اپنے قلب کی قساوت کی شکایت کی، فرمایا اسکو ذکر و فکر کی جگہوں میں لیجایا کرو، (۶) مردہ کے لئے سب سے بڑے خود اس کے گھر والے ہوتے ہیں، کہ اس پر روتے ہیں، حالانکہ اس کے مقابلہ میں اس کے قرض کا ادا کرنا ان پر آسان نہیں ہوتا ہے، (۷) ایک شخص کی عداوت کے بدلہ میں ہزار آدمیوں کی دوستی بھی نہ خریدو، (۸) طمع عالم کو رسوا کر دیتی ہے، (۹) انسان کا علانیہ اپنے نفس کی مذمت کرنا درحقیقت اس کی مدح ہے، (۱۰) اپنے بھائیوں کی عزت کرو تو ہمیشہ اون کے ساتھ تمھاری دوستی قائم رہے گی، (۱۱) اگر اپنی موت کی رفتار پر ابن آدم کی نظر ہوتی ہے، تو وہ اپنے فریب امید کا دشمن بنجاتا، (۱۲) جو شخص عاجزی کے لئے خدا کے سامنے صوف پہنتا ہو تو خدا اسکی نگاہ اور قلب کا نور بڑھاتا ہے، اور جو پندار کے لئے پہنتا ہے وہ سرکشوں کے ساتھ جہنم میں پھینک دیا جائیگا، (۱۳) کاش میں کوئی ایسا کھانا کھالیتا جو میرے پیٹ میں اینٹ بن جاتا، کیونکہ میں نے سنا ہے کہ اینٹ پانی میں تین سو برس تک باقی رہتی ہے، (۱۴) ایک مرتبہ تذکرہ ہو رہا تھا کہ فقیہ ایسا ایسا کہتے ہیں، فرمایا تم لوگوں نے فقیہ دیکھا بھی ہے، فقیہ وہ ہے جو دنیا سے کنارہ کش ہو، دین میں بصیرت رکھتا ہو، خدائے عز وجل کی عبادت پر مداومت کرتا ہو، (۱۵) خدا کی قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ جس شخص نے مال و زر کو عزت دی خدا نے اسکو ذلیل کیا، (۱۶) عقلمند کی زبان قلب کے پیچھے ہے جب وہ کچھ کہنا چاہتا ہے تو پہلے قلب کی طرف رجوع کرتا ہے، اگر وہ بات اس کے فائدہ کی ہوتی ہے، تو کہتا ہے، ورنہ رک جاتا ہے، اور جاہل کا قلب اس کی زبان کی نوک پر رہتا ہے، وہ قلب کی طرف رجوع نہیں کرتا، جو زبان پر آتا ہے، بک جاتا ہے، (۱۷) دنیا درحقیقت تمھاری سواری ہے، اگر تم اوس پر سوار ہوگئے تو وہ تم کو (اپنی پیٹھ پر)

اٹھائے گی اور اگر وہ تم پر سوار ہو گئی تو تم کو ہلاک کر ڈالے گی، (۱۸) جب تم کسی شخص سے دشمنی کرنا چاہو تو پہلے اس پر نظر کرو اگر وہ خدا کا مطیع ہے تو اس سے بچو، کیونکہ خدا اوس کو کبھی تمہارے قبضہ میں نہ دیگا، اور تمہارے لئے اوس کو تنہا نہ چھوڑے گا، اور اگر وہ خدا کا نافرمان ہے تو تم کو اس کی عداوت کی ضرورت ہی نہیں، اپنے نفس کو خواہ مخواہ اس کی عداوت میں پریشان نہ کرو، (یعنی وہ خود ہلاک ہو جائیگا، خدا کی دشمنی اس کے لئے کافی ہے) (۱۹) جو شخص خدا کی اطاعت کرتا ہو اس سے دوستی تم پر ضروری ہے، کیونکہ جو شخص صالح آدمی کو دوست رکھتا ہے، وہ گویا خدا کو دوست رکھتا ہے، (۲۰) میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس نے دنیا چاہی ہو، اور اسے آخرت ملی ہو، اس کے برخلاف جو آخرت چاہتا ہے اسے دنیا بھی مل جاتی ہے، (یعنی پھر ایسی چیز کیوں نہ چاہی جائے، جس سے دونوں چیزیں مل جائیں،) (۲۱) اسلام یہ ہے کہ تم اپنے قلب کو خدا کے سپرد کر دو اور ہر مسلمان تمہارے ہاتھوں سے محفوظ رہے، (۲۲) محبت کا متوالا ہمیشہ مست و بے خود رہتا ہے، اسے صرف محبوب کا مشاہدۂ جمال ہوشیار کرتا ہو،[1]

وفات بعض خاصان حق کے دنیا سے چھوڑنے سے پیشتر وصل محبوب کے اشارات مل جاتے ہیں، خود قرآن نے وفات نبوی کا اشارہ کر دیا تھا، بعض آدمیوں کو عالم رویا میں حسن بصری کی وفات کا بھی اشارہ مل گیا تھا، چنانچہ ان کی وفات سے چند دنوں پیشتر ایک شخص نے خواب دیکھا کہ ایک طائر نے مسجد کی سب سے خوبصورت کنکری اٹھالی، مشہور معبر خواب ابن سیرین نے اس کی یہ تعبیر دی کہ حسن کا انتقال ہو جائیگا،[2]

اس خواب کے چند ہی دنوں کے بعد حسن بصری مرض الموت میں مبتلا ہوئے، دوران علالت میں فرماتے تھے کاش انسان نے اپنی صحت و تندرستی کے زمانہ میں بیماری کے دن

---

[1] یہ اقوال مختصر صفوۃ الصفوہ صد ۱۴۴ تا صد ۱۴۶ سے ماخوذ ہیں، [2] ابن خلکان ج اول صد ۱۲۹،

کے لئے کچھ رکھ چھوڑا ہوتا، وقت آخر اپنے صاحبزادے کو اپنی کتابیں اکٹھا کرنے کا حکم دیا انھوں نے حکم کی تعمیل کی، اس کے بعد خادم کو تنور جلانے کا حکم دیا اسنے جلایا اور چشم زدن میں علوم وفنون کا سارا دفتر جل کر خاکستر ہوگیا کہ اب اس کا وقت آگیا تھا،

صد کتاب وصد ورق درنار کن　　جان ودل را جانب دلدار کن

صرف ایک کتاب باقی رہنے دی[1] ممکن ہے یہ قرآن کے متعلقات میں رہی ہو جس کو احتراماً چھوڑ دیا ہو،

دم آخر کاتب کو بلاکر لکھوایا کہ حسن اس کی شہادت دیتا ہے کہ لا الہ الا اللہ و ان محمد رسول اللہ جس نے موت کے وقت صدق دل سے اس کی شہادت دی وہ جنت میں داخل ہوگا[2]

ان تیاریوں سے فراغت کے بعد ۱۱۰ھ میں شب جمعہ کو سفر آخرت کیا، محدث ایوب اور حمید الطویل نے غسل دیا[3]، دوسرے دن بعد نماز جمعہ "عاشق" کا جنازہ تھا بڑی دھوم سے اٹھا ساری خلقت جنازہ پر ٹوٹ پڑی، شہر اتنا خالی ہوگیا، کہ اس دن جامع بصرہ میں کوئی عصر کی نماز پڑھنے والا نہ تھا[4]،

حلیہ، حضرت حسن بصری جمال معنوی کے ساتھ حسن ظاہری سے بھی آراستہ تھے، صورۃً نہایت حسین جمیل تھے[5] اس حسن کے ساتھ خدا نے وجاہت اور رعب بھی عطا فرمایا تھا جس مجمع میں بیٹھتے تھے، سب میں ممتاز نظر آتے تھے، عاصم احول کا بیان ہے، کہ اونھوں نے ایک مرتبہ بصرہ جاتے وقت امام شعبی سے پوچھا کہ بصرہ میں آپ کی تو کوئی ضرورت نہیں ہے شعبی نے کہا

---

[1] ابن سعد ج، ق اول ص ۱۲۷، [2] ایضاً ص ۱۲۶، [3] ایضاً ص ۱۲۹، [4] ابن خلکان ج اول ص ۱۲۸،
[5] ابن سعد ج اول ص ۱۱۵،

حسن کو میرا اسلام پہنچا دینا، عاصم نے کہا میں ان کو پہچانتا نہیں ہوں، شعبی نے یہ نشان بتایا کہ بصرہ میں داخل ہونے کے بعد تم کو جو سب سے زیادہ حسین شخص نظر آئے اور تمھارے دل پر جس کا سب سے زیادہ رعب پڑے اسی کو سلام پہنچانا، اس نشان پر شعبی نے سلام پہنچایا جو ٹھیک حسن بصری کو پہنچا[1]

لباس، اس حسن ظاہری کے ساتھ بڑے خوش لباس اور جامہ زیب تھے، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، آپ ظاہری وضع وقطع میں زیادہ تقشف کو پسند نہ کرتے، بلکہ اوس کو جامۂ ریا سمجھتے تھے، اسی لئے نہایت بیش قیمت اور خوبصورت کپڑے استعمال کرتے تھے، مشہور مقامات کے عمدہ کپڑے منگاتے تھے شطار، کاکتان، یمن کی چادر اور پھول دار چادریں استعمال کرتے تھے، لباس میں جبہ، ردا اور عمامہ پورے کپڑے ہوتے تھے، بغیر عمامہ کے گھر سے باہر نہ نکلتے تھے[2]

۱۷۔ حکم بن عتیبہ

نام ونسب، حکم نام، ابو عبد اللہ کنیت، کندہ کے غلام تھے،

فضل وکمال، علمی اعتبار سے کوفہ کے ممتاز ترین علماء میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں "کان الحکم بن عتیبہ ثقۃ فقیھا عالما رفیعا کثیر الحدیث"[3] اکابر علماء ان کے کمالات کے معترف تھے، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ کوفہ میں حکم کا مثل نہ تھا، اس عہد کے تمام علماء ان کی دولت علم کے سامنے دامن احتیاج پھیلاتے تھے مجاہد بن رومی کہتے تھے کہ مجھکو حکم کے حقیقی کمال کا پورا اندازہ اس وقت ہوتا تھا جب بڑے بڑے علماء مسجد منیٰ میں جمع ہوتے تھے، اور وہ سب ان کی دولت علم کے دست نگر معلوم ہوتے تھے[4]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۶۴، [2] ابن سعد ج ۷ ق اول تذکرہ حسن بصری، [3] ایضاً ج ۶ ص ۲۳۱،

[4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۱،

حدیث | کوفہ کے ممتاز حفاظِ حدیث میں تھے، حافظ ذہبی انھیں حافظ اور شیخ کوفہ[1] اور علامہ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں[2]، حدیث میں اونھوں نے صحابہ میں ابو جحیفہؓ، زید بن ارقمؓ، عبد اللہ بن اوفیؓ اور تابعین میں قاضی شریح، قیس ابن ابی حازم، موسیٰ بن طلحہ، یزید بن شریک تیمی، عبد اللہ بن شداد، سعید بن جبیر، مجاہد، عطار، طاؤس، قاسم بن مخیمرہ، مصعب بن سعد، محمد بن کعب قرظی اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہ سے فیض اٹھایا تھا،

آپ کے تلامذہ میں، اعمش، منصور، ابو اسحاق سبیعی، ابو اسحاق شیبانی، قتادہ، آبان بن صالح، حجاج بن دینار، اوزاعی، مسعر، شعبہ اور ابو عوانہ جیسے علماء تھے[3]،

فقہ | ابراہیم نخعی ائمہ فقہ میں تھے، حکم ان کے خاص اصحاب میں تھے[4]، ان کے فیضِ صحبت نے انکو کوفہ کا بہت بڑا فقیہ بنا دیا تھا، عبدہ بن ابی لبابہ کہتے تھے کہ میں نے دونوں کناروں کے درمیان حکم سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا[4]، لیث بن سلیم کہتے تھے کہ حکم امام شعبی سے بھی بڑے فقیہ تھے[5]،

شعبی کی جانشینی | شعبی کے بعد کوفہ کی مسند علم انہی کے حصہ میں آئی، اسرائیل بیان کرتے ہیں کہ حکم کو میں نے سب سے پہلے شعبی کی موت کے دن جانا، ان کی موت کے بعد ایک شخص کوئی مسئلہ پوچھنے آیا لوگوں نے اس سے کہا حکم بن عتیبہ کے پاس جاؤ[6]،

عبادت وریاضت | اس علم کے ساتھ وہ بڑے عبادت گذار بھی تھے، عباس دوری کا بیان ہے کہ وہ صاحب عبادۃ و فضل تھے، پابندی سنت میں خاص اہتمام تھا، کان صاحبۃ سنۃ واتباع[7]،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۴، [2] ابن سعد ج ۶ ص ۲۳۱، [3] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۳۳
[4] ایضاً، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۴، [6] ابن سعد ج ۶ ص ۲۳۱، [7] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۳۳،

عظمت و احترام | ان کے علمی و اخلاقی کمالات کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ان کی بڑی عظمت تھی، مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ مدینہ آتے تھے تو لوگ ان کے لئے رسول اللہ صلعم کا ساریہ خالی کر دیتے تھے، اس میں وہ نماز پڑھتے،[1]

وفات | ہشام بن عبد الملک کے عہدِ خلافت ۱۰۵ھ میں وفات پائی،[2]

۱۸- خارجہ بن زید

نام و نسب، | خارجہ نام، ابوزید کنیت، مشہور صحابی زید بن ثابتؓ کے صاحبزادے ہیں، نسب نامہ یہ ہے، خارجہ بن زید بن ثابت بن ضحاک بن زید بن لوذان بن عمرو بن عہد مناف بن مالک بن نجار، ماں کا نام جمیلہ تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، جمیلہ بنت سعد بن الربیع بن عمرو بن مالک بن امرا القیس ابن مالک بن ثعلبہ خزرجی،

فضل و کمال | خارجہ کے والد حضرت زید بن ثابتؓ علمائے صحابہ میں تھے، خصوصاً حفظ قرآن میں جماعتِ صحابہ میں ممتاز تھے، کلام اللہ انہی کی زیرِ نگرانی مدون ہوا تھا، خارجہ نے اسی آغوشِ علم میں پرورش پائی تھی، باپ کے فیضِ تعلیم سے ان کا شمار انکے عہد کے کبار علماء میں ہو گیا تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ کبار علماء میں تھے[3] امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ علم میں امام بارع تھے، اور ان کی توثیق وجلالت پر سب کا اتفاق ہے[4]،

حدیث | حدیث میں اونھوں نے اپنے والد زیدؓ اپنے چچا یزیدؓ، اسامہ بن زید، سہل بن سعد، عبد الرحمن ابن ابی عمرہ سے سماعِ حدیث کیا تھا، خود ان سے روایت کرنے والوں میں اون کے لڑکے سلیمان

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۴، [2] ابن سعد ج ۶ ص ۲۳۱، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۰،

[4] تہذیب الاسماء نووی ج اول ق اول ص ۱۷۲،

بھتیجے سعید اور قیس بن سعد اور عام لوگوں میں عبد اللہ بن عمرو بن عثمان، مطلب عبد اللہ اور یزید ابن قسیط وغیرہ لائقِ ذکر ہیں[1]،

فقہ، فقہ ان کا امتیازی فن تھا، اس میں وہ امامت اور اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے، چنانچہ مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں ایک ان کا نام بھی تھا[2]،

فرائض، حضرت زید بن ثابتؓ فرائض کے بھی بڑے عالم تھے، اس لئے خارجہ کو یہ دولت گویا وراثۃً ملی تھی، چنانچہ علمائے مدینہ میں وہ اور طلحہ بن عبد اللہ بن عوف میراث تقسیم کرتے تھے، اور تقسیم کے وثیقے لکھتے تھے، اور اس میں ان کا قول سند مانا جاتا تھا[3]،

وفات حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے عہدِ خلافت ۱۰۰ھ میں وفات پائی، وفات سے کچھ دنوں پہلے یہ خواب دیکھا کہ ستر سیڑھیاں بنائی ہیں، انھیں بنانے کے بعد گر پڑے، اسی سال انتقال ہو گیا، وفات کے وقت پورے ستر سال کی عمر تھی، ابوبکر بن محمد والیِ مدینہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی[4]،

حلیہ اور لباس خارجہ کا جسم نہایت سڈول اور خوبصورت تھا، خز کی چادر اوڑھتے تھے، سپید عمامہ باندھتے تھے اور بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے[5]،

اولاد وفات کے بعد متعدد اولادیں یادگار چھوڑیں، لڑکوں میں زید، عمر، عبد اللہ، محمد اور لڑکیوں میں حبیبہ، حمیدہ ام یحییٰ، اور ام سلیمان تھیں، اور یہ سب اولادیں ام عمرو بنت حزم کے بطن سے تھیں[6]،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۷۵، [2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۷۵، [3] ایضاً، [4] ابن سعد ج ۵ ص ۱۹۴، [5] ایضاً، [6] ایضاً،

۱۹- خالد بن معدان

نام ونسب | خالد نام، ابوعبداللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، خالد بن معدان بن ابی کریب کلابی،

فضل وکمال | خالد کو علم وفن کے ساتھ خاص ذوق وشغف تھا اور وہ ان کا مشغلۂ حیات بن گیا تھا، بحیر کا بیان ہے کہ میں نے ان سے زیادہ علم سے چپاں رہنے والا نہیں دیکھا[۱]، اس ذوق نے انکو حمص کا ممتاز عالم بنا دیا تھا،[۲]

حدیث | حدیث کے وہ بڑے حافظ تھے، ستر صحابہ سے ملاقات کا شرف حاصل تھا[۳]، ان میں سے ثوبانؓ، ابن عمرؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، عتبہ بن عبدالسلمیؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، مقدام بن معدیکربؓ اور ابوامامہ سے سماعِ حدیث کیا تھا، عبادہ بن ثابتؓ، ابودرداءؓ، معاذ بن جبلؓ، ابوعبیدہؓ، ابوذر غفاریؓ اور عائشہ صدیقہؓ سے مرسل روایات کی ہیں[۴]،

فقہ | فقہ میں بھی انھیں پورا درک تھا، صحابۂ کرام کی جماعت کے بعد فقہائے شام کے تیسرے طبقہ میں ان کا شمار تھا[۵]،

حلقۂ درس | ان کا حلقۂ درس بھی تھا، لیکن شہرت سے اس قدر گھبراتے تھے کہ جب حلقہ زیادہ بڑھا تو شہرت کے خوف سے درس وتدریس کی مسند اٹھا دی[۶]،

تلامذہ | ان کے تلامذہ میں بحیر بن سعید، محمد بن ابراہیم تیمی، ثور بن یزید، حریز بن عثمان، عامر بن حشیب، حسان بن عطیہ، اور فضیل بن فضالہ وغیرہ لائقِ ذکر ہیں[۷]،

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۸۱، [۲] ایضاً، [۳] ایضاً، [۴] تہذیب التہذیب ج ۳ ص۱۱۹، [۵] ایضاً، [۶] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۸۱، [۷] تہذیب التہذیب ج ۳ ص۱۱۸،

کتابت علم، انھوں نے اپنے تمام معلومات قلم بند کر لئے تھے، ان کے تلمیذ بحیر کا بیان ہے کہ ان کا سارا علم ایک مصحف میں تھا،[1]

ارباب علم کا اعتراف، اس عہد کے بڑے بڑے ائمہ ان کے علمی کمالات کے معترف تھے، سفیان ثوری کہتے تھے کہ میں خالد بن معدان پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا،[2] امام اوزاعی ان کی بڑی عظمت کرتے تھے، اور لوگوں کو ان کی لڑکی عبدہ کے پاس بھیجکر ان کے طریقے معلوم کراتے تھے،[3]

عبادت، اس علم کے ساتھ وہ عمل کی دولت سے بھی مالا مال تھے، ابن حبان ان کو بہترین خدا کے بندوں میں لکھتے ہیں،[4] دن بھر میں سترہزار تسبیحیں پڑھتے تھے،[5] عبادت وریاضت کا نشان پیشانی پر تاباں تھا،[6]

موت کا ذوق، موت خاصانِ خدا کے لئے پیام وصل ہے، اس لئے خالد اس سے خوفزدہ ہونے کے بجائے اس کے شایق رہتے تھے، چنانچہ کہتے تھے کہ اگر موت کوئی ایسا علم ہوتی، جس کی جانب مسابقت کی جاسکتی، تو میں سب سے پہلے اسکے پاس پہنچتا اور اس شخص کے سوا جو اپنی قوت سے آگے بڑھ جاتا، اور کوئی مجھ سے بازی نہ لے جاسکتا،[7]

وفات، یزید بن عبد الملک کے عہد میں یہ ذوق پورا ہوا، اور ۱۰۳ھ میں وفات پائی، وفات کے دن روزے سے تھے،[8]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۸۴، [2] ایضاً، [3] تہذیب التہذیب ج ۳ ص۱۱۹، [4] ایضاً، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۸۴، [6] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص۱۶۲، [7] ایضاً، [8] ایضاً،

۲۰- داؤد بن دینار

نام ونسب | داؤد نام، ابوبکر کنیت، طہمان القشیری کے غلام تھے، اصل وطن سرخس تھا، لیکن بصرہ میں سکونت اختیار کرلی تھی،

فضل وکمال | داؤد کا پیشہ خیاطی تھا[1]، لیکن یہ پیشہ انھیں تحصیل علم اور کسب کمال سے نہ روک سکا، اونھوں نے خیاطی کے ساتھ ساتھ قرآن، حدیث اور فقہ میں اتنا کمال حاصل کرلیا، کہ حافظ ذہبی انھیں امام حافظ اور نفتی لکھتے ہیں[2]،

تعلیم قرآن | قرآن کے ساتھ انھیں خاص شغف تھا، اس شغف کا باعث ایک خاص واقعہ ہوا جو خود ان کی زبان میں یہ ہے کہ میں ایک مرتبہ طاعون میں مبتلا ہوا، بیہوشی کی حالت میں مجھے نظر آیا کہ میرے پاس دو آدمی آئے ہیں، ان میں سے ایک نے میری زبان کی جڑ کو اور دوسرے نے میرے تلوے کو دبا کر ایک نے دوسرے سے پوچھا کیا چیز معلوم ہوتی ہے، دوسرے نے جواب دیا تسبیح تکبیر اور کچھ مسجد کی طرف چلنا اور تھوڑی سی قرآن کی قرأت، میں نے اس وقت تک قرآن حاصل نہ کیا تھا بیماری سے اٹھنے کے بعد ہمہ تن تعلیم قرآن کی طرف متوجہ ہوگیا، اور اس کو حاصل کرلیا[3]،

حدیث | حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقہ کثیر الحدیث[4] حافظ ذہبی امام حافظ اور ثبت لکھتے ہیں[5] حدیث میں انھوں نے ابو العالیہ، سعید بن مسیب، ابو عثمان نہدی

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۰۴، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۱، [3] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۲۰، [4] ایضاً،

[5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۱،

شعبی، عکرمہ، عزرہ بن عبد الرحمٰن، محمد بن سیرین، ابو الزبیر، مکحول شامی وغیرہ سے سماع کیا تھا، اور شعبہ، ثوری، مسلمہ بن علقمہ، ابن جریج، حماد، وہیب بن خالد، عبد الوارث بن سعید، عبد الاعلیٰ ابن الاعلیٰ، یحییٰ القطان، یزید بن زریع، اور یزید بن ہارون وغیرہ ان کے زمرۂ تلامذہ میں تھے،[۱]

ان کی مرویات کی تعداد دو سو تک پہنچتی ہے،[۲] کیفیت کے اعتبار سے ان کی مرویات کے متعلق ائمہ فن کی یہ رائے تھی، امام احمد بن حنبل فرماتے تھے، کہ "وہ ثقہ ہیں، ثقہ ہیں" ایک مرتبہ کسی نے داؤد کے بارے میں آپ سے پوچھا، آپ نے فرمایا داؤد جیسے شخص کے متعلق بھی پوچھنے کی ضرورت ہے،[۳] ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ متقنین فی الروایہ میں تھے،[۴] عجلی کہتے ہیں کہ وہ ثقہ، جید الاسناد اور رفیع تھے،[۵] ان کی روایات صحاح کی تمام کتابوں میں ہیں،

فقہ ان کے تفقہ کے لئے یہ سند کافی ہے کہ بصرہ جیسے علمی مرکز کے مفتی تھے،[۶]

قوت استدلال اس علم کے ساتھ اون کا دماغ نہایت عقلی تھا، قوتِ استدلال ایسی زبردست تھی کہ بڑے سے بڑے معترضین کو دو جملوں میں خاموش کر دیتے تھے، ایک مرتبہ شام گئے، وہاں غیلان قدری سے ملاقات ہوئی، اس نے کہا میں آپ سے چند مسائل پوچھنا چاہتا ہوں، آپ نے جواب دیا تم پچاس مسائل پوچھ سکتے ہو لیکن مجھے دو سوالوں کی اجازت دو، غیلان نے کہا، فرمائیے، آپ نے سوال کیا خدا نے انسان کو سب سے افضل کون سی شے عطا کی ہے؟ غیلان نے کہا عقل، فرمایا اچھا بتاؤ عقل اختیاری شے ہے جس کا دل چاہے لے اور جس کا دل چاہے نہ لے، یا خدا کی جانب سے تقسیم ہوتی ہے، غیلان ان چند جملوں کو سنکر خاموشی سے چلا گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا، اس وقت داؤد نے کہا عقل ہی کی طرح خدا نے ایمان و مذہب

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۰۴، [۲] تہذیب الکمال ص ۱۱۱، [۳] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۰۴، [۴] ایضاً، [۵] ایضاً

[۶] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۱،

ہر شے تقسیم فرمائی ہے، خدا ہی کی قوت اصل ہے[1] اور جب تمام امور خدا کی طرف سے ہوئے تو پھر قدر کہاں رہ گیا)

عمل | اس علم کے ساتھ داؤد نے عمل کی دولت سے بھی وافر حصہ پایا تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ راس فی العلم والعمل تھے[2]، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ صالح آدمی تھے[3]، راستہ چلتے خدا کا ذکر کرتے تھے[4]، چالیس سال تک مسلسل روزے رکھے اور گھر والوں کو خبر تک نہ ہونے پائی، صبح کو گھر سے کھانا لے کر دوکان چلے جاتے تھے، اور راستہ میں اس کو خیرات کر دیتے تھے، اور شام کو گھر واپس ہو کر افطار کرتے تھے[5]،

وفات | ۱۳۹ھ میں حج سے واپسی میں راستہ میں وفات پائی[6]،

۲۱۔ ربیع بن خثیم

نام ونسب | ربیع نام، ابو یزید کنیت، نسباً قبیلہ ثعلبہ کی ایک شاخ ثور سے تھے، نسب نامہ یہ ہے، ربیع بن خثیم بن عائذ بن عبد اللہ بن منقذ بن ثور ثوری، ربیع ان تابعین میں ہیں، جنھوں نے رسالت کا مقدس دور پایا تھا، لیکن شرفِ صحابیت سے محروم رہے، تاہم وہ اس عہد کے برکات سے مالا مال تھے، اور عمل و علم اور زہد و تقویٰ کے اعتبار سے ممتاز ترین تابعین میں ہیں،

فضل وکمال | جیسا کہ آئندہ سطور سے معلوم ہوگا کہ ربیع صاحب علم تابعین میں تھے، لیکن ان کے علم کی روشنی کو زہد و ورع کے نور نے مدھم کر دیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ علم سے زیادہ تقویٰ میں مشہور ہیں، ورنہ جہاں تک ان کے علمی کمالات کا تعلق ہے اس میں بھی وہ اپنے اقران میں

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۱، [2] ایضاً، [3] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۰۳، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۲
[5] ایضاً ص ۱۳۱، [6] ایضاً وابن سعد ج ۶ ق ۲ ص ۲۰،

ممتاز تھے، اونھوں نے زمانہ ایسا پایا تھا جب علما صحابہ کی بڑی جماعت موجود تھی، چنانچہ صحابہ میں اونھوں نے عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوایوب انصاریؓ سے فیض اٹھایا تھا، عبداللہ بن مسعودؓ سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ مستفید ہوئے تھے، ان کی بارگاہِ علم میں ربیع کو اتنا تقرب حاصل تھا کہ جب وہ اون کی خدمت میں حاضر ہوتے تو جب تک دونوں کی تنہائی کی صحبت ختم نہ ہو جاتی اور دونوں کی ضرورتیں پوری نہ ہو جاتیں اس وقت تک کسی کو اندر داخل ہونے کی اجازت نہ ملتی[1]

ابن مسعودؓ پر ان کے فضائل و کمالات کا اتنا اثر تھا کہ وہ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ ابو یزید اگر تم کو رسول اللہ صلعم دیکھتے تو تم سے محبت فرماتے، جب میں تم کو دیکھتا ہوں تو متواضعین یاد آتے ہیں[2]

عبداللہ بن مسعودؓ کی صحبت وہ تھی جس نے معمولی معمولی انسانوں کو صیقل علم سے جلا دیکر چمکا دیا، ربیع تو فطرۃً نہایت صالح اور صاحبِ استعداد تھے، اس لئے وہ ابن مسعودؓ کے علمی برکات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوئے،

قرآن ربیع کو قرآن، حدیث، فقہ جملہ علوم میں درک حاصل تھا، علمی حیثیت سے قرآن کے ساتھ زیادہ شغف تھا، جس کا ذکر آیندہ آئے گا، قرآن کی تفسیر و تاویل آیاتِ قرآنی سے استدلال اور مناسب مواقع پر آیات کو چسپاں کرنے کا بڑا ملکہ تھا، اپنی واعظانہ تقریروں میں وہ نہایت موزونیت سے آیاتِ قرآنی کو کھپاتے تھے، جس کا اندازہ اون کے مواعظ سے ہوتا ہے، ان کا وعظ عموماً یہ ہوتا تھا،

اے خدا کے بندے، ہمیشہ بھلی بات کہا کر، اور بھلائی پر عمل کیا کر، ہمیشہ بھلی خصلتوں پر رہا کر، اپنی مدت (حیات) کو زیادہ نہ سمجھ، اپنے قلب کو سخت نہ بنا، اور ان لوگوں کا مصداق نہ بن جو کہتے ہیں ہم نے سنا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۲، [2] ابن سعد ج ۶ ص ۱۲۶،

لا تکونوا کالذین قالوا سمعنا — ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو کہتے ہیں کہ ہم نے سنا

وھم لا یسمعون (انفال-۳) — حالانکہ نہیں سنتے،

اے خدا کے بندے اگر تو اچھے کام کرتا ہے تو ایک کے بعد دوسرا برابر کئے جا، کیونکہ عنقریب تجھے وہ دن پیش آنے والا ہے، جب تجھ کو یہ حسرت رہ جائیگی، کہ کاش زیادہ اچھے کام کئے ہوتے، اگر تجھ سے کچھ برائیاں سرزد ہو چکی ہیں تو بھی اچھے کام کر، کہ خدا فرماتا ہے،

ان الحسنات یذھبن السیات — بھلائیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں اور یہ

ذالك ذکری للذاکرین، (ہود-۱۰) — نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے،

اے بندہ خدا خدا نے اپنی کتاب میں جو علم تجھے عطا کیا ہے، اس پر اس کا شکر ادا کر، اور جو اس نے تجھکو نہیں دیا بلکہ اپنے لئے مخصوص رکھا، اس کو اس کے جاننے والے کے سپرد کر اور بناوٹ نہ کر کیونکہ خدا فرماتا ہے[1]،

قل ما اسئالکم علیہ — (اے پیغمبر) کہدے کہ میں اس پر تجھ سے

من اجر وما انا من المتکلفین — کوئی اجر نہیں مانگتا، اور میں تکلف کرنے

ان ھو الا ذکر للعالمین — والوں میں نہیں ہوں، قرآن دونوں عالموں

ولتعلمن نباہ بعد — کے لئے نصیحت ہے، اور ایک وقت آئیگا

حین (ص-۵) — جب تم کو اس کی حقیقت معلوم ہوگی،

حدیث: حدیث میں انھیں حافظ ذہبی امام اور قدوہ لکھتے ہیں[2]، عبد اللہ بن مسعودؓ، ابو ایوب انصاریؓ، عمرو بن میمونؓ اور عبد الرحمن بن ابی لیلیٰؓ وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا، اور ابراہیم نخعی، امام شعبی، منذر ثوری، ہلال بن یساف اور بکر بن ماعز وغیرہ جیسے اکابر ان کے تلامذہ میں ہیں[3]،

---

[1] ابن سعد ج ۶ صفحہ ۱۲۸، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۵، [3] تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۴۲،

معیار کے اعتبار سے اون کی روایات کا جو پایہ تھا، اس کا اندازہ ان آرار سے ہو سکتا ہے، امام شعبی کہتے ہیں کہ ربیع سچائی کا معدن ہیں، ابن معین کہتے تھے کہ ربیع جیسے شخص کے متعلق کچھ پوچھنے گچھنے کی ضرورت نہیں[1]،

فقہ، اگرچہ ربیع نے فقیہ کی حیثیت سے کوئی شہرت حاصل نہیں کی، لیکن ان کے تفقہ کے لئے یہ سند کافی ہے کہ وہ فقیہ الامت عبداللہ بن مسعودؓ کے جن کے فتاوی پر عراقی فقہ کی بنیاد ہے، تربیت یافتہ اور خاص اصحاب میں تھے، لیکن جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، ان کی ان حیثیتوں کو ان کے زہد و ورع نے بالکل دبا دیا تھا،

بنی ثور کی بعض خصوصیات، عموماً ہر خاندان میں کچھ نہ کچھ خصوصیات ایسی ہوتی ہیں جو کم و بیش اس کے تمام افراد میں پائی جاتی ہیں، کوئی خاندان علم وفن میں ممتاز ہوتا ہے، کوئی زہد و ورع میں کوئی اور کسی خاص وصف میں، ربیع کا خاندان یعنی بنی ثور عبادت و ریاضت میں نمایاں اور ممتاز تھے شبرمہ کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ میں بنی ثور سے زیادہ فقیہ اور عبادت گذار شیوخ اور کسی قبیلہ میں نہیں دیکھے، ابی بکر زبیدی اپنے باپ کی زبانی بیان کرتے ہیں، کہ میں نے ثوریوں اور عرنیوں سے زیادہ مسجد میں بیٹھنے والا کوئی خاندان نہیں دیکھا[2]،

زہد و ورع، ربیع اسی عبادت گذار قبیلہ کے فرزند تھے جو مذہبی اور روحانی کمالات میں سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز تھا، وہ نہ صرف اپنے قبیلہ بلکہ جماعت تابعین کے عابد ترین افراد میں تھے، ان کا شمار ان چند تابعین میں تھا جو زہد و ورع کے لحاظ سے پوری جماعت میں ممتاز تھے[3]، ان کے زہد و ورع اور عبادت و ریاضت پر تمام علماء اور مصنفین کا اتفاق عام ہے، امام شعبی کا بیان ہے، کہ ربیع اپنی جماعت میں سب سے زیادہ متورع تھے[4]، ابی عبیدہ بیان کرتے ہیں

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۲، [2] ابن سعد ج ۶ ص ۱۳۳، [3] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۲، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۰،

کہ میں نے ربیع سے زیادہ لطیف العباد نہیں دیکھا[۱]، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ربیع کا زہد اور ان کی عبادت اس قدر مشہور ہے کہ اس کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں[۲]،

خشیتِ الٰہی، تمام اعمالِ حسنہ کا سرچشمہ خشیتِ الٰہی ہے، ربیع پر اتنی خشیت طاری رہتی تھی، کہ روتے روتے داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی، عذابِ دوزخ کا معمولی نمونہ دیکھ کر بیہوش ہو جاتے تھے، اعمش بیان کرتے ہیں، کہ ایک مرتبہ ربیع لوہار کی بھٹی کی طرف سے گذرے تو بھٹی دیکھکر بے ہوش ہو گئے[۳]،

شب بیداری، ان کی عبادت کا خاص وقت شب کی تاریکی تھا، ساری ساری رات عبادت کرتے تھے[۴]، پر موعظت آیات پڑھتے تھے، اور شدتِ تاثر میں انکو دہراتے دہراتے صبح کر دیتے، انکے غلام نسیر بن ذعلوق بیان کرتے ہیں کہ ربیع رات کی تاریکی میں تہجد پڑھتے پڑھتے جب اس آیت پر پہنچے:-

ام حسب الذین اجترحوا	کیا جنھوں نے برائیاں کی ہیں یہ گمان
السیأت ان نجعلھم	کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر
کالذین آمنوا وعملوا الصالحات	کریں گے جنھوں نے اچھے اعمال کیے، جنکی
سوآءً محیاھم ومماتھم	زندگی اور موت برابر ہے، وہ لوگ کیا ہی
ساءَ ما یحکمون، (جاثیہ-۲)	برا فیصلہ کرتے ہیں،

تو اس کو دہراتے دہراتے صبح کر دیتے تھے[۵]،

جماعت کا اہتمام، نماز باجماعت کبھی ناغہ نہ ہوتی تھی، آخر عمر میں فالج کے اثر سے چلنے پھرنے

---

[۱] ابن سعد ج ۶ ص ۱۲۷، [۲] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۲، [۳] ابن سعد ج ۶ ص ۱۳۱، [۴] تہذیب الکمال ص ۱۱۵، [۵] ابن سعد ج ۶ ص ۱۲۳،

معذور ہوگئے تھے لیکن اس وقت بھی نماز باجماعت قضا نہ ہوتی تھی، دوسروں کے سہارے گھسٹتے ہوئے مسجد پہنچتے تھے، ابو حیان اپنے والد کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ ربیع فالج سے بالکل معذور ہوگئے تھے لیکن نماز کے لئے پیروں سے گھسٹتے ہوئے یا دوسروں کا سہارا لے کر مسجد میں آتے تھے، لوگ کہتے ابو یزید اس مجبوری کی حالت میں تو آپ کو گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے، جواب دیتے "حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح" سننے کے بعد جہاں تک ہو سکے اسکا جواب دینا چاہیئے، خواہ گھٹنے کے بل چلنا پڑے[1]،

جہاد لوجہ اللہ اگرچہ ربیع ایک زاہد گوشہ نشین تھے، اسی لئے وہ خلافت راشدہ کے دور میں موجود ہونے کے باوجود اس عہد کی عملی زندگی میں نہیں نظر آتے، لیکن جہاد فی سبیل اللہ کے لئے گوشۂ عزلت سے باہر نکل آتے تھے، اور یہ جہاد بھی اس قدر خالص اور لوجہ اللہ ہوتا تھا، کہ مالِ غنیمت بھی اپنے تصرف میں نہ لاتے تھے، بلکہ جو کچھ ملتا تھا، اس کو خدا ہی کی راہ میں صرف کر دیتے تھے، عبد خیر بیان کرتے ہیں، کہ میں ایک جنگ میں ربیع کا رفیقِ جہاد تھا، اسمیں انھیں غنیمت میں بہت سے غلام اور مویشی ملے، چند دنوں کے بعد مجھے اون کے پاس جانے کا اتفاق ہوا تو ان میں سے کوئی شے نظر نہ آئی، میں نے پوچھا وہ غلام اور مویشی کیا ہوئے، اس مرتبہ انھوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، جب میں نے دوبارہ پوچھا تو فرمایا، لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ[2]

انفاق فی سبیل اللہ انفاق فی سبیل اللہ ان کا خاص وصف تھا، اوپر کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان چیزوں کو زیادہ خیرات کرتے تھے، جو انھیں زیادہ پسند خاطر ہوتی تھیں، آپ کو شیرینی مرغوب تھی، اس لئے جب کوئی سائل آتا، تو اسے شکر دیتے، لوگ آپ سے کہتے کہ وہ شکر کیا کریگا، اس کے لئے تو اس سے بہتر روٹی ہے، جواب دیتے خدا فرماتا ہے، ویطعمون الطعام

---

[1] ابن سعد ج ۶ صـ ۱۳۲، [2] ایضاً صـ ۱۳۳،

علی حبہ[1]،

حاجت مند نادار اور مجنوں پڑوسیوں کو اچھے اچھے کھانے پکوا کر کھلاتے تھے، منذر ثوری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ربیع نے اپنے گھر والوں سے خبیص (ایک قسم کا کھانا) پکانے کو کہا چونکہ وہ اپنے لئے کبھی کسی چیز کی فرمایش نہیں کرتے تھے، اس لئے اون کی بیوی نے بڑے اہتمام سے خبیص تیار کیا، ان کے پڑوس میں ایک دیوانہ رہتا تھا، ربیع نے خبیص لیجا کر اپنے ہاتھ سے اس کو کھلایا، اس کے منہ سے لعاب بہتا جاتا تھا، جب کھلا کر گھر واپس آئے تو بیوی نے کہا ہم نے زحمت اٹھا کر اتنے اہتمام سے پکایا اور تم نے لیجا کر ایک ایسے شخص کو کھلا دیا جو یہ بھی نہیں سمجھ سکتا کہ اس نے کیا کھایا، آپ نے جواب دیا خدا تو جانتا ہے[2]،

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کی زندگی کا نہایت اہم فریضہ تھا، جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا، وہ نہایت خاموش اور عزلت نشین تھے، لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے یہ عزلت نشینی اور خاموشی ٹوٹ جاتی تھی، آپ کے پاس جو شخص آتا اس سے فرماتے اچھی باتیں کہا کرو اور خود اچھی باتوں پر عمل کیا کرو ہمیشہ بھلائی پر رہا کرو، جہاں تک ہو سکے نیک کاموں میں زیادتی کرو اور برے کاموں میں کمی اپنے دلوں کو سخت نہ بنالو، تمہاری مدت زیادہ نہیں ہے، ان لوگوں میں نہ ہو جو زبان سے تو کہتے ہیں ہم سنتے ہیں، لیکن حقیقتاً نہیں سنتے[3]، جو شخص نصیحت کی درخواست کرتا اسے قرآنی احکام لکھوا دیتے، ایک شخص نے درخواست کی کہ کچھ وصیت فرمائیے، اس کی درخواست پر کاغذ منگا کر قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم سے لعلکم تتقون تک قرآن کی آیات لکھوا دیں اس شخص نے کہا میں آپ کے پاس اس لئے آیا تھا کہ آپ مجھے کچھ وصیت کریں گے، فرمایا بس انہی، پر عمل کرو[4]،

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۳۱ [2] ایضاً، [3] ایضاً ص ۱۳۰، [4] ایضاً،

پندارِ تقویٰ سے احتراز اس راہ کی سب سے کٹھن منزل پندارِ تقویٰ سے بچنا ہے، جہاں بڑے بڑے زاہدوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں، اور عبائے زہد کے دامن پندار کے داغ سے داغدار بنجاتے ہیں، لیکن ربیعؒ کا یہ خاص کمال تھا کہ وہ تقویٰ کے اس درجہ کمال پر ہونے کے باوجود گنہگاروں کے لیے بھی اپنی زبان سے کوئی ناروا کلمہ نکالتے تھے، نسیر بن ذعلوق کا بیان ہے کہ کسی نے ربیعؒ سے پوچھا کہ آپ لوگوں کو برا نہیں کہتے، آپ نے جواب دیا خدا کی قسم مجھے خود اپنے نفس پر اطمینان نہیں ہے، کہ دوسروں کو برا کہوں، لوگوں کا عجیب حال ہے کہ وہ دوسروں کے گناہوں پر تو خدا سے ڈرتے ہیں، لیکن خود اپنے گناہوں کی جانب سے بے خوف ہیں[1]،

شدتِ احتیاط، ربیعؒ کو اوامر و نواہی کے باب میں اتنا اہتمام تھا اور وہ چھوٹی چھوٹی اور معمولی معمولی باتوں میں اتنی احتیاط برتتے تھے، کہ ہر شخص کا ذہن بھی ان کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا، بکر بن ماعز کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ربیعؒ کی بچی نے ان سے کہا، ابا میں کھیلنے جاتی ہوں، فرمایا جاؤ، اچھی باتیں کہو، چھوٹی بچی اس کو کیا سمجھتی، وہ سر ہو گئی کہ میں کھیلنے جاتی ہوں، لوگوں نے ربیعؒ سے کہا آپ اسے کھیل کے لئے کیوں نہیں جانے دیتے، فرمایا میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے آج کے نامۂ اعمال میں یہ لکھا جائے کہ میں نے کھیل کا حکم دیا[2]، نرد شیر کا کھیل گو لہو لعب میں ہے، اس لئے اس کی ممنوعیت کی حیثیت بھی اسی حد تک ہے، لیکن ربیعؒ شدتِ احتیاط میں کہتے تھے کہ میں نرد شیر کے پانسوں کو اپنے ہاتھوں سے الٹنے کے مقابلہ میں سور کے گوشت کو اٹھا لینا زیادہ پسند کرتا ہوں[3]،

انکسار و تواضع ان کمالات پر انکسار و تواضع کا یہ حال تھا کہ پاخانہ تک اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے تھے، ایک شخص نے کہا، اس کام کے لئے دوسرے لوگ موجود ہیں، جواب دیا میں چاہتا

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۲۹، [2] ایضاً ص ۱۳۱، [3] ایضاً ص ۱۳۳،

ہوں کہ گھر کے کاروبار میں بھی حصہ لوں، ان کی خاکساری کو دیکھ کر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے، کہ تم کو دیکھ کر متواضعین کی یاد آجاتی ہے[1] کسی موقع پر بھی اُنکی زبان سے برا کلمہ نہ نکلتا تھا کسی سے تکلیف بھی پہونچتی تو اس کو دعا دیتے، ایک مرتبہ مسجد میں نمازیوں کا ہجوم زیادہ تھا، جب جماعت کھڑی ہونے لگی، اور لوگ آگے بڑھے تو ایک شخص نے جو ربیع کے پیچھے تھا، ان سے کہا آگے بڑھو لیکن کثرت اژدہام سے آگے راستہ نہ تھا، اس لئے ربیع آگے نہ بڑھ سکے، اس نے غصہ میں پیچھے سے ان کی گردن میں کونچا دیا، انھوں نے گردن موڑ کر صرف اس قدر کہا، خدا تم پر رحم کرے، خدا تم پر رحم کرے، اس شخص نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو ربیع تھے، انھیں دیکھکر وہ فرطِ ندامت سے رونے لگا[2]،

مجمعوں سے احتراز، ربیع نہایت تنہائی پسند تھے، نہ کہیں آتے جاتے تھے، نہ کسی مجمع میں بیٹھتے تھے، امام شعبی کا بیان ہے کہ ربیع جب سے سنِ شعور کو پہنچے نہ کسی مجلس میں بیٹھے نہ کسی شاہراہ پر گئے، اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے تھے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ میں کسی مقام پر جاؤں اور وہاں کوئی ایسی چیز دیکھوں جس میں شہادت میں بلایا جاؤں، اور شہادت نہ دے سکوں، یا کسی بوجھل آدمی کو دیکھوں اور اوس کی مدد نہ کر سکوں، یا مظلوم کو دیکھوں اور اس کی اعانت نہ کر سکوں[3]،

سکوت و خاموشی، وہ گھر میں بھی عموماً خاموش رہتے تھے، بہت کم باتیں کرتے تھے، فضول کلمہ تو زبان سے نکلتا ہی نہ تھا، ایک شخص کا جو آپ کی خدمت میں بیس سال تک رہا تھا بیان ہے کہ میں نے بیس سال کی طویل مدت میں ان کی زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہیں سنا جس پر نکتہ چینی کی جا سکے[4]، اس شخص کا بیان ہے کہ میں نے بیس سال کے عرصہ میں ربیع کو کلمۂ خیر کے علاوہ

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۲۷ ، [2] ایضاً ص ۱۳۰، [3] ایضاً ص ۱۲۷، [4] ایضاً ص ۱۲۸،

دوسرا کلمہ زبان سے نکالتے ہوئے نہیں دیکھا[1] ایک تیمی کا بیان ہے کہ میں دو سال تک ربیع کے پاس بیٹھا، اس دوران میں اونھوں نے مجھ سے انسانوں کے دنیاوی حالات کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا، صرف ایک مرتبہ اتنا پوچھا کہ تمھاری ماں زندہ ہیں، اور تمھارے محلہ میں کے مسجدیں ہیں[2]، وہ دوسروں کو بھی فضول گوئی سے منع کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ باتیں کم کیا کرو، اگر ہو سکے تو فضول باتوں کے بجاے، سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، اور اللہ اکبر، کا ورد کیا کرو، لوگوں کو اچھی باتیں کرنے کی تلقین کیا کرو، بری باتوں سے روکا کرو، قرآن پڑھا کرو، خدا سے بھلائی کی درخواست کیا کرو، اور شر سے پناہ مانگا کرو[3]،

دوسروں پر اخلاق کا اثر ربیع گو خاموش اور عزلت نشین تھے، لیکن پھول کی خوشبو اور آفتاب کی روشنی قید نہیں کی جا سکتی، اس لئے ان کی گوشہ گیری کے باوجود ان کی نکہتِ اخلاق ہر طرف پھیل گئی، اور ہر شخص ان کے اخلاقی فضائل سے متاثر ہو گیا شفیق روایت کرتے ہیں، کہ ہم عبداللہ بن مسعودؓ کے چند اصحاب کے ساتھ ربیع کی ملاقات کو گئے، ایک شخص نے راستہ میں پوچھا کہاں جاتے ہو، ہم نے کہا ربیع سے ملنے کے لئے، اس نے کہا تم لوگ ایسے شخص کے پاس جا رہے ہو کہ جب وہ کوئی بات کہتا ہے، تو جھوٹ نہیں کہتا جب وعدہ کرتا ہے، تو وعدہ خلافی نہیں کرتا، اگر اس کے پاس امانت رکھو تو اس میں خیانت نہیں کرتا[4]،

کسی انسان کی حقیقی عظمت اس کے معاصرین کا اعتراف ہے، ربیع کے معاصرین ان سے اتنا متاثر تھے کہ ان کے مقابلہ میں ذہنی بڑائی اپنی طرف منسوب کرنا پسند نہ کرتے تھے، ایک شخص نے ابو وائل سے پوچھا کہ تم بڑے ہو، یا ربیع، اونھوں نے جواب دیا کہ سن میں ان سے بڑا ہوں، لیکن وہ عقل میں مجھ سے بڑے ہیں[5]،

---

[1] ابن سعد ج ۶ صفحہ ۱۲۵، [2] ایضاً صفحہ ۱۲۹، [3] ایضاً، [4] ایضاً صفحہ ۱۲۶، [5] ایضاً صفحہ ۱۳۰،

بیماری میں توکل علی اللہ، توکل اور اعتماد علی اللہ کے اصل معنی ہیں کوشش کرکے کسی کام کی کامیابی اور ناکامیابی کو خدا کے حوالہ کر دینا، لیکن توکل کا ایک درجہ اس سے بھی بلند ہے، جو صرف خاصانِ خدا کا حصہ ہے، وہ یہ کہ دنیاوی وسائل ہی نہ اختیار کئے جائیں، اور اس کو خدا کے حوالہ کر دیا جائے، ربیع اسی درجۂ قصوی پر فائز تھے، کہ وہ موت وزیست کے سوال کے موقع پر بھی دنیاوی وسائل نہ اختیار کرتے تھے، فالج جیسے موذی اور زندہ درگور کر دینے والے مرض میں مبتلا تھے، لیکن کسی طرح علاج نہیں کرتے تھے، لوگ ان سے کہتے، کاش آپ علاج کر لیتے، فرماتے عاد وثمود اور اصحاب رس سب گزر گئے، ان کے درمیان بہت سے قرن تھے، اور ان میں علاج کرنے والے بھی موجود تھے، لیکن نہ تو علاج کرنے والے ہی باقی رہ گئے، اور نہ علاج کرانے والے سب مٹ گئے،[1]

وفات اس توکل کا نتیجہ یہ ہوا کہ فالج کے مرض نے مرض الموت کی شکل اختیار کر لی، دم آخر اونھوں نے لوگوں کے روبرو یہ اعترافات کئے کہ میں اپنے نفس پر اللہ کو گواہ بناتا ہوں، وہ اپنے نیک بندوں کی شہادت انھیں بدلہ دینے اور ثواب دینے کے لئے کافی ہے، میں خدا کی ربوبیت اسلام کے دین، محمد صلعم کی نبوت اور رسالت اور قرآن کی امامت سے راضی ہوں، اور اپنی ذات اور اس شخص سے جو میری اطاعت کرے، اس بات پر راضی ہوں کہ ہم سب عابدین کے زمرہ میں خدا کی عبادت کریں، اور حمد کرنے والوں میں اس کی حمد کریں اور مسلمانوں کی خیر خواہی کریں[2] ان وصیتوں کے بعد واصل بحق ہوئے، یہ کوفہ پر عبید اللہ بن زیاد کی ولایت کا زمانہ تھا،[3]

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۳۷، [2] ایضاً، [3] ایضاً،

۲۲- ربیعہ بن فروخ الملقب بہ "رائی"

نام ونسب، ربیعہ نام، ابو عثمان کنیت، "رائی" لقب، باپ کا نام فروخ، اور کنیت ابو عبد الرحمن تھی، فروخ قبیلہ بنی تمیم بن جرہ کے غلام تھے، اس غلام کے گھر میں ربیعہ پیدا ہوئے جو آگے چل کر اقلیم علم کے تاجدار بنے،

فضل وکمال فضل وکمال کے اعتبار سے ربیعہ ائمہ تابعین میں تھے، ان کی علمی جلالت شان تمام علما و محدثین میں مسلم تھی، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ربیعہ کی توثیق جلالت اور علمی اور عقلی عظمت پر تمام علما اور محدثین کا اتفاق ہے[1]، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ امام تھے، حافظ تھے، فقیہ تھے، مجتہد تھے اور رائے میں انھیں خاص بصیرت تھی، اس لئے ربیعۃ الرائے کہلاتے تھے[2]، خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ تھے، اور فقہ وحدیث کے حافظ تھے[3]،

پیدایش وتعلیم، ربیعہ کے ابتدائی اور تعلیمی حالات نہایت سبق آموز اور دلچسپ ہیں، ابھی وہ شکم مادر میں تھے کہ ان کے والد فروخ کو خراسان کی مہم میں چلاجانا پڑا، اور کچھ ایسے اتفاقات پیش آتے گئے کہ وہ کامل ستائیس برس تک وطن نہ آسکے، ربیعہ کی ماں نہایت عاقلہ اور عاقبت اندیش خاتون تھیں، ربیعہ کی پیدایش کے بعد ان کو ان کی تعلیم وتربیت کا بڑا خیال تھا، چنانچہ شوہر کی عدم موجودگی میں اونھوں نے پوری توجہ سے لڑکے کی تعلیم وتربیت دلائی اور شوہر کا کل اندوختہ جس کی تعداد تیس ہزار اشرفی تھی، ربیعہ کی تعلیم پر صرف کر دیا، ربیعہ خود نہایت ذہین، طباع اور شایق تھے، اس لئے اونھوں نے بہت جلد تعلیم حاصل کرلی، اور آغاز شباب ہی میں وہ جملہ علوم

[1] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۱۸۹، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۴۸، [3] تاریخ خطیب ج ۸ ص ۴۲۱،

میں کامل ہوگئے، چھبیس ستائیس سال کی عمر میں ان کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا، اور ان کی ذات مرجع خلائق بن گئی،

ستائیس سال کے بعد ان کے والد گھر واپس آئے، گھر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا، باپ بیٹے دونوں ایک دوسرے سے ناواقف تھے، ربیعہ باہر نکلے تو دروازہ پر ایک اجنبی کو دیکھ کر سخت برہم ہوئے، اور کہا دشمن خدا تو میرے گھر پر حملہ کرتا ہے، فروخ نے جواب دیا دشمن خدا تو میرے حرم میں گھسا ہوا ہے، دونوں میں یہانتک گفتگو بڑھی کہ باہم دست و گریبان ہوگئے، یہ شور وہنگامہ سن کر پاس پڑوس کے آدمی جمع ہوگئے، یہاں آکر دیکھا تو دونوں آدمی گتھے ہوئے تھے، ربیعہ فروخ سے لپٹے ہوئے کہہ رہے تھے کہ خدا کی قسم تجھکو حاکم شہر کے پاس لیجائے بغیر نہ چھوڑونگا فروخ کی زبان پر بھی یہی کلمات تھے، اتنے میں حضرت انس بن مالکؓ پہنچ گئے، اور فروخ سے کہا، بڑے میاں آپ کسی دوسرے گھر میں ٹھہر جائیے، اس وقت فروخ نے اپنا تعارف کرایا، کہ میں بنی فلاں کا غلام ہوں، میرا نام فروخ ہے، اور یہ میرا گھر ہے، اون کی آواز سن کر ان کی بیوی گھر سے نکل آئیں، اور انھیں پہچان کر بیٹے سے کہا کہ یہ تمھارے باپ ہیں، اور شوہر کو بتایا کہ یہ تمھارا فرزند ہے، جسے تم حمل کی حالت میں چھوڑ گئے تھے، یہ پردہ اٹھنے کے بعد دونوں باپ بیٹے گلے مل کر خوب روئے، گھر میں داخل ہونے کے بعد فروخ نے بیوی سے اندوختہ کے متعلق پوچھا اور کہا میرے پاس چار ہزار دینار اور ہیں، بیوی کل روپئے بیٹے کی تعلیم میں صرف کر چکی تھیں، جواب دیا ابھی ایسی جلدی کیا ہے، روپیہ حفاظت سے دفن ہے، اطمینان سے نکالوں گی، اس وقت ربیعہ کی ذات طالبان علم کا مرجع بن چکی تھی، مسجد نبوی میں ان کا حلقۂ درس قائم تھا جس میں مدینہ کے بڑے بڑے ارباب علم، عمائد اور اشراف شریک ہوتے تھے، ربیعہ معمول کے مطابق وقت پر مسجد چلے گئے، اون کی ماں نے درس کا وقت پہچان کر شوہر سے کہا ذرا مسجد نبوی میں جاکر نماز

پڑھاؤ، فروخ مسجد گئے تو دیکھا کہ ایک شخص کے گرد لوگوں کا ہجوم لگا ہوا ہے، امام مالک، حسن بن زید، ابن ابو علی لہبی، مساحقی وغیرہ مدینہ کے شرفا اور اکابر حلقۂ درس میں شریک ہیں، فروخ یہ ہجوم دیکھکر قریب چلے گئے، لوگوں نے تھوڑا سا راستہ دیدیا، ربیعہ نے درس میں خلل پڑنے کے خیال سے سر جھکا لیا، فروخ نے لوگوں سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں، انھوں نے بتایا، ربیعہ بن ابی عبد الرحمن، فروخ یہ سن کر وفورِ مسرت میں بول اوٹھے، خدا نے میرے لڑکے کو یہ رتبہ عطا کیا، اور گھر جاکر بیوی سے کہا میں نے تمہارے لڑکے کو ایسے رتبہ پر دیکھا کہ اس سے قبل کسی صاحبِ علم فقیہ کو نہ دیکھا تھا، شوہر کی زبان سے یہ اعتراف سننے کے بعد بیوی نے کہا، اب بتاؤ کیا چاہتے ہو بیٹے کی یہ عظمت وشان یا تیس ہزار اشرفیاں، فروخ نے جواب دیا، خدا کی قسم لڑکے کی عظمت وشان، بیوی نے کہا تو پھر تمکو معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے تمہاری کل دولت اس کی تعلیم میں صرف کر دی، فروخ نے کہا خدا کی قسم ٹھکانے لگی۔[۱]

حدیث ربیعہ کی شہرت زیادہ تر ان کے فقہی کمال کی وجہ سے ہے، لیکن وہ حدیث کے بھی ممتاز حفاظ میں تھے، ان کے حفظِ حدیث پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے، علامہ ابن سعد انھیں ثقہ اور کثیر الحدیث[۲]، خطیب بغدادی حافظ فقہ وحدیث[۳] اور حافظ ذہبی امام اور حافظِ حدیث لکھتے ہیں[۴]، ان کی حدیث دانی ان کے معاصرین میں مسلم تھی، ایک مرتبہ عبد العزیز بن ابی سلمہ عراق گئے، عراقیوں نے ان سے کہا کہ ربیعۂ رائی کی حدیثیں سنی ہیں، انھوں نے کہا تم لوگ انکو ربیعہ رائی کہتے ہو، خدا کی قسم میں نے ان سے زیادہ کسی کو سنت پر حاوی نہیں دیکھا۔[۵]

حدیث میں ان کے درجہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یحیی بن سعید جو اون کے تلمیذ رشید

۱؎ تاریخ خطیب ج ۸ ص ۴۲۱ و ۴۲۲، ۲؎ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۵۸، بحوالہ ابن سعد، ۳؎ تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۲۱
۴؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۴۱، ۵؎ تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۲۴،

تھے، ان کی زندگی ہی میں صاحب درس محدث بن گئے تھے، اور ربیعہ کی عدم موجودگی میں حدیث کا درس دیتے تھے[1]

صحابہ میں ربیعہ نے انسؓ بن مالک اور سائب بن یزید اور تابعین میں محمد بن یحییٰ بن حبان، ابن مسیب، قاسم بن محمد، ابن ابی لیلیٰ، اعرج، مکحول، حنظلہ بن قیس اور عبداللہ بن یزید وغیرہ جیسے محدثین سے استفادہ کیا تھا، اور یحییٰ بن سعید، ان کے بھائی عبدربہ، سلیمان التیمی، مالک، شعبہ، دونوں سفیان، حماد بن سلمہ، اور لیث وغیرہ اکابر محدثین ان کے تلامذہ میں تھے[2]

فقہ۔ لیکن ربیعہ کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا، اس میں وہ امامت و اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور اپنے تمام معاصرین پر فائق تھے، ان کے فقہی کمالات میں ان کی فطری استعداد کو بہت بڑا دخل تھا، وہ نہایت ذہین اور طباع تھے، یحییٰ بن سعید کہتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ زیرک نہیں دیکھا، دوسری روایت میں ہے کہ میں نے ان سے زیادہ صحیح عقل والا نہیں دیکھا[3]

اس ذہانت و ذکاوت نے ان میں اجتہاد، استنباط، اور تفریع مسائل کا خاص ملکہ پیدا کر دیا تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ربیعہ امام حافظ فقیہ اور مجتہد تھے، رائے میں انھیں اتنی بصیرت حاصل تھی کہ "رائی" ان کا لقب ہو گیا تھا[4]

اس فقہی کمال کی وجہ سے وہ مدینۃ العلم مدینہ کی مسند افتا پر فائز ہوئے، کان صاحب الفتوی بالمدینۃ[5] عباسی حکومت کے قیام کے بعد سفاح عباسی نے اون کو بلا کر عہدۂ قضا پر ممتاز کیا[6] امام مالک ان کے تلامذۂ خاص میں تھے، ربیعہ کی موت کے بعد اون کی زبان پر یہ پر حسرت کلمہ تھا کہ "ربیعہ کے بعد فقہ کا مزا جاتا رہا"[7] امام ابو حنیفہ جو فقہ رائے اور قیاس کے امام اعظم ہیں،

1. تاریخ بغداد ج ۸ صفحہ ۴۲۳، 2. تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۲۵۸، 3. تاریخ بغداد ج ۸ صفحہ ۴۲۳، 4. تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۱۴۱، 5. تاریخ خطیب ج ۸ صفحہ ۴۲۱، 6. ایضاً صفحہ ۴۲۱ 7. تاریخ بغداد ج ۸ صفحہ ۴۲۶،

ربیعہ کی خدمت میں استفادہ کے لئے آتے تھے، اور ان کے اقوال وآرا کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے[1]

فتاوی میں احتیاط، لیکن اس قوتِ اجتہاد اور رائے اور قیاس میں اس ملکہ کے باوجود وہ اس قدر محتاط تھے، کہ مسائل میں اپنی رائے اور قیاس کو دخل نہ دیتے تھے، اور بغیر سند کے جواب دینا سخت ناپسند کرتے تھے، عبد العزیز بن ابی سلمہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ربیعہ کے مرض الموت میں ان سے کہا کہ ہم لوگوں نے آپ ہی سے فیض پایا ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ ایسے مسائل پوچھتے ہیں جس کے بارے میں ہمارے پاس کوئی سند نہیں ہوتی، اور ہم کو یہ یقین ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں ہماری رائے اون کی رائے سے بہتر ہوگی، ایسی حالت میں کیا ہم اپنی رائے سے فتویٰ دیدیا کریں، یہ سن کر ربیعہ سہارا لے کر اُٹھ بیٹھے، اور فرمایا عبد العزیز تم پر افسوس ہے، کسی مسئلہ میں بغیر علم کے جواب دینے سے یہ بہتر ہے کہ تم جاہل مرجاؤ، اس جملہ کو تین مرتبہ دہرایا،[2]

حلقہ درس، ربیعہ کی ذات مرجعِ خلائق تھی، ان کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، اس میں مدینہ کے تمام بڑے بڑے علما، عمائد اور شرفا شریک ہوتے تھے، امام مالک یحییٰ انصاری، امام اوزاعی اور شعبہ وغیرہ ائمہ اسی حلقۂ درس کے فیض یافتہ تھے خطیب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شمار کیا گیا تو چالیس بڑے بڑے عمامہ پوش ان کے حلقۂ درس میں تھے،[3]

تلامذہ ربیعہ کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا، ممتاز تلامذہ میں امام مالک، یحییٰ انصاری، سفیان ثوری، شعبہ، لیث، اوزاعی، ابن عیینہ، سلیمان بن بلال وغیرہ لائقِ ذکر ہیں، عام تلامذہ کی فہرست نہایت طویل ہے،[4]

ربیعہ کے معاصرین کا اعتراف، ربیعہ کے تمام معاصرین میں اون کی علمی فضیلت مسلم تھی، عبید اللہ بن

---

[1] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۲۲ [2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۵۹ [3] ایضاً و تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۵۸،

[4] تاریخ خطیب ج ۸ ص ۴۲۳،

عمر کہتے تھے کہ ربیعہ ہماری مشکلات کے عقدہ کشا، ہمارے عالم اور ہم سب میں افضل تھے[۱] معاذ

ابن معاذ کا بیان ہے کہ سوار بن عبد اللہ کہتے تھے کہ میں نے کسی کو ربیعہ رائی سے بڑا عالم نہیں دیکھا، میں نے

ان سے پوچھا حسن اور ابن سیرین کو بھی نہیں، اونھوں نے کہا حسن اور ابن سیرین کو بھی نہیں[۲]

یحیی بن سعید انصاری اگرچہ ربیعہ کے خوشہ چینوں میں تھے لیکن عمر میں اون کے برابر تھے،

اور صاحب درس و افتا تھے، لیکن ربیعہ کی موجودگی میں درس نہیں دیتے تھے[۳]

معاصرین تو پھر بھی برابر کے لوگ تھے، ربیعہ کے شیوخ تک اون کی وسعت علم کے

قائل تھے، چنانچہ قاسم بن محمد سے جو اون کے شیوخ میں ہیں، جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو اگر

قرآن و حدیث میں اس کا جواب مل جاتا تو وہ خود بتا دیتے، ورنہ سائل کو ربیعہ کے پاس بھیجدیتے[۴]

زہد و عبادت، | اس علم کے ساتھ وہ بڑے عابد و زاہد تھے، ابن زید کا بیان ہے کہ ربیعہ بن ابی

عبد الرحمن ایک مدت دراز تک عبادت گذار رہے، رات و دن نمازیں پڑھتے تھے لیکن

پھر جب اونھوں نے علمی مجلسوں میں شرکت شروع کی اس وقت ان کا یہ رنگ قائم نہ رہ سکا[۵]

بے نیازی، | ربیعہ زر و مال کی جانب سے بڑے بے نیاز تھے، سلاطین اور خلفار تک کا احسان

اٹھانا پسند نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ وہ سفاح عباسی کے پاس غالباً عہدۂ قضا کے سلسلہ میں

انبار گئے، سفاح نے بطور نذر ایک رقم پیش کی، ربیعہ نے اسے قبول نہ کیا، ان کے انکار پر

سفاح نے لونڈی کی خریداری کے نام سے پانچ ہزار کی رقم دینی چاہی، مگر آپ نے

اسے بھی نہ لیا[۶]

فیاضی | لیکن وہ خود اپنے مال میں بڑے فیاض اور سیر چشم تھے، ان کا مال دوسروں کے لئے

وقف تھا، ابن زید کا بیان ہے، کہ مدینہ میں ربیعہ سے زیادہ دوستوں، دوست کے لڑکوں

---

[۱] تاریخ خطیب ج ۸ ص ۴۲۳ [۲] ایضاً، [۳] ایضاً، [۴] ایضاً، [۵] ایضاً، [۶] ایضاً ص ۴۲۵،

اور عام سائلین کے لئے اپنے مال میں فیاض نہ تھا[۱]

گویائی کا لطیفہ، ربیعہ بڑے گویا اور لسان تھے، کہا کرتے تھے کہ خاموش آدمی خواب اور گونگے پن کی حالت میں ہوتا ہے، وہ ہر وقت باتیں کیا کرتے تھے، ایک دن حسب معمول اپنی مجلس میں باتوں کی پھلجڑی چھوڑ رہے تھے کہ ایک اعرابی آیا، اور دیر تک خاموشی کے ساتھ ان گل فشانیوں کو سنتا رہا، ربیعہ سمجھے کہ وہ ان کی باتوں سے مسحور ہو رہا ہے، اعراب کی فصاحت و بلاغت مشہور و مسلم ہے، ربیعہ نے غالباً داد لینے کے لئے اس سے سوال کیا کہ تم لوگوں کے نزدیک بلاغت کی کیا تعریف ہے، اس نے جواب دیا "ادائے معنی کے ساتھ الفاظ میں اختصار" ربیعہ نے پھر پوچھا اور عجز بیان کسے کہتے ہیں، اعرابی نے جواب دیا جس میں تم مبتلا ہو، یہ پر لطف جواب سن کر ربیعہ سخت شرمندہ ہوئے[۲]

وفات، ربیعہ کے سنہ وفات اور جائے وفات دونوں کے بارہ میں دو بیانات ہیں، سنہ کے بارہ میں یہ اختلاف ہے کہ ۱۳۰ھ یا ۱۳۶ھ میں وفات پائی، جائے وفات کے بارہ میں یہ اختلاف ہے کہ ایک بیان کے مطابق انبار میں اور دوسرے بیان کے مطابق مدینۃ الرسول میں انتقال کیا، ۱۳۶ھ والی روایت زیادہ مستند ہے[۳]،

۲۲۳- رجاء بن حیوۃ،

نام و نسب، رجاء نام، ابو نصر کنیت، نسب نامہ یہ ہے، رجاء بن حیوۃ بن جرول بن الاحنف ابن السمط بن امرؤ القیس بن عمرو الکندی اردنی رجاء کے دادا جرول صحابی تھے،

فضل و کمال، فضل و کمال کے اعتبار سے رجاء شام کے اکابر علماء میں تھے، علامہ ابن سعد

۱؎ تاریخ خطیب ج ۸ صـ ۴۲۴، ۲؎ ابن خلکان ج اول صـ ۱۸۳، ۳؎ تاریخ خطیب ج ۸ صـ ۴۲۶،

لکھتے ہیں، کان ثقۃ عالما فاضلا کثیر العلم[1]، علامہ نووی لکھتے ہیں ان کی جلالت اوران کی شخصی اورعلمی فضیلت پرسب کا اتفاق ہے[2]،

حدیث وہ حدیث اورفقہ دونوں میں یکساں کمال رکھتے تھے، حافظ ذہبی انھیں امام اورشیخ اہل الشام لکھتے ہیں[3]، مطرالوراق کہتے تھے کہ رجابن حیوۃ سے افضل شامی اوران سے زیادہ روایت میں رفقہ شخص سے میں نہیں ملا[4]،

عبداللہ بن عمرو بن العاص، عدی بن عمیرہ، عبادہ بن صامت، عبدالرحمن بن غنم، معاویہ، نواس بن سمعان، ابو درداء، ابو سعید خدری، ابو امامہ، مسور بن مخرمہ، قبیصہ بن ذویب، ابوصالح السمان اور وراد کاتب وغیرہ سے سماعِ حدیث کیا تھا، اورعدی بن عدی، ابن عجلان، ثوربن یزید، ابن عون، مطرالوراق، زہری، محمد بن حجادہ اورحمید الطویل وغیرہ آپ کے زمرۂ تلامذہ میں ہیں[5]

روایت میں الفاظ کی پابندی روایتِ حدیث میں بہت محتاط تھے، حدیثوں کو الفاظ کی پابندی کیساتھ روایت کرتے تھے[6]،

فقہ حدیث سے زیادہ فقہ میں انکو دستگاہ تھی، مطرالوراق کہتے تھے کہ میں نے کسی شامی کو ان سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا[7]، ابن حبان انھیں فقہائے شام میں لکھتے ہیں[8]، ان کے تفقہ کی ایک سند یہ بھی ہے کہ وہ منصبِ قضاء پر ممتاز تھے[9]،

علمار میں رجار کا درجہ ان کے ہمعصر علمار میں ان کا درجہ نہایت بلند تھا، اس عہد کے تمام علمار ان کے کمالاتِ علمی کے معترف تھے، مکحول جو شام کے بڑے نامور عالم تھے، ان کو اپنا شیخ اپنا آقا اور

---

1 ابن سعد ج، ق ۲ ص ۱۶۱، 2 تہذیب الاسمار ج اول ص ۱۹۰، 3 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۵، 4 تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۶۶، 5 ایضاً ص ۲۶۵، 6 ابن سعد ج، ق ۲ ص ۱۶۱، 7 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۵، 8 تہذیب التہذیب ج اول ص ۲۶۶، 9 تہذیب الاسمار ج اول ص ۱۹۰،

سارے اہل شام کا سردار کہتے تھے[1]، ان کی موجودگی میں مکحول خود کسی مسئلہ کا جواب نہ دیتے تھے، موسیٰ بن یسار کا بیان ہے کہ ایک شخص نے مکحول سے مسجد میں کوئی مسئلہ پوچھا، انھوں نے اس سے کہا ہمارے شیخ اور ہمارے سردار رجاء بن حیوۃ سے پوچھو[2]، ابن عون کہتے تھے کہ رجاء کا مثل شام میں نہیں دیکھا، ابن سیرین کا مثل عراق میں اور قاسم کا مثل حجاز میں نہیں دیکھا[3]،

زہد و عبادت اس علم کے ساتھ وہ بڑے عابد و زاہد تھے، ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ شام کے عباد گذار اور زاہد لوگوں میں تھے[4]، ان کے زہد و تقویٰ کی وجہ سے مسلمہ بن عبد الملک کہتا تھا کہ کندہ کے تین آدمیوں کے طفیل میں خدا پانی برساتا ہے، اور دشمنوں پر مدد دیتا ہے، ان میں ایک رجاء ہیں[5]،

امراء سے استغناء اس زہد و تقویٰ کی وجہ سے وہ امراء اور سلاطین سے ہمیشہ بے نیاز رہے، اور کسی کے آستانہ پر حاضری نہیں دی، ایک مرتبہ ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ حاکم وقت کے پاس کیوں نہیں جاتے، جواب دیا مجھکو اس رب العلمین کی ذات کافی ہے، جس کے لئے میں نے ان کو چھوڑا ہے[6]،

ایک اہم کارنامہ، ان کا سب سے اہم کارنامہ اور سب سے بڑی مذہبی خدمت یہ ہے کہ انھی نے سلیمان بن عبد الملک کو عمر بن عبد العزیز کو خلیفہ بنانے کا مشورہ دیا تھا[7]،

وفات ۱۱۲ھ میں وفات پائی[8]،

حلیہ، آخر عمر میں سر اور داڑھی کے بال سپید ہو گئے تھے، سر میں خضاب لگاتے تھے اور داڑھی کو نورانی چھوڑ دیا تھا،

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول صفحہ ۱۹۱، [2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۶۵، [3] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۰۱، [4] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۶۶، [5] تہذیب الاسماء ج ا ص ۱۹۱، [6] ایضاً، [7] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۱، [8] ایضاً،

۲۴- زر بن جیش

نام ونسب | زر نام، ابو مریم کنیت، نسبًا اسدی تھے نسب نامہ یہ ہے، زر بن حبیش بن حباشہ ابن اوس بن بلال اسدی،

فضل وکمال | زر مخضرمی تھے یعنی انھوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا تھا، اس لئے اون کو کبار صحابہ کی صحبت کا موقعہ ملا، ان کے فیض نے انھیں جلیل القدر تابعی بنا دیا، امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ کبار تابعین میں تھے، ان کی توثیق وجلالت پر سب کا اتفاق ہے[۱]، حافظ ذہبی ان کو امام اور قدوہ لکھتے ہیں[۲]،

قرآن، | قرآن کے ممتاز قاری اور عالم تھے، حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں، کان عالمًا بالقرآن قارئًا فاضلًا[۳]، قرآن کا درس بھی دیتے تھے، عاصم بن بہدلہ انہی کے حلقۂ درس کے فیض یافتہ تھے[۴]،

حدیث | حدیث کے بڑے حافظ تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقۃ کثیر الحدیث[۵] حافظ ذہبی ائمہ حفاظ میں لکھتے ہیں، حدیث میں اونھوں نے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، ابو ذرؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، عبد الرحمن بن عوفؓ، عباس بن مطلبؓ، سعید بن زیدؓ، حذیفہ بن یمانؓ، ابی ابن کعبؓ، وغیرہ جیسے اکابر صحابہ سے روایتیں کی ہیں،

ابراہیم نخعی، عاصم بن بہدلہ، منہال بن عمرو، علیی بن عاصم، عدی بن ثابت، امام شعبی، زبید الیامی، اور ابو اسحٰق شیبانی وغیرہ آپ کے خوشہ چینوں میں تھے[۶]،

[۱] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۹۶، [۲] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۹، [۳] استیعاب ج اول ص ۲۰۲،
[۴] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۰، [۵] ابن سعد ج ۶ ص ۷۰، [۶] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۲۱،

ادب مذہبی علوم کے علاوہ زرعربی زبان کے بہت بڑے فاضل تھے، زبان میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جیسے بزرگ اُن سے استفادہ کرتے تھے[۱]،

اختلافِ رائے کیساتھ اتحادِ عمل ان لوگوں کے لئے جن کی زبانیں ادنیٰ ادنیٰ اختلاف پر آپس میں تیرونشتر چلاتی ہیں، بلکہ اس کے آگے بڑھ کر جنگ وجدال کی نوبت آجاتی ہے، ان بزرگوں کا یہ نمونہ قابلِ تقلید ہے، کہ ان میں خواہ کتنا ہی اختلافِ مسلک ہوتا تھا لیکن اگر اس کا تعلق اصولِ اسلام سے نہ ہوتا توسب وشتم کجا اس کا اثر ان کے تعلقات پر تک نہ پڑتا، اور ایک دوسرے کے احترام میں سرِمو فرق نہ آنے دیتے، زرعلوی تھے، اور ایک دوسرے تابعی ابووائل عثمانی دونوں ایک ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے، اور باہم اس اختلافِ مسلک کا تذکرہ تک نہ کرتے تھے، دونوں ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتے تھے، اور ابووائل زر کا بڑا احترام کرتے تھے[۲]،

توہینِ مذہب پر غیظ وغضب لیکن شعائرِ مذہب کی اہانت میں یہ مصالحت اور درگذر غیظ وغضب میں بدل جاتا تھا، ایک مرتبہ زر اذان دے رہے تھے، ایک انصاری کا ادھر سے گذر ہوا، اس نے کہا ابو مریم میں تم کو اس سے بالاتر سمجھتا تھا، اذان کی یہ توہین سنکر انھوں نے کہا جب تک میں زندہ رہوں گا تم سے ایک لفظ نہ بولوں گا[۳]،

وفات زر نے بڑی طویل عمر پائی، آخر عمر میں اعضا میں رعشہ پیدا ہوگیا تھا، باختلافِ روایت ۸۱ھ یا ۸۲ھ یا ۸۳ھ میں وفات پائی[۴]، وفات کے وقت ۱۲۲ سال کی عمر تھی،

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۹، [۲] ابن سعد ج ۶ ص ۷۱، [۳] تہذیب التہذیب ج ۳، ص ۳۲۲، [۴] ابن سعد ج ۶ ص ۷۱،
[۵] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۲۲،

۲۵- زید بن اسلم

نام ونسب، زید نام ابو اسامہ کنیت حضرت عمرؓ کی غلامی کا شرف رکھتے تھے،

فضل وکمال، زید اس بزرگ اور محترم ہستی کے غلام تھے جس کے ادنی صحبت یافتہ علم وعمل کے پیکر بن گئے، زید تو خاص غلاموں میں تھے، انھوں نے آقا سے زیادہ آقازادہ یعنی حضرت عبد اللہؓ کے سرچشمۂ علم سے فیض حاصل کیا، ان کے فیضِ صحبت نے زید کو دولتِ علم سے مالامال کر دیا تھا، اور ان کا شمار علماے مدینہ میں ہونے لگا تھا، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں، کان من اہل الفقہ والعلم[1]

تفسیر قرآن زید کو قرآن، حدیث، فقہ جملہ مذہبی علوم میں پورا درک تھا، وہ قرآن کی تفسیر کے بڑے عالم تھے، ابن حجر لکھتے ہیں، کان عالما بتفسیر القرآن[2]،

حدیث، حدیث میں بھی ان کے علم کا دائرہ وسیع تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقۃ کثیر الحدیث[3]، صحابہ میں انھوں نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، انس بن مالکؓ، جابر بن عبد اللہؓ، عائشہ صدیقہؓ، ربیعہ بن عباد دئلیؓ، سلمہ بن اکوع، اور تابعین میں ابوصالح السمان، عطاء بن یسار، حمران، علی بن حسین، بسر بن سعید، اعرج، عبد الرحمن بن دعلہ، عبد الرحمن بن سعید، قعقاع بن حکیم، اور عیاض ابن عبد اللہ بن سعد وغیرہ سے سماع کیا تھا[4]،

ان کے لڑکے عبد اللہ، عبد الرحمن اور اسامہ، مالک بن انس، ابن عجلان، ابن جریج، سلیمان ابن ہلال، حفص بن میسرہ، داؤد بن قیس الفراء، ایوب سختیانی، جریر بن حازم، عبید اللہ بن عمر، ابن اسحاق،

---

[1] تہذیب التہذیب، ج ۳ ص ۳۹۶ [2] ایضاً، [3] ایضاً بحوالہ ابن سعد،

[4] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۵ وتہذیب الاسماء،

محمد بن جعفر بن ابی کثیر وغیرہ ان کے تلامذہ میں تھے[۱]

فقہ، | فقہ میں خصوصیت کے ساتھ زیادہ درک تھا، حافظ ذہبی، امام نووی، حافظ ابن حجر سب انکو بالاتفاق فقیہ مدینہ لکھتے ہیں[۲]،

حلقۂ درس | مسجد نبوی میں زید کا حلقۂ درس تھا جس میں بڑے بڑے فقہاء اور اکابر مدینہ شریک ہوتے تھے، اعرج کا جو اس حلقہ کے ایک رکن تھے، بیان ہے کہ زید بن اسلم کے حلقۂ درس میں چالیس بڑے بڑے فقہاء شریک ہوتے تھے، ان میں باہم اتنی ہمدردی تھی کہ ہر شخص کا مال دوسرے کی ضرورت کے لئے وقف تھا، اس درس میں ایسی حدیثوں پر بحث و مباحثہ میں وقت ضائع نہیں کیا جاتا تھا جس میں کوئی افادی پہلو نہ ہو[۳]،

امام زین العابدین اپنے خاندانی حلقہ کو چھوڑ کر اس حلقہ میں شریک ہوتے تھے، نافع بن جبیر نے ان پر اعتراض کیا کہ آپ اپنی خاندانی مجلس کو چھوڑ کر ابن خطاب کے غلام کے درس میں شریک ہوتے ہیں، آپ نے جواب دیا آدمی اسی مجلس میں شریک ہوتا ہے، جس سے اس کے دین کو کوئی فائدہ پہنچتا ہو[۴]،

وقار و ہیبت، | زید اگرچہ غلام تھے لیکن ان کی علمی جلالت کی وجہ سے سب پر ان کی ہیبت چھائی رہتی تھی، مالک بن عجلان بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر کسی کا اتنا رعب نہ تھا، جس قدر زید بن اسلم کا ہیبت سے لوگوں کو سوال کرنے اور پوچھنے تک کی ہمت نہ پڑتی تھی، جب اون کا دل چاہتا خود سے حدیثیں بیان کرتے، جب خاموش ہو جاتے تو پھر کسی کو سوال کرنے کی ہمت نہ ہوتی[۵]،

محبوبیت، | اس ہیبت کے ساتھ ان کو بڑی محبوبیت اور مقبولیت حاصل تھی، وہ لوگوں کے محبوب القلوب تھے،

۱؎ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۵، ۲؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۸ و تہذیب التہذیب حوالہ مذکور،
۳؎ تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۰۱ ۴؎ تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۱۹ ۵؎ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۶

انکے صاحبزادے عبدالرحمن کا بیان ہے کہ میرے والد کبھی کبھی مجھ کو اپنے کسی ہم علیس کے پاس کام سے بھیجتے تھے، یہ میرا سر چومتے اور سہلا کر کہتے خدا کی قسم تمہارے والد مجھے میری اولاد اور میرے گھر والوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں، اگر خدا ان دونوں میں سے کسی ایک کو اٹھانا چاہے اور ہم کو انتخاب کا اختیار دے تو ہم زید کی زندگی اور سلامتی کے مقابلہ میں اپنی اولاد اور اپنے اہل وعیال کا اٹھ جانا پسند کریں گے،[۱]

ابو حازم دعا کیا کرتے تھے کہ خدایا مجھے زید کی موت کا دن نہ دکھانا، ان کے سوا میری ذات اور میرے مذہب کے لئے کوئی پسندیدہ اور نفع بخش باقی نہیں رہا ہے،[۲]

اخلاق، | علمی کمالات کے ساتھ زید اخلاقی فضائل سے بھی آراستہ تھے، امام نووی لکھتے ہیں، کہ وہ صالح تابعی تھے[۳] ان کو ایک نظر دیکھ لینے سے عبادت کی قوت پیدا ہوتی تھی، ابو حازم کہتے تھے، خدایا تو خوب جانتا ہے کہ میں زید کو اس لئے دیکھتا ہوں کہ اون کو دیکھنے سے تیری عبادت کی طاقت آتی ہے، جب اون کی نظر کا یہ اثر ہے تو اون سے ملاقات اور گفتگو کا کیا اثر ہوگا،[۴]

وفات، | سنہ ۱۳۶ میں انتقال کیا،

۲۶- سالم بن عبداللہ

نام ونسب، | سالم نام، ابو عمر کنیت، حضرت عمرؓ کے نامور فرزند حضرت عبداللہؓ کے خلف الصدق تھے، دادھیال کی طرح ان کا ننھیال بھی روشن وتاباں تھا حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں یزدگرد شاہنشاہ ایران کی جو لڑکیاں گرفتار ہوئی تھیں، ان میں سے ایک عبداللہؓ کو دی گئی تھی، سالم اسی کے بطن سے تھے، اس طرح ان کی رگوں میں ایران کے شاہی خاندان کا خون

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۶، [۲] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۳، [۳] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۰۰، [۴] ایضاً،

بھی شامل تھا،[۱]

فضل وکمال | سالم کے والد حضرت عبداللہؓ ان صحابہ میں تھے جو علم وعمل کا پیکر اور زہد وورع کی تصویر تھے، ان کی تعلیم وتربیت نے انھیں بھی اپنا ثنیٰ بنادیا تھا، ارباب سیر کا متفقہ بیان ہے کہ عمرؓ کی تمام اولادوں میں سب سے زیادہ ان سے مشابہ عبداللہ تھے، اور عبداللہ کی اولادوں میں اون کے مشابہ سالم تھے،[۲] اس طرح سالم گویا عمر فاروقؓ کا نقش ثانی تھے،

ان کا شمار مدینہ کے ان تابعین میں تھا، جو اقلیم علم وعمل دونوں کے فرماں روا تھے، علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ سالم فقیہ، حجت اور ان مخصوص علماء میں تھے، جن کی ذات علم وعمل دونوں کی جامع تھی،[۳] امام نووی لکھتے ہیں، کہ سالم کی امامت، جلالت، زہد وورع اور علوے مرتبت پر سب کا اتفاق ہے،[۴]

تفسیر | تفسیر، حدیث، فقہ جملہ فنون میں انکو یکساں درک تھا، لیکن شدت احتیاط کی وجہ سے قرآن کی تفسیر نہ بیان کرتے تھے،[۵] اسی لئے مفسر کی حیثیت سے اونھوں نے کوئی خاص شہرت نہیں حاصل کی،

حدیث | حضرت عبداللہ بن عمرؓ حدیث کے رکن اعظم تھے، سالم نے زیادہ تر انہی کے خرمن سے خوشہ چینی کی تھی، ان کے علاوہ اکابر صحابہ میں ابوہریرہؓ، ابوایوبؓ انصاری، اور عائشہؓ صدیقہ وغیرہ سے بھی استفادہ کیا تھا،[۶] ان بزرگوں کے فیض سے ان کا دامن علم نہایت وسیع ہوگیا تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ سالم ثقہ، کثیر الحدیث اور عالی مرتبہ لوگوں میں تھے،[۷]

تلامذہ | حدیث میں عمرو بن دینار، امام زہری، موسیٰ بن عقبہ، حمید الطویل، صالح بن کیسان

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۳۸، [۲] ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۵، [۳] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۷، [۴] تہذیب الاسما ج اول ق اول ص ۲۰۷، [۵] ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۷، [۶] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۳۶، [۷] ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۶،

عبید اللہ بن عمرو بن حفص، ابو واقد لیثی، عاصم بن عبداللہ، عبد اللہ بن ابی بکر، اور ابو قلابہ جرمی جیسے اکابر محدثین ان کے تلامذہ میں تھے[1]

فقہ، سالم کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا، اس میں وہ امامت کا درجہ رکھتے تھے، بعض ائمہ جن میں ایک ابن مبارک بھی ہیں ان کو مدینہ کے مشہور سات فقہا میں شمار کرتے تھے[2]، گو ساتویں فقیہ کی تعیین میں اختلاف ہے، مختلف اشخاص نے اپنی اپنی نظر و بصیرت کے مطابق مختلف نام لئے ہیں، لیکن بہر حال اس زمرہ میں سالم کا نام بھی لیا جاتا ہے، ان کے فقہی کمالات کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ مدینہ کی صاحب افتا جماعت کے وہ ممتاز ممبر تھے[3]

زہد و تقوی، سالم علم کے ساتھ عمل کے بھی اسی درجہ پر تھے، امام مالک فرماتے تھے کہ سالم کے زمانہ میں ان سے زیادہ زہد و ورع میں سلف صالحین سے مشابہ کوئی نہ تھا[4]، امام نووی اور حافظ ذہبی وغیرہ جملہ ارباب سیر ان کے زہد و ورع پر متفق البیان ہیں،

صحت عقیدہ، عقائد میں وہ سلف صالحین کے سادہ اور بے آمیز عقیدہ کے پابند تھے، اور بعد میں جو نکتہ آفرینیاں ہوئیں انھیں سخت ناپسند کرتے تھے، چنانچہ قدریوں پر جو قدر کی بنا پر خیر و شر کا عقیدہ رکھتے ہیں لعنت بھیجتے تھے[5]

شدت احتیاط، وہ ہر چیز میں انتہائی احتیاط برتتے تھے جس بات میں جھوٹ کا خفیف سا شائبہ بھی نکلتا اسے پسند نہ کرتے تھے، اس زمانہ میں ایک کپڑا "ست گزا" مشہور تھا جو سات گز سے کچھ کم ہوتا تھا، لیکن عرف عام میں وہ "ست گزا" ہی کہلاتا تھا، مروان بن جبیر بزاز کا بیان ہے، کہ ایک مرتبہ سالم کپڑا خریدنے کے لئے آئے، میں نے ان کے سامنے "ست گزا" پھیلا دیا وہ سات گز سے کچھ کم تھا فرمایا تم نے تو سات گز کہا تھا۔ میں نے کہا ہم لوگ اسی کو "ست گزا" کہتے ہیں،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۳۶، [2] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۰۸، [3] اعلام الموقعین ج اول ص ۲۵،
[4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۹، [5] ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۵،

فرمایا جھوٹ ایسا ہی ہوتا ہے[1]،

خون مسلم کی حرمت آپ کے نزدیک مسلمان کا خون اتنا محترم تھا کہ مجرم مسلمان پر بھی ہاتھ نہ اٹھاتے تھے، ایک مرتبہ حجاج نے آپ کو ایک ایسے شخص کے قتل کا حکم دیا، جو حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے معاونین میں تھا، آپ تلوار لے کر مجرم کی طرف بڑھے، اور پاس جاکر اس سے پوچھا تم مسلمان ہو اس نے کہا ہاں مسلمان ہوں لیکن آپ کو جو حکم دیا گیا ہے، اسے پورا کیجئے، آپ نے پوچھا تم نے آج صبح کی نماز پڑھی ہے اس نے کہا ہاں پڑھی ہے، یہ سن کر سالم لوٹ گئے اور حجاج کے سامنے تلوار پھینک کر کہا یہ شخص مسلمان ہے، آج صبح تک اس نے نماز پڑھی ہے، اور رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے صبح کی نماز پڑھ لی وہ خدا کے حفظ وامان میں آگیا، حجاج نے کہا ہم اس کو صبح کی نماز کے لئے تھوڑے ہی قتل کرتے ہیں، بلکہ اس لئے قتل کرتے ہیں کہ وہ قاتلین عثمانؓ کے معاونوں میں ہے، فرمایا اس کے لئے اور لوگ موجود ہیں جو عثمانؓ کے خون کا انتقام لینے کے ہم سے زیادہ حقدار ہیں، سالم کے والد حضرت عبد اللہؓ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو انھوں نے فرمایا سالم نے سمجھ داری کا کام کیا[2]،

امراء کی دولت سے بے نیازی آپ غیر خدا کے سامنے کسی حاجت کو پیش کرنا پسند نہ کرتے، اسی لئے امراء کی دولت اور ان کی داد ودہش سے اتنے بے نیاز تھے، کہ ان کی درخواست پر بھی کبھی خواہش کا اظہار نہ کرتے تھے، ہشام بن عبد الملک آپ کو بہت مانتا تھا، اور اتنا احترام کرتا تھا کہ آپ نہایت معمولی اور موٹے جھوٹے لباس میں بے محابا اس کے دربار میں چلے جاتے تھے اور وہ اسی لباس میں آپ کو تخت شاہی پر ساتھ بٹھاتا تھا[3]، ایک مرتبہ وہ حج کے لئے آیا، خانہ کعبہ میں دونوں سے ملاقات ہوئی، ہشام نے آپ سے درخواست کی کہ آپ کی جو ضروریات ہوں انھیں بیان کیجئے، آپ نے فرمایا خدا کے گھر میں کسی غیر سے نہ مانگونگا[4]،

---

[1] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۴۱، [2] ایضاً صفحہ ۱۴۵، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۷۱، [4] ابن خلکان ج اول صفحہ ۱۹۰،

پند و موعظت، آپ کی پند و موعظت نہایت موثر اور دلپذیر ہوتی تھی، ایک مرتبہ عمر بن عبد العزیز نے آپ کو لکھا کہ عمر بن الخطابؓ کے کچھ مسائل لکھ بھیجئے، آپ نے جواب میں لکھا، عمر! ان بادشاہوں کو یاد کرو جن کی وہ آنکھیں بے نور ہو گئیں جو لذت نظر سے کبھی سیر نہ ہوتی تھیں، وہ پیٹ پھٹ گئے، جو الوان نعمت سے کبھی آسودہ نہ ہوتے تھے، آج وہ زمین کے ٹیلوں کے نیچے مردار پڑے ہیں، اگر وہ ہماری آبادی سے قریب ہوتے تو ان کی عفونت سے ناک نہ دیجاتی[۱]،

باپ کی محبت، حضرت عبد اللہؓ اپنے والد بزرگوار حضرت عمرؓ کی طرح بال بچوں سے بہت کم دلچسپی رکھتے، لیکن سالم کے ساتھ ان کے محاسن اور کمالات کی وجہ سے والہانہ شیفتگی تھی، چنانچہ سالم جب خاصے سن رسیدہ ہو گئے تھے، اس وقت بھی عبد اللہ انھیں چومتے تھے اور فرماتے تھے، تم لوگ تعجب نہیں کرتے کہ ایک بوڑھا ایک سن رسیدہ کو بوسہ دیتا ہے، ان کی اس غیر معتدل محبت پر لوگ ان پر نکتہ چینی کرتے تو جواب دیتے[۲]،

يلومونني في سالم والومهم　　　وجلدة بين العين والانف سالم

"وہ لوگ مجھے سالم کے معاملہ میں ملامت کرتے ہیں اور میں اونکو ملامت کرتا ہوں سالم آنکھ اور ناک کے درمیانی چمڑے کی طرح عزیز ہیں"

وفات، ذی الحجہ ۱۰۶ھ میں مدینہ میں وفات پائی، ہشام بن عبد الملک نے جو حج سے فراغت کے بعد مدینہ آیا ہوا تھا، نماز جنازہ پڑھائی، جنازہ میں خلقت کا اتنا ہجوم تھا کہ بقیع کے میدان میں نماز پڑھائی گئی[۳]،

حلیہ و لباس وغیرہ، سالم کی زندگی نہایت سادہ تھی، اس میں کہیں سے تکلف و تصنع کا رنگ نہ تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں، کہ اون کی زندگی نہایت خشک اور سادہ تھی، صوف کا لباس پہنتے تھے، پورے لباس کی قیمت دو درہم سے زیادہ نہ ہوتی تھی، غذا میں صرف روٹی اور روغن زیتون ہوتا تھا[۵]، (فاروق اعظمؓ

---

[۱] ابن خلکان ج اول ص ۱۹۸، [۲] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۰۸ و ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۵ [۳] ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۸،
[۵] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۶

کی زندگی بھی یہی تھی)، گوشت بہت کم کھاتے تھے، اور لوگوں کو منع کرتے تھے کہ گوشت کم کھایا کرو اسمیں شراب کی جیسی تیزی ہوتی ہے[۱]،

لیکن اس غذا کے باوجود جسم نہایت تروشاداب تھا، ایک مرتبہ ہشام نے حج کے موقعہ پر جبکہ لباس میں صرف احرام ہوتا ہے، ان کے جسم کی تازگی دیکھ کر پوچھا ابوعمیر کیا کھاتے ہو، اونھوں نے کہا روٹی اور روغن زیتون، اس نے کہا یہ غذا کیسے کھائی جاتی ہے، فرمایا اسے ڈھک کر رکھ دیتا ہوں جب بھوک معلوم ہوتی ہے، اس وقت کھالیتا ہوں[۲]،

اولاد، اپنے بعد کئی اولادیں یادگار چھوڑیں، عمر، ابوبکر، عبداللہ، عاصم، جعفر، عبدالعزیز، فاطمہ اور حفصہ؛

۲۷-سعید بن جبیر

نام ونسب، سعید نام، ابوعبداللہ کنیت، بنی والبہ بن حارث اسدی کے غلام تھے، اس نسبت سے وہ والبی کہلاتے ہیں، ان کا شمار ان تابعین میں ہے، جو علم وعمل کے مجمع البحرین تھے،

فضل وکمال، سعید کا آغاز اگرچہ غلامی سے ہوا، لیکن آگے چل کر وہ اقلیم علم کے تاجدار بنے، حافظ ذہبی انھیں علمائے اعلام میں لکھتے ہیں[۳]، امام نووی کا بیان ہے کہ سعید تابعین کے ائمۂ کبار میں تھے تفسیر، حدیث، فقہ، عبادت، اور زہد وورع جملہ کمالات میں وہ کبار ائمہ اور سرگروہ تابعین میں تھے[۴]

تعلیم، سعید نے گو اس زمانہ میں ہوش سنبھالا جب اکابر صحابہ کی بڑی تعداد اٹھ چکی تھی، پھر بھی باقیات صالحات میں عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، ابوسعید خدریؓ، ابوہریرہؓ، عائشہ صدیقہؓ اور انس بن مالکؓ وغیرہ علمائے صحابہ موجود تھے، سعید بن جبیر ان کے فیضان علم سے پورے

---

[۱] ابن خلکان ج اول ص۱۹۱، [۲] ابن سعد ج ۵ ص۱۲۵، [۳] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۶۵، [۴] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص۲۱۶،

طور سے مستفید ہوئے[1]، حبر الامۃ عبد اللہ بن عباسؓ کے خرمنِ کمال سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ خوشہ چینی کی تھی[2]،

عبد اللہ بن عباسؓ کا حلقۂ درس اتنا وسیع اور جامع تھا کہ اس میں قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، فرائض، ادب وانشا اور شعر وشاعری جملہ علوم وفنون کا دریا بہتا تھا[3]، سعید بن جبیر اس بحر بے کراں سے زیادہ سیراب ہوئے، وہ نہایت پابندی سے اس حلقہ میں حاضر ہوتے تھے ان کے تعلیم حاصل کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ باہر کے سائلین جو سوالات کرتے تھے اور جو مسائل پوچھتے تھے، اور ابن عباسؓ ان کے جو جوابات دیتے تھے، سعید خاموشی کے ساتھ اون کو سنا کرتے تھے، اور کبھی کبھی خود بھی کچھ پوچھ لیتے تھے، ان سوالات میں حدیثیں بھی ہوتی تھیں، اور فقہ کے مسائل بھی ہوتے تھے لیکن انھیں قلمبند کرنے کے بارہ میں ابن عباسؓ کی ممانعت تھی اس لئے کچھ دنوں تک ابن جبیر بغیر لکھے ہوئے زبانی یاد کر لیا کرتے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پھر لکھنے کی اجازت مل گئی تھی، چنانچہ اونھوں نے لکھنا شروع کر دیا تھا، بعض بعض دن اس کثرت سے مسائل پیش ہوتے تھے کہ لکھتے لکھتے ابن جبیر کی بیاض پر ہو جاتی تھی، اور انھیں کپڑوں اور ہتھیلیوں پر لکھنے کی نوبت آجاتی تھی، کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا کہ کوئی سائل نہ آتا اس دن ایک حدیث بھی لکھنے کی نوبت نہ آتی تھی، اور یون ہی لوٹ آتے تھے[4]،

عبد اللہ بن عباسؓ کے بعد انھوں نے ابن عمرؓ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا تھا، ان سے استفادہ کا سلسلہ ابن جبیر کے قیام کوفہ تک جب کہ وہ خود صاحب افتا ہو گئے تھے، قائم رہا چنانچہ ان کا خود بیان ہے کہ جب کسی مسئلہ میں علمائے کوفہ میں اختلاف ہوتا تھا، تو میں اسے لکھ لیتا تھا اور ابن عمر سے پوچھتا تھا[5]،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۱، [2] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۴، [3] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۳۸، [4] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۹، [5] ایضاً ص ۱۸۱

ان بزرگوں کے فیض نے انھیں قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ اور فرائض وغیرہ جملہ مذہبی علوم کا دریا بنا دیا تھا[1]،

قرات، قرآن کے نہایت اچھے قاری تھے، قرأت ترجیع کے ساتھ کرتے تھے، لیکن گا کر قرآن پڑھنا سخت ناپسند کرتے تھے[2]، تمام مشہور قراتوں کے عالم تھے، اسمٰعیل بن عبد الملک کا بیان ہے کہ سعید بن جبیر رمضان میں ہماری امامت کرتے تھے، معمول تھا کہ ایک شب کو عبد اللہ بن مسعودؓ کی قرأت کے مطابق قرآن سناتے تھے، ایک شب کو زید بن ثابتؓ کی قرأت کے مطابق اسی طریقہ سے وہ ہر شب کو باری باری سے تمام مشہور قاریوں کی قرأت سناتے تھے[3]،

تفسیر، قرات اور تفسیر دونوں فنون کی تعلیم انھوں نے اس فن کے امام حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے حاصل کی تھی[4]، آیاتِ قرآنی کی شانِ نزول اور ان کی تفسیر و تاویل پر پوری نظر تھی، جب اون کے سامنے قرآن کی کوئی آیۃ پڑھی جاتی تھی تو وہ اس کے مالہ و ماعلیہ بتا دیتے تھے، ابو یونس قزی کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ سعید بن جبیر کے سامنے یہ آیت

الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان — مگر ناتوان مردوں عورتوں اور لڑکوں میں سے،

پڑھی تو انھوں نے کہا، اس میں جن کا تذکرہ ہے، وہ مکہ کے کچھ مظلومین تھے، میں نے کہا میں ایسے ہی لوگوں (یعنی حجاج کے ستم رسیدہ) کے پاس سے آرہا ہوں، سعید نے کہا بھتیجے ہم لوگوں نے اسکے خلاف بڑی کوشش کی لیکن کیا کیا جائے خدا کی مرضی یہی ہے[5]،

اعمش روایت کرتے ہیں کہ سعید بن جبیر انا ارضی واسعۃ کی تفسیر میں بیان کرتے تھے کہ اس سے

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ق اول صہ ۲۱۶، [2] ابن سعد ج ۶ صہ ۱۸۱، [3] ابن خلکان ج اول صہ ۲۰۵،
[4] ایضاً صہ ۲۰۴، [5] ابن سعد ج ۶ صہ ۱۸۳،

سے مراد یہ ہے کہ جب اس میں گناہ کیا جائے تو اس سے نکل جاؤ[۱]

تفسیر کا درس | ابن جبیر تفسیر کا درس بھی دیتے تھے، رقاربن ایاس بیان کرتے ہیں کہ عزرہ تفسیر کی کتاب (غالباً کاپی اور بیاض) اور دوات لے کر ابن جبیر کے پاس آتے جاتے تھے[۲] لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تفسیر کا قلمبند کرنا ناپسند کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنے لئے آپ سے تفسیر قلمبند کرنے کی درخواست کی، آپ نے فرمایا تفسیر قلمبند کرنے کے مقابلہ میں مجھے یہ پسند ہے کہ میرا ایک پہلو مفلوج ہو جائے[۳]،

حدیث | حدیث کے اکابر حفاظ میں تھے، صحابہ میں اونھوں نے ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، انس بن مالکؓ، ابو سعید خدریؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، ابو ہریرہؓ، ابو مسعود بدریؓ، عائشہ صدیقہؓ اور عدی بن حاتمؓ وغیرہ سے سماعِ حدیث کیا تھا[۴] حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے حلقۂ درس سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ مستفید ہوئے تھے، اوپر کے تعلیمی حالات سے حدیث میں اون کی وسعتِ معلومات کا اندازہ ہو گیا ہو گا، ان کی استعداد کی وجہ سے عبد اللہ بن عباسؓ ان پر زیادہ شفقت کرتے تھے، اور اون کی تعلیم میں خصوصیت برتتے تھے، ان کی خامیوں کو دور کرنے کے لئے کبھی کبھی وہ امتحاناً ان سے حدیثیں سنتے تھے، مجاہد کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن عباسؓ نے ابن جبیر سے کہا کہ حدیثیں سناؤ، اونھوں نے عرض کیا آپ کی موجودگی میں حدیث سناؤں، ابن عباسؓ نے کہا کہ یہ بھی خدا کی نعمت ہے، کہ تم میرے سامنے حدیث بیان کرو، اگر صحیح بیان کروگے، تو فبہا اور اگر کہیں غلطی ہو گی تو میں اس کی تصحیح کر دوں گا[۵]،

بنی وداعہ کے موذن کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ ابن عباسؓ کے پاس گیا، وہ حریرہ کے

۱؎ ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۳، ۲؎ ایضاً ص ۱۹۶، ۳؎ ابن خلکان ج اول ص ۲۰۵، ۴؎ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۱،
۵؎ ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۹،

گدے پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے، اور سعید اون کے پیروں کے پاس بیٹھے تھے ابن عباسؓ اُن سے کہہ رہے تھے، کہ تم نے مجھ سے بہت سی حدیثیں حفظ کی ہیں دیکھوں ان کو کیسے روایت کرتے ہو[1]
ان کی اس توجہ نے ابن جبیر کو حفاظ حدیث کا امام اور سرگروہ بنا دیا تھا انکی مرویات کا بڑا حصہ ابن عباسؓ کی احادیث پر مشتمل ہے، اس سے حدیث میں ان کے درجہ کا اندازہ ہو جاتا ہے،

فقہ، فقہا کی جماعت میں بھی انھیں امتیازی درجہ حاصل تھا،[2] اس فن کی تعلیم بھی اونھوں نے ابن عباسؓ ہی سے حاصل کی، اور اس میں بھی اونھوں نے ایسا کمال حاصل کر لیا تھا کہ مرکز فقہ کوفہ کے صاحب افتا تابعین میں ہو گئے تھے،[3] کوفہ کے عہدۂ قضا پر بھی کچھ دنوں تک ممتاز رہے، پھر ابو بردہ بن موسیٰ اشعری قاضی کوفہ کے مشیر ہو گئے تھے،[4] مرکز علم و افتا مکہ میں جب آنا ہوتا تھا، تو یہاں بھی افتا کا سلسلہ جاری رہتا تھا،[5] حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو ان کے فتوون پر اتنا اعتماد تھا کہ اگر کوفہ کا کوئی آدمی آپ سے فتوی پوچھنے کے لئے آتا، تو آپ اس سے فرماتے کیا سعید بن جبیر تمھارے یہاں نہیں ہیں،[6] مسائل طلاق کے خصوصیت کے ساتھ بڑے عالم تھے، کان اعلم التابعین بالطلاق سعید بن جبیر،[7]

فرائض، ریاضی کے بڑے ماہر تھے، اس لئے فرائض میں خاص ملکہ تھا، اکابر صحابہ فرائض کے سائلین کو ان کے پاس بھیجتے تھے، ایک مرتبہ ابن عمرؓ کے پاس فرائض کا ایک سائل آیا، آپ نے اس سے کہا ابن جبیر کے پاس جاؤ وہ مجھ سے زیادہ حساب جانتے ہیں، وہ تم کو وہی بتائیں گے جو فرض مقرر ہے[8] جب انھیں مدینہ جانے کا اتفاق ہوتا تھا تو علمائے مدینہ ان سے فرائض سیکھتے تھے، امام زین العابدین

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۹، [2] تہذیب الاسما ج اول ق اول ص ۲۱۶، [3] ایضاً، [4] اعلام الموقعین ج اول ص ۲۵، [5] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۴، [6] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۴، [7] تہذیب الاسما ج ا ق اول ص ۲۱۶، [8] شذرات الذہب ج اول ص ۱۱۰، [9] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۰،

کا بیان ہے کہ سعید بن جبیر جب ہمارے یہاں سے گذرتے تھے، تو ہم لوگ اون سے فرائض اور ان باتوں کو پوچھتے تھے جن سے خدا ہمکو فائدہ پہنچاتا تھا،[۱]

جامعیت

غرض سعید بن جبیر کی ذات جملہ علوم و فنون کی جامع تھی، جو کمالات اور علماء میں فرداً فرداً تھے، وہ سب ان کی ذات میں تنہا مجتمع تھے خصیف کا بیان ہے کہ مسائل طلاق کے سب سے بڑے عالم سعید بن مسیب تھے، حج کے عطار تھے، حلال و حرام کے طاؤس تھے، اور تفسیر کے مجاہد تھے، اور ان سب کی جامع سعید بن جبیر کی ذات تھی،[۲]

وہ علم کا ایسا سرچشمہ تھے، جس کی اس عہد کے تمام علماء کو احتیاج تھی، میمون بن مہران کا بیان ہے کہ سعید نے ایسے وقت میں انتقال کیا، کہ روے زمین پر کوئی ایسا شخص نہ تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ رہا ہو،[۳]

اشاعت علم

علم و فن کا یہ ذخیرہ انھوں نے اپنی ذات تک محدود نہ رکھا، بلکہ جہاں تک ہو سکا اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچایا، آپ کے بعض کوتاہ نظر اصحاب آپ کو حدیث بیان کرنے پر ملامت کرتے تھے، آپ انھیں جواب دیتے مجھے تم سے اور تمھارے ساتھیوں سے حدیث بیان کرنا زیادہ پسند ہے، بہ نسبت اس کے کہ میں اسے اپنی قبر میں ساتھ لیجاؤں،[۴]

تلامذہ

آپ کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا، بعضوں کے نام یہ ہیں، آپ کے صاحبزادگان عبد الملک اور عبد اللہ، یعلی بن حکیم، یعلی بن مسلم، ابو اسحٰق سبیعی، ابو الزبیر مکی، آدم بن سلیمان، اشعث بن ابی الشعثاء، ذر بن عبد اللہ مرہبی، سالم الافطس، سلمہ بن کہیل، طلحہ بن مصرف، اور عطاء بن سائب وغیرہ،[۵]

ناقدروں سے بخل

لیکن یہ علمی فیاضی انہی لوگوں کے لئے تھی، جو اس کے مرتبہ شناس اور قدردان ہوتے تھے، ورنہ نااہلوں سے وہ اسے چھپاتے تھے، محمد بن حبیب کا بیان ہے کہ سعید بن جبیر کے اصفہان

---

[۱] ابن سعد ج ۶ صفحہ ۱۸۱، [۲] ابن خلکان ج اول صفحہ ۲۰۵، [۳] ابن سعد ج ۶ صفحہ ۱۸۶، [۴] ایضاً صفحہ ۱۸۱،

[۵] تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۱۲،

کے قیام کے زمانہ میں جب لوگ ان سے حدیثیں پوچھتے تو وہ نہ بتاتے لیکن جب کوفہ آئے تو فیض جاری کر دیا، لوگوں نے پوچھا ابو محمد کیا بات ہے، اصفہان میں تو آپ حدیثیں نہیں بیان کرتے تھے اور کوفہ میں بیان کرتے ہیں، جواب دیا اپنی متاع وہاں پیش کرو جہاں اس کے قدر شناس ہوں[۱]،

مذہبی کمالات، | مذہبی کمالات کے اعتبار سے بھی تابعین میں ابن جبیر کا درجہ نہایت ارفع تھا، وہ عبادت و ریاضت اور زہد و ورع کا مجسم پیکر تھے،

سوز قلب و خشیت الٰہی | گداز قلب اور خشیت الٰہی تمام مذہبی اور اخلاقی محاسن کا سرچشمہ ہے، ابن جبیر کا دل اتنا پر سوز تھا، اور ان پر خشیت الٰہی کا اتنا غلبہ تھا کہ ہر وقت ان کی آنکھیں اشکبار رہتی تھیں، پردۂ شب کی تاریکی میں جو اُن کی عبادت اور راز و نیاز کا خاص وقت تھا، زار زار روتے تھے، روتے روتے ان کی آنکھوں کی بینائی کم ہو گئی تھی، اور ان سے پانی بہنے لگا تھا[۲]،

نماز میں تاثر اور خشوع، | ان کی نماز تاثر اور خشوع و خضوع کی تصویر ہوتی تھی کبھی کبھی ایک ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے، پر موعظت آیات کو بار بار دہراتے تھے، سعید بن عبید کا بیان ہے کہ میں نے سعید بن جبیر کو امامت کی حالت میں اس آیت

اذالاغلال فی اعناقھم والسلاسل	جبکہ طوق اُنکی گردنوں میں ہونگے اور زنجیریں اور
یسحبون فی الحمیم (مومن - ۸)	وہ کھولتا ہوا پانی پینے کیلئے گھسیٹے جاتے ہوں گے،

کو بار بار دہراتے سنا ہے[۳]، قسم بن ایوب بیان کرتے ہیں کہ میں نے اون کو یہ آیت

واتقوا یوماً ترجعون فیہ	اس دن سے ڈرو جس دن خدا کی طرف
الی اللہ۔ (بقرہ - ۳۸)	لوٹائے جاؤ گے،

---

[۱] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۴ [۲] مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۵۰ و تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۶،
[۳] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۱،

بیس مرتبہ سے زیادہ دہراتے سنا ہے[1]،

ذکر و شغل صبح صادق سے لیکر نماز فجر تک ذکر و شغل میں مصروف رہتے تھے، اس وقت خدا کے ذکر کے علاوہ کسی سے نہ بولتے تھے[2]،

رمضان میں عبادت رمضان میں ان کی عبادت بہت بڑھ جاتی تھی، مغرب سے عشا تک کا وقت جو عموماً روزہ داروں کے آرام و سکون کا وقت ہوتا ہے، تلاوتِ قرآن میں گذرتا تھا[3]، رمضان کے زمانہ میں کبھی کبھی ایک نشست میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے[4]، اپنے قبیلہ کی مسجد میں اعتکاف کرتے تھے[5]،

حج حجوں کی صحیح تعداد نہیں بتائی جاسکتی، لیکن مختلف روایات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اکثر حج کرتے تھے، اور وفور شوق میں کوفہ ہی سے احرام باندھ کر نکلتے تھے[6]، مکہ کے قیام کے زمانہ میں طواف کبھی ناغہ نہ ہوتا تھا، گرفتاری کے زمانہ میں جس کے حالات بعد میں آئیں گے پا بجولاں طواف کرتے تھے[7]،

تلاوتِ قرآن تلاوتِ قرآن سے خاص شغف تھا، عموماً دو راتوں میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے، سفر اور بیماری کی حالت میں صرف اس معمول میں فرق آتا تھا[8]،

تحقیر نفس اپنے نفس کو اس قدر حقیر سمجھتے تھے کہ گنہگاروں کو ان کے گناہوں پر ٹوکتے ہوئے، شرماتے تھے، فرماتے تھے کہ میں ایک شخص کو گناہ میں مبتلا دیکھتا ہوں، لیکن خود اپنا نفس اپنی نگاہ میں اتنا حقیر ہے کہ دوسرے کو ٹوکتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے[9]،

غیبت سے احتراز غیبت کرنا، اور غیبت سننا دونوں باتیں سخت ناپسند تھیں، مسلم البطین کا بیان ہے کہ سعید اپنے سامنے کسی کو کسی کی غیبت نہ کرنے دیتے تھے، غیبت کرنے والے سے فرماتے کہ جو کچھ تم کو کہنا ہے اس شخص کے منہ پر کہو[10]،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۶۶ [2] مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۵۱، [3] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۱، [4] ابن خلکان ج ۱ ص ۲۰۵، [5] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۲، [6] ایضاً ص ۱۸۳، [7] ایضاً ص ۱۸۴، [8] ایضاً ص ۱۸۱، [9] مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۵۱، [10] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۲،

عبادت کے معنی | عبادت آپ کے نزدیک محض روزہ نماز اور تسبیح وتہلیل کا نام نہ تھا، بلکہ اس کے ایک خاص معنی اور اس کا ایک جامع مفہوم تھا، آپ کے نزدیک اطاعت سب سے اہم عبادت تھی، فرماتے تھے کہ جو شخص خدا کی طاعت کرتا ہے، وہ ذاکر ہے، اور جو نافرمانی کرتا ہے وہ ذاکر نہیں ہے خواہ وہ کتنی ہی تسبیح اور تلاوت قرآن کیوں نہ کرے، آپ سے کسی نے سوال کیا سب سے بڑا عبادتگذار کون ہے، فرمایا جو شخص گناہوں میں مبتلا ہو کر پھر اس سے تائب ہو گیا، اور جب اس نے اپنے گناہوں کو یاد کیا تو اس کے مقابلہ میں اپنے اعمال کو بے حقیقت سمجھا[1]،

علمائے سوء کا خطرہ | امت مسلمہ کے لئے سب سے بڑا خطرہ علمائے سوء کو سمجھتے تھے، ہلال بن خباب نے ایک مرتبہ آپ سے پوچھا، لوگوں کی ہلاکت کہاں سے ہوگی، فرمایا ان کے علماء کے ہاتھوں[2]؛

سیر و سیاحت | سعید بن جبیر ایک زمانہ تک مدینہ میں رہے، پھر یہاں سے نکل کر عجم چلے گئے، کچھ دنوں عراق کے مختلف شہروں میں پھرتے رہے، پھر کوفہ میں سکونت اختیار کر لی[3]، کوفہ کے زمانہ قیام میں کچھ دنوں عبداللہ بن عتبہ بن مسعود قاضی کوفہ کے کاتب اور کچھ دنوں ابو بردہ بن ابوموسیٰ اشعری کے کاتب رہے[4]،

حجاج پر اثر، | حجاج انھیں بہت مانتا تھا، اور ان کی بڑی عزت کرتا تھا، چنانچہ انھیں جامع کوفہ کا امام مقرر کیا تھا، اور کوفہ کے عہدۂ قضا پر بھی ممتاز کر دیا تھا، لیکن پھر اہل کوفہ کے اس احتجاج پر کہ قاضی کسی عربی النسل کو ہونا چاہئے، حجاج نے ابن جبیر کو علٰحدہ کر کے ابو بردہ بن ابوموسیٰ اشعری کو ان کی جگہ مقرر کیا، لیکن ان کو ہدایت کر دی کہ وہ بغیر ابن جبیر کے مشورہ کے کوئی کام نہ کیا کریں گے[5]،

حجاج کی مخالفت، | لیکن ابن جبیر حجاج کی ان عزت افزائیوں سے مطلق متاثر نہ تھے، اور برابر دل میں اس کے مظالم کو برا سمجھتے رہے، چنانچہ جب ابن اشعث نے اس کے خلاف علم مخالفت بلند کیا

[1] مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۵۱، [2] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۳، [3] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۵، [4] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۳، [5] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۵،

تو ابن جبیر اوس کے ساتھ ہو گئے،

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عبد الملک کے زمانہ میں سیستان کے فرماں روا رتبیل کی روش باغیانہ ہو چلی تھی اور وہ کبھی کبھی خراج روک لیتا تھا، اس لئے حجاج نے عبید اللہ بن ابی بکرہ کو اسکی تنبیہ پر مامور کیا، انھوں نے ۷۹ھ میں سیستان پر فوج کشی کی اور بہت دور تک پامال کرتے ہوئے چلے گئے، لیکن غلطی سے پیچھے کی حفاظت کا کوئی سامان نہ کیا، اس لئے رتبیل نے ہر طرف سے گھیر کر نہایت سخت شکست دی، اور مسلمانوں کو بڑا مالی اور جانی نقصان اٹھاکر ناکام واپس آنا پڑا، حجاج کو اس شکست کا سخت غم ہوا اوس نے دوبارہ محمد بن عبد الرحمن بن اشعث کو چالیس ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا، اور سعید بن جبیر کو فوج کی تنخواہ تقسیم کرنے کی خدمت سپرد کی، ابن اشعث نے رتبیل کے حدود حکومت میں پہنچکر بہت سے علاقوں کو فتح کر لیا، اور مزید پیش قدمی ایک سال کے لئے روک کر حجاج کو اس کی اطلاع دیدی، حجاج رتبیل سے بہت برافروختہ تھا، اس لئے اس نے لکھا کہ یہ آرام کا موقع نہیں ہے، اس لئے میرا حکم پہنچتے ہی فوراً پیشقدمی شروع کر دو، اور اگر تم سے یہ کام نہیں ہو سکتا تو فوج کی کمان اپنے بھتیجے اسحاق کے سپرد کر دو، ابن اشعث نے مصلحۃً پیش قدمی روکی تھی، اس لئے وہ اس حکم پر بگڑ گیا، اور رتبیل سے مصالحت کر کے حجاج کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا، فوج تمام تر عراقی تھی جو حجاج کے مظالم سے پہلے سے برہم تھی اس لئے اس نے ابن اشعث کا پورا ساتھ دیا، اور رفتہ رفتہ حجاج کی مخالفت نے عبد الملک کی مخالفت کی شکل اختیار کر لی، ابن جبیر نے بھی ابن اشعث کا ساتھ دیا، اور ابن اشعث سیستان سے عراق پہنچا، حجاج بھی مقابلہ کے لئے نکلا، دونوں میں مہینوں جنگ جاری رہی، اور ابن اشعث نے عراق کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا، اس مخالفت میں کوفہ کے بہت سے علماء اور قراء بھی ابن اشعث کے ساتھ ہو گئے تھے، ابن جبیر

لے یہ واقعات ابن اثیر ج ۵ سے ملخصاً ماخوذ ہیں،

اس جماعت کے سرگروہ تھے، اور میدانِ جنگ میں لوگوں کو حجاج اور بنی امیہ کے خلاف یہ کہکر ابھارتے تھے کہ "انکی ظالمانہ حکومت ان کی بے دینی، خدا کے بندوں پر اون کے مظالم، نمازوں میں تاخیر اور مسلمانوں کی تذلیل وتحقیر پر اون کا مقابلہ کرو[۱]"،

لیکن اس جوشِ مخالفت میں بھی حق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا، ایک غلام زبرقان اسدی کا آقا حجاج کے حامیوں میں تھا، غلام مذکور نے ابن جبیر سے پوچھا ایسی حالت میں کہ میرا آقا حجاج کے ساتھ ہے، اگر میں ابن اشعث کے ساتھ ہو جاؤں اور لڑکر جان دیدوں تو مجھ پر اس کا مواخذہ تو نہ ہوگا، ابن جبیر نے جواب دیا، تم مت لڑو، اگر تمھارا آقا یہاں موجود ہوتا تو تم کو لے کر حجاج کی طرف سے لڑتا[۲]،

شکست اور گرفتاری اگرچہ ابتدا میں ابن اشعث کی قوت نہایت مضبوط تھی، اور اس نے عراق کا بڑا حصہ فتح کر لیا تھا، لیکن اس مخالفت میں اوس نے حکومت کو بھی شامل کر لیا تھا، اس لئے زیادہ دنوں تک مقابلہ دشوار تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیر جماجم کے معرکہ میں اس کو نہایت فاش شکست ہوئی، اس کی قوت بالکل پاش پاش ہوگئی، اور وہ شکست کھا کر سیستان بھاگ گیا،

اس شکست کے بعد ابن جبیر مکہ چلے آئے، یہاں کے والی خالد بن عبداللہ قسری نے انھیں گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھجوا دیا، وہ ان سے خار کھائے ہوئے تھا، اس لئے انھیں دیکھتے ہی اسکی آنکھوں میں خون اتر آیا، اور دونوں میں حسب ذیل مکالمہ ہوا،

حجاج - تمھارا کیا نام ہے؟

ابن جبیر - سعید بن جبیر،

حجاج - نہیں، بلکہ اس کے برعکس شقی بن کسیر،

---

[۱] ابن سعد ج ۶ صہ ۱۸۵، [۲] ایضاً صہ ۱۸۲،

ابن جبیر	میری ماں تم سے زیادہ میرے نام سے واقف تھیں،
حجاج	تمھاری ماں بھی بدبخت تھی اور تم بھی بدبخت ہو،
ابن جبیر	غیب کا علم کسی دوسری ذات کو ہے،
حجاج	میں تمھاری دنیا کو دہکتی ہوئی آگ سے بدل دوں گا،
ابن جبیر	اگر مجھ کو یہ یقین ہوتا کہ یہ تمھارے اختیار میں ہے، تو میں تم کو معبود بنا لیتا،
حجاج	محمد (صلعم) کے بارہ میں تمھارا کیا خیال ہے؟
ابن جبیر	وہ امام ہدی اور نبی رحمت تھے،
حجاج	علیؓ اور عثمانؓ کے بارہ میں کیا رائے ہے، وہ جنت میں ہیں یا دوزخ میں؟
ابن جبیر	اگر میں وہاں گیا ہوتا، اور وہاں کے رہنے والوں کو دیکھے ہوتا تو بتا سکتا تھا (غیب کے سوال کا میں کیا جواب دے سکتا ہوں)
حجاج	خلفاء کے بارہ میں تمھاری کیا رائے ہے؟
ابن جبیر	میں ان کا وکیل نہیں ہوں،
حجاج	ان میں سے تم کس کو زیادہ پسند کرتے ہو؟
ابن جبیر	جو میرے خالق کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ تھا،
حجاج	خالق کے نزدیک کون سب سے زیادہ پسندیدہ تھا؟
ابن جبیر	اس کا علم اس ذات کو ہے جو بھیدوں اور ان کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے،
حجاج	عبدالملک کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟
ابن جبیر	تم ایسے شخص کے متعلق کیا پوچھتے ہو، جس کے گناہوں میں سے ایک گناہ تمھارا وجود ہے،

حجاج	تم ہنستے کیوں نہیں،؟
ابن جبیر	وہ کس طرح ہنس سکتا ہے، جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، اور مٹی کو آگ کھا جاتی ہے،
حجاج	پھر ہم لوگ تفریحی مشاغل سے کیوں ہنستے ہیں،؟
ابن جبیر	سب کے دل یکساں نہیں ہوتے،
حجاج	تم نے کبھی تفریح کا سامان دیکھا بھی ہے،

یہ پوچھ کر حجاج نے عُود اور بانسری بجانے کا حکم دیا، اس کا نغمہ سنکر ابن جبیر رو دیئے، حجاج نے کہا یہ رونے کا کیا موقع ہے، موسیقی تو ایک تفریحی چیز ہے، ابن جبیر نے جواب دیا نہیں وہ نالۂ غم ہے، بانسری کی پھونک نے مجھے وہ آنے والا بڑا دن یاد دلا دیا جس دن صور پھونکا جائے گا، اور عود ایک کاٹے ہوئے درخت کی لکڑی ہے، جو ممکن ہے ناحق کاٹی گئی ہو، اور اس کے تار ان بکریوں کے پٹھوں کے ہیں جو ان کے ساتھ قیامت کے دن اٹھائی جائیں گی، یہ سنکر حجاج بولا، سعید تمھاری حالت بھی افسوس کے قابل ہے. اونھوں نے جواب دیا وہ شخص افسوس کے قابل نہیں ہے، جو آگ سے نجات دیکر جنت میں داخل کیا گیا، اس گفتگو کے بعد پھر مکالمہ شروع ہو گیا،

حجاج	کیا میں نے تم کو کوفہ کا امام نہیں بنایا تھا؟
ابن جبیر	ہاں بنایا تھا،
حجاج	کیا میں نے تم کو عہدۂ قضا پر نہیں ممتاز کیا، اور جب کوفہ والوں نے تمھاری مخالفت کی کہ قاضی عربی النسل ہونا چاہیے، تو میں نے ابو بردہ کو قاضی بنایا اور اون کو ہدایت کردی کہ وہ بغیر تمھارے مشورہ کے کوئی کام نہ کریں،
ابن جبیر	یہ بھی صحیح ہے،
حجاج	کیا میں نے تم کو اپنا ندیم خاص نہیں بنایا حالانکہ وہ سب سردارانِ عرب تھے

ابن جبیر	ہاں یہ بھی درست ہے،
حجاج	کیا میں نے تم کو ایک لاکھ کی خطیر رقم حاجت مندوں میں تقسیم کرنے کے لئے نہیں دی، اور پھر اوس کا کوئی حساب کتاب نہیں مانگا،
ابن جبیر	ہاں دی،
حجاج	ان احسانات کے بعد پھر تم کو کس چیز نے میری مخالفت پر آمادہ کیا،
ابن جبیر	میری گردن میں ابن اشعث کی بیعت کا طوق تھا،
حجاج	ایک دشمن خدا کی بیعت کا اتنا پاس تھا، اور امیر المومنین کی بیعت اور خدا کا کوئی پاس نہ تھا، خدا کی قسم میں تم کو قتل کرکے واصل جہنم کئے بغیر اس جگہ سے نہ ہٹوں گا، بتاؤ تم کس طرح قتل کیا جانا پسند کرتے ہو؟
ابن جبیر	خدا کی قسم تم دنیا میں جس طرح مجھے قتل کروگے، خدا تم کو آخرت میں اسی طرح قتل کرے گا،
حجاج	کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم کو معاف کردوں؟
ابن جبیر	اگر تم معاف کردوگے تو وہ خدا کی جانب سے ہوگا (تمھارا احسان نہ ہوگا)
حجاج	تو میں تم کو قتل کردوں گا،
ابن جبیر	اللہ تعالیٰ نے میرا ایک وقت مقرر کردیا ہے، اس وقت تک پہنچنا ضروری ہے، اس کے بعد اگر میرا وقت آگیا ہے، تو پھر وہ ایک فیصل شدہ امر ہے اس سے مفر نہیں ہے، اور اگر عافیت مقدر ہے، تو وہ بھی خدا کے ہاتھ میں ہے،

قتل کا حکم اور استقلال و استقامت

اس گفتگو کے بعد حجاج نے جلاد کو قتل کرنے حکم دیا، یہ حکم سنکر

حاضرین میں سے ایک شخص رونے لگا، ابن جبیر نے اس سے پوچھا تم روتے کیوں ہو، اس نے کہا آپ کے قتل پر، فرمایا، اس کے لئے رونے کی ضرورت نہیں، یہ واقعہ تو خدا کے علم میں پہلے سے موجود تھا، پھر یہ آیت تلاوت کی،

ما اصاب من مصیبۃ فی الارض	زمین میں جو مصیبتیں بھی آتی ہیں، یا تمہارے نفسوں کو
ولا فی انفسکم الا فی کتاب	پہنچتی ہیں قبل اسکے کہ ہم ان کو پیدا کریں کتاب
قبل ان نبراھا، (حدید-۳)	میں لکھی ہیں،

مقتل میں لیجانے سے پہلے اپنے صاحبزادے کو دیکھنے کے لئے بلایا، وہ آئے تو وہ بھی رونے لگے، آپ نے ان سے فرمایا تم روتے کیوں ہو، ستاون سال کے بعد تمھارے باپ کی زندگی تھی ہی نہیں، پھر رونے کا کون سا مقام ہے،

غرض نہایت صبر و استقلال کے ساتھ ہنستے ہوئے مقتل کی طرف چلے، حجاج کو اطلاع دی گئی کہ اس وقت بھی ابن جبیر کے لبوں پر ہنسی ہے، اس نے واپس بلا کر پوچھا تم ہنس کس بات پر رہے تھے، فرمایا "خدا کے مقابلہ میں تمھاری جراتوں اور تمھارے مقابلہ میں اس کے حلم پر"

آخری شاغل | یہ سنکر حجاج نے اپنے سامنے ہی قتل کا چرڑا بچھانے کا حکم دیا، چرڑا بچھائے جانے کے بعد حجاج نے قتل کا اشارہ کیا، اس وقت ابن جبیر نے کہا اتنی مہلت دو کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں، حجاج نے کہا اگر مشرق کی سمت رخ کرو تو اجازت مل سکتی ہے، فرمایا کچھ حرج نہیں؛ اینما تولوا فثم وجہ اللہ، پھر یہ آیت تلاوت کی،

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ	میں نے ایکسو ہوکر اپنا رخ اس ذات کی طرف
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ	کیا ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا
مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ، (انعام-۹)	کیا اور میں مشرکوں میں نہیں ہوں،

حجاج نے حکم دیا سر کے بل جھکا دو، یہ حکم سنکر ابن جبیر نے راہِ تسلیم و رضا میں خود سر کو خم کر دیا اور یہ آیت پڑھی،

منها خلقناكم وفيها نعيدكم	اسی (زمین) سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور
ومنها نخرجكم تارة اخرى،	اسی میں تم کو لوٹائیں گے، اور پھر اسی میں سے
(طٰہٰ - ۳)	تم کو دوبارہ نکالیں گے،

اور کلمۂ شہادت پڑھکر بارگاہ ایزدی میں دعا کی کہ "خدایا میرے قتل کے بعد پھر اس کو (حجاج) کسی کے قتل پر قادر نہ کرنا"،

شہادت جلاد شمشیر برہنہ موجود تھا، حجاج کے حکم سے دفعۃً تلوار چمکی اور ایک کشتۂ حق کا سر زمین پر تڑپنے لگا، زمین پر گرنے کے بعد زبان سے آخری کلمہ لا الہ الا اللہ نکلا،

ایک تعجب انگیز امر اس سلسلہ میں یہ واقعہ لائقِ ذکر ہے، کہ ابن جبیر کے جسم سے عام قتل ہونے والوں سے بہت زیادہ خون نکلا تھا، حجاج نے اطبا کو بلا کر اس کا سبب دریافت کیا کہ اور مقتولوں کے جسم سے خون بہت کم نکلتا ہے، اور ان کے جسم سے خون کے فوارے رواں تھے، اطبا نے جواب دیا کہ خون روح کے تابع ہے، جن لوگوں کو پہلے قتل کیا گیا، ان کی روح قتل سے پہلے ہی اس کے حکم ہی سے تحلیل ہو چکی تھی، اور ابن جبیر کی روح پر اس کا کوئی اثر نہ تھا[۱] یہ واقعہ شعبان سنہ ۹۴ھ میں پیش آیا، اس وقت ابن جبیر کی عمر باختلافِ روایت ، ۵۷ یا ۴۹ سال کی تھی

حسن بصری پر اثر سعید بن جبیر کی شخصیت ایسی تھی کہ تمام اکابر تابعین اس واقعہ سے سخت متاثر ہوئے، حضرت حسن بصری نے فرمایا "خدایا ثقیف کے فاسق (حجاج) سے اس کا انتقام لے، خدا کی قسم اگر سارے روے زمین کے باشندے بھی ان کے قتل میں شریک ہوتے، تو خدا ان سب کو

---

[۱] یہ تمام حالات ابن خلکان ج اول ص۲۰۵ و ص۲۰۶، و شذرات الذہب ج اول ص۱۰۹ و ص۱۱۱ اور ابن سعد ج ۶ ص۱۸۴ و ص۱۸۵ کی مختلف روایات میں غیر مرتب طور سے ہیں، ہم نے انھیں سلسلہ وار کر دیا ہے،

منہ کے بل دوزخ میں جھونک دیتا[۱]،

حلیہ: حلیہ یہ تھا، رنگ سیاہ، سر اور داڑھی دونوں سپید، خضاب لگانا پسند نہ کرتے تھے، کسی نے وسمہ کے خضاب کے بارہ میں پوچھا، فرمایا خدا تو بندہ کے چہرے کو نور سے روشن کرتا ہے، اور بندہ اس کو سیاہی سے بجھا دیتا ہے[۲]،

حجاج کا انجام: سعید کی آخری بددعا بے اثر نہ رہی، ان کا خونِ ناحق رنگ لایا، چنانچہ ان کے مقتول ہونے کے بعد ہی حجاج سخت دماغی امراض اور توہم میں مبتلا ہو کر چند ہی دنوں کے بعد بستر مرگ پر لیٹ گیا، بیماری کی حالت میں اس کو بے ہوشی کے دورے ہوتے تھے، بیہوشی اور غنودگی کی حالت میں اسے نظر آتا تھا کہ ابن جبیر اپنے کپڑے سمیٹے ہوئے اس سے پوچھ رہے ہیں کہ "دشمنِ خدا تو نے مجھے کس جرم میں قتل کیا"؟ یہ خوابِ پریشاں دیکھ کر وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھتا تھا، اور کہتا تھا مجھے سعید سے کیا واسطہ، اسی مجنونانہ حالت میں ۹۵ھ میں مرگیا، اس طرح ابن جبیر کے قتل کے بعد اسے دوسرے آدمیوں کے قتل کرنے کا موقع نہ مل سکا[۳]،

اس کی موت کے بعد اس کو ایک شخص نے خواب میں دیکھا، پوچھا خدا نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا، اس نے کہا ہر ہر مقتول کے بدلہ میں مجھے ایک ایک مرتبہ قتل کیا گیا، اور ابن جبیر کے انتقام میں ستر مرتبہ[۴]،

۱؎ ابن خلکان ج اول ص ۲۰۶، ۲؎ ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۶، ۳؎ ابن خلکان ج اول ص ۲۰۲،
۴؎ ایضاً،

۲۸- سعید بن مسیب

نام ونسب، سعید نام ابو محمد کنیت، نسب نامہ یہ ہے، سعید بن مسیب بن حزن بن ابی وہب ابن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب قرشی مخزومی، ان کی ماں قبیلہ اسلم سے تھیں، نانہالی شجرہ یہ ہے، ام سعید بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن الاوقص اسلمی،

ابن مسیب بڑے جلیل القدر تابعی اور ان نفوس قدسیہ میں تھے، جو اپنے علم وعمل کے اعتبار سے ساری دنیائے اسلام کے امام اور مقتدیٰ مانے جاتے تھے، ان کے والد مسیب اور دادا حزن دونوں صحابی تھے، فتح مکہ کے دن مشرف باسلام ہوئے تھے، آنحضرت صلعم ایسے ناموں کو جن کے معنی میں برائی کا پہلو نکلتا ہو پسند نہ فرماتے تھے، اس لئے حزن کا نام جس کے معنی غم کے ہیں، بدل کر سہیل رکھنا چاہا، لیکن حزن نے جن میں اس وقت تک قدامت پرستی کا جذبہ باقی تھا یہ عذر کیا کہ یا رسول اللہ یہ نام والدین کا رکھا ہوا ہے، اور اس نام سے مشہور بھی ہو چکا ہوں، اس لئے اس کو نہ بدلئے، ان کے عذر پر آنحضرت صلعم نے رہنے دیا، لیکن اس نام کی نحوست کا یہ اثر تھا کہ سعید بن مسیب کا بیان ہے، کہ ہمارے گھر میں ہمیشہ غمگینی چھائی رہی[1]،

پیدائش، باختلاف روایت ۱۵ھ یا ۱۷ھ جلوس عمری میں سعید بن مسیب پیدا ہوئے، ایک بیان یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ کی وفات سے دو سال پہلے تولد ہوئے، لیکن پہلی روایت زیادہ معتبر ہے[2]،

عہد معاویہ، ابن مسیب خلافت راشدہ کے آخری دور میں بالکل کم سن تھے، اس لئے اس عہد

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۸۸، [2] ایضاً،

کا ان کا کوئی واقعہ قابلِ ذکر نہیں ہے، امیر معاویہ کے زمانہ میں بھی وہ عملی زندگی میں کہیں نظر نہیں آتے، بعض روایات سے اس قدر معلوم ہوتا ہے، کہ وہ تحصیلِ علم سے فارغ ہو کر مسندِ علم و افتا کی زینت بن چکے تھے[۱]

ابن زبیرؓ کی بیعت سے اختلاف عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانہ سے ان کے حالات کا پورا پتہ چلتا ہے، اور اس کا آغاز ان کی حق گوئی سے ہوتا ہے، وہ ایسے حق گو اور حق پرست تھے، کہ خلفاء اور سلاطین کے مقابلہ میں بھی ان کی زبان خاموش نہ رہتی تھی، چنانچہ ان کی تاریخ کا آغاز ہی خلفاء کے ساتھ اختلاف سے ہوتا ہے، عبداللہ بن زبیرؓ نے جب خلافت کا دعویٰ کیا، اور جابر بن اسود، اہل مدینہ سے ان کی بیعت لینے کے لئے آیا، تو ابن مسیب نے اختلاف کیا، اور کہا جب تک تمام مسلمانوں کا کسی ایک شخص پر اتفاق نہ ہو جائے، اس وقت تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرنی چاہئے ہے[۲]

کوڑوں کے مقابلہ میں اعلان حق ابن مسیب مدینہ کے ممتاز ترین بزرگ تھے، ان کی مخالفت کے معنی یہ تھے کہ مدینہ سے ایک ہاتھ بھی بیعت کے لئے نہ بڑھتا، اس لئے جابر نے حکومت کے گھمنڈ میں آپ کو کوڑوں سے پٹوایا، لیکن آپ کی حق گو زبان جبر و تشدد سے رکنے والی نہ تھی، چنانچہ وہ عین سزا کی حالت میں بھی اعلانِ حق کرتی رہی، جابر کے چار بیویاں تھیں، ایک کو اس نے طلاق دیکر عدت گذرنے سے پہلے پانچویں شادی کر لی تھی، جو صریحاً حرام ہے، چنانچہ ٹھیک اس وقت جب اون پر کوڑے برس رہے تھے، وہ کہہ رہے تھے کہ کتاب اللہ کا حکم سنانے سے مجھے کوئی چیز نہیں روک سکتی، خدا فرماتا ہے، انکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلاث و رباع، اور تو نے چوتھی کی عدت ختم ہونے سے قبل پانچویں عورت سے

---

[۱] ابن سعد ج ۵ ص ۹۰، [۲] ایضاً،

شادی کرلی جو تیرے دل میں آئے کر گذر، عنقریب تجھ پر بُرا وقت آنے والا ہے، اس واقعہ کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ مقتول ہو گئے۔[۱] ابن زبیرؓ کو اپنے مقتول ہونے سے پہلے ابن مسیب کے ساتھ جابر کی اس گستاخی کا علم ہو چکا تھا، وہ ان کے مرتبہ شناس تھے، اس لئے انھوں نے جابر کو خط لکھ کر سخت تنبیہ کی اور لکھا کہ ان سے کوئی تعرض نہ کرو،[۲]

عبدالملک سے اختلاف، عبداللہ بن زبیرؓ کے بعد عبدالملک خلیفہ ہوا، اس کے ساتھ بھی ابن مسیب کا اختلاف قائم رہا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اموی حکومت کا بانی اور مجدد مروان بن حکم اپنے بعد علی الترتیب عبدالملک اور اس کے بعد اس کے بھائی عبدالعزیز کو خلیفہ بنا گیا تھا، مروان کے بعد عبدالملک کی نیت میں فتور پیدا ہوا، اس نے عبدالعزیز کو ولیعہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکوں ولید اور سلیمان کو ولیعہد بنانے کا ارادہ کیا، لیکن پھر قبیصہ بن ذویب کے سمجھانے سے کہ اس میں آپ کی بڑی بدنامی ہے، رک گیا، عبدالملک کی خوش قسمتی سے چند ہی دنوں کے بعد عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا،[۳]

عبدالعزیز کے انتقال کے بعد عبدالملک کے لئے میدان بالکل صاف ہو گیا، اور اس نے ولید اور سلیمان کو ولیعہد بنا کر ان کی بیعت کے لئے صوبہ داروں کے نام فرمان جاری کر دیئے، چنانچہ ہشام بن اسمٰعیل والی مدینہ نے اہل مدینہ سے بیعت لے کر سعید بن مسیب کو بلایا، اونھوں نے کہا میں بغیر سوچے سمجھے بیعت نہیں کر سکتا، ایک بیان یہ ہے کہ اونھوں نے یہ جواب دیا کہ میں عبدالملک کی زندگی میں دوسری بیعت نہیں کر سکتا،[۴]

کوڑوں کی مار اور قید کی سزا ان کے اس جواب پر ہشام نے انھیں کوڑوں سے پٹوایا، اور تشہیر کراتے ہوئے راس الثنیہ تک جہاں مجرموں کو سولی دیجاتی تھی، بھیجا، سعید بن مسیب سولی کیلئے

---

[۱] ابن سعد ج ۵ ص ۹۱، [۲] ایضاً ص ۹۰، [۳] ابن اثیر ج ۴ ص ۴۹، [۴] ابن سعد ج ۵ ص ۹۲،

بالکل تبار ہو کر گئے تھے، چنانچہ سولی کے وقت ستر کھل جانے کے خیال سے جانگھیا پہن لی تھی لیکن

رأس الثنیہ لیجانے کا منشا رغالباً محض تخویف تھا، اس لئے وہاں لیجا کر پھر لوٹایا گیا، واپسی کے وقت

ابن مسیب نے پوچھا، اب واپس کہاں لئے جاتے ہو، جواب ملا قید خانہ، چنانچہ واپس لاکر قید خانہ میں ڈالدیئے

گئے، اور ہشام نے ان کی مخالفت اور اپنی کارگذاریوں کی اطلاع بارگاہ خلافت بھجوادی،[۱]

استقلال؛ قید خانہ میں انھیں لوگوں کے ذریعہ سے سمجھا بجھا کر رام کرنے کی کوشش کی گئی، چنانچہ

ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے ان سے مل کر گفتگو کی اور کہا سعید تم بالکل سٹھیا گئے ہو، انھوں نے

جواب دیا ابوبکر خدا سے ڈرو اور اوس کو سب قوتوں سے بڑھکر سمجھو، ابوبکر وہی دہراتے رہے کہ

کہ تم تو او زیادہ سٹھیائے ہو کسی طرح نرم ہی نہیں پڑتے آخر میں ابن مسیب نے جھلا کر جواب دیا خدا کی قسم تمہارے

دل اور آنکھ دونوں کی روشنی جاتی رہی ہے یہ رنگ دیکھکر ابوبکر واپس چلے آئے، ہشام نے

پچھوا بھیجا کہ سعید مار کے بعد کچھ نرم پڑے، ابوبکر نے جواب دیا تمہارے اس سلوک کے بعد سے

خدا کی قسم وہ پہلے سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں، اب اپنا ہاتھ روک لو،[۲]

رہائی؛ قبیصہ بن ذویب عبدالملک کے پرائیویٹ سکریٹری تھے، تمام شاہی ڈاک پہلے ان کے

پاس آتی تھی، یہ پڑھکر اسکو عبدالملک کے سامنے پیش کرتے تھے، چنانچہ ہشام کا خط بھی جسمیں اس نے

عبدالملک کو اپنی کارگذاریوں کی اطلاع دی تھی پہلے قبیصہ کے ہاتھ میں پڑا، یہ بڑے عاقبت

اندیش اور مصلحت شناس، اس سے بڑھکر سعید بن مسیب کے مرتبہ شناس تھے، اس لئے ہشام کی

کارگذاری پڑھکر بہت برہم ہوئے، اور اسی وقت عبدالملک کے پاس خط لیجا کر کہا امیرالمومنین

ہشام خودرائی سے جو چاہتا ہے، کرتا ہے، ابن مسیب کو اس طرح مارتا اور اون کی تشہیر کراتا ہے

خدا کی قسم وہ اس تشدد اور مار سے اور زیادہ سخت ہو جائیں گے، اگر وہ بیعت نہ کریں تب بھی

---

[۱] ابن سعد ج ۵ ص ۹۳، [۲] ایضاً ص ۹۴،

ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے، وہ ان لوگوں میں نہیں ہیں جن سے رخنہ اندازی اور اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کی برائی کا خطرہ ہو، وہ اہل سنت والجماعۃ میں ہیں، آپ خود سعید کو اس کی معذرت لکھئے، عبدالملک نے کہا تم ہی اپنی طرف سے لکھدو، اور یہ ظاہر کردو کہ ہشام نے میرے منشار کے خلاف تمام کارروائی کی ہے، چنانچہ قبیصہ نے اسی وقت ابن مسیب کو خط لکھدیا، اونھوں نے اسے پڑھ کر کہا کہ جس نے مجھ پر ظلم کیا ہے، اس کے اور میرے درمیان خدا ہے[1]،

ابن مسیب کو خط بھجوانے کے بعد عبدالملک نے ہشام کو بھی ایک تنبیہی اور ملامت آمیز خط بھیجا اور لکھا کہ خدا کی قسم ابن مسیب مارے جانے کے بجائے صلہ رحم کے زیادہ مستحق ہیں مجھکو خوب معلوم ہے، کہ ان سے کسی مخالفت اور تفرقہ کا خطرہ نہیں ہے[2] یہ خط پڑھ کر ہشام سخت نادم اور شرمسار ہوا، اور ابن مسیب کو رہا کردیا[3]،

ولید کا زمانہ | ولید کیساتھ ابن مسیب کی کوئی مخالفت نہیں ہوئی، لیکن جیسا کہ آیندہ چل کر معلوم ہوگا اونھوں نے کبھی اس کے سامنے سر نیاز نہیں جھکایا،

حجاج کا طرز عمل، | لیکن یہ عجیب حیرت انگیز بات ہے کہ اموی خلفار کے مقابلہ میں اس بے نیازی اور خودداری کے باوجود حجاج نے جو ہر اس شخص کا جو امویوں کا بندہ فرمان نہ ہو سخت دشمن تھا، ابن مسیب کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی، لوگوں کو اس پر سخت حیرت تھی، چنانچہ بعض آدمیوں نے ابن مسیب سے پوچھا بھی کیا بات ہے، حجاج نہ آپ کے پاس کسی کو بھیجتا ہے، نہ آپ کو اپنی جگہ سے ہٹاتا ہے، نہ کوئی تکلیف پہنچاتا ہے، آپ نے فرمایا خدا کی قسم مجھے خود اس کا سبب نہیں معلوم، ایک واقعہ البتہ اس کے ساتھ پیش آیا ہے، ایک مرتبہ وہ اپنے باپ کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا، اور رکوع اور سجدہ ٹھیک نہیں کرتا تھا، میں نے تنبیہ کے لئے ایک

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۹۳، [2] ایضاً، [3] ایضاً ص ۹۴،

مٹھی کنکریاں اس پر اٹھا کے ماری تھیں، لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے بعد سے اس کی نماز درست ہوگئی،[۱]

وفات ولید ہی کے عہد ۹۴ھ میں سعید بن مسیب بیمار پڑے، اس بیماری نے مرض الموت کی شکل اختیار کرلی، دم آخر اپنے صاحبزادے محمد کو بلا کر تجہیز و تکفین وغیرہ کے متعلق وصیت کی کہ مرنے کے بعد جنازہ پر سرخ چادر نہ اڑھائی جائے، جنازہ کے پیچھے آگ نہ لیجائی جائے، ایسے بین کرنے والے ساتھ نہ ہوں جو وہ اوصاف بیان کریں جو مجھ میں نہیں ہیں، کسی کو جنازہ اٹھنے کی اطلاع نہ دیجائے، صرف چار آدمی اٹھانے کے لئے کافی ہیں، قبر پر خیمہ نہ لگایا جائے،

احتضار کی حالت میں نافع بن جبیر نے محمد سے کہا کہ بستر کو قبلہ رخ کردو، ابن مسیب نے سنکر کہا اس کی ضرورت نہیں میں اسی (قبلہ) پر پیدا ہوا ہوں، اسی پر مروں گا اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت میں اسی پر اٹھوں گا،

تھوڑی دیر کے بعد غشی طاری ہوگئی، اس وقت نافع نے بستر کو قبلہ رخ کردیا، ابن مسیب کو ہوش آیا، تو پوچھا بستر کو کس نے پھیرا، کسی کو جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی، لیکن ہوش کی حالت میں نافع کو کہتے سن چکے تھے، اس لئے خود ہی جواب دیا کہ نافع نے کیا ہوگا، پھر فرمایا اگر میں مسلمان ہوں تو خواہ کسی سمت مروں، قبلہ ہی کی جانب رخ رہے گا، اور اگر ملت اسلام پر نہیں ہوں اور دل قبلہ کی جانب نہیں ہے تو پھر رخ کو قبلہ کی طرف پھیرنے سے کوئی فائدہ نہیں، میں مسلمان ہوں جس سمت بھی رخ ہو قبلہ ہی کی طرف ہوگا،

وفات کے وقت آلائشِ دنیا سے کچھ دینار پاس تھے، ان کے متعلق بارگاہ ایزدی میں معذرت کی، خدایا تو خوب جانتا ہے کہ میں نے ان کو محض اپنی آبرو اور اپنے دین کی حفاظت

---

[۱] ابن سعد ج ۵ ص ۹۵،

کے لئے رکھ چھوڑا تھا،

اسی مرض میں ۹۴ھ میں وفات پائی، وفات کے وقت پچھتر سال کا سن شریف تھا، یہ عجب اتفاق ہے کہ اس سال بہت سے بڑے بڑے فقہار کا انتقال ہوا، اسی لئے اس سنہ کو سنۃ الفقہار کہا جاتا تھا[۱]،

فضل وکمال | سعید بن مسیب گو ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے، جب رسالت کا مقدس اور پر بہار دو ختم ہو چکا تھا، لیکن ابھی موسم بہار کو گذرے ہوئے زیادہ زمانہ نہیں ہوا تھا، اور مدینہ کی گلی گلی عہدِ رسالت کے پر بہار پھولوں سے بھری ہوئی تھی، دو چار کے سوا اکثر اکابر صحابہ جو علوم نبوی کے وارث تھے، مدینۃ العلم کے زیب مسند تھے، ابن مسیب کو علم کا فطری ذوق تھا، ان کے ذوق وشوق اور ان بزرگوں کے فیض نے انھیں علم وعمل کا مجمع البحرین بنا دیا، وہ بالاتفاق اپنے زمانہ میں علم وعمل اور جملہ علمی اور اخلاقی فضائل وکمالات میں یگانہ و یکتا تھے، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی امامت وجلالت، علمی فضیلت، اور جملہ اعمال خیر میں ان کے معاصرین پر ان کے تفوق اور برتری پر تمام علمار کا اتفاق ہے، ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ میں تمام اہلِ مدینہ کے سردار تھے[۲]، حافظ ذہبی انکو امام شیخ الاسلام اور اجلہ تابعین میں لکھتے ہیں[۳]، ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ ان کی ذات میں حدیث، تفسیر، فقہ زہد و ورع اور عبادت جملہ علمی اور عملی کمالات جمع تھے[۴]،

تفسیر قرآن | جیسا کہ ابن عماد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر قرآن میں بھی انکو پورا کمال حاصل تھا، لیکن قرآن میں شدتِ احتیاط کی وجہ سے اونھوں نے بحیثیت مفسر کوئی شہرت نہیں حاصل کی، قرآن کی تفسیر میں وہ اتنے محتاط اور متشدد تھے کہ آیاتِ قرآنی کی تفسیر و تاویل

۱؎ ابن سعد ج ۵ ص ۱۰۰ و ص ۱۰۱، ۲؎ تہذیب الاسمار ج اول ق اول ص ۲۲۰، ۳؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۶

۴؎ شذرات الذہب ج اول ص ۱۰۳،

یں کبھی لب کشائی نہ کرتے تھے، جب ان سے قرآن کے متعلق کچھ پوچھا جاتا تو جواب دیتے کہ میں قرآن میں کچھ نہ کہونگا[1]، اسی احتیاط کی وجہ سے ان کی قرآنی مہارت ظاہر نہ ہوسکی،

حدیث حدیث رسول کا انھیں خاص ذوق تھا، ایک ایک حدیث کے لئے وہ کئی کئی رات اور کئی کئی دن کا سفر کرتے تھے[2]، ایک طرف انکا یہ ذوق و شوق تھا، دوسری طرف ان کا مولد و منشا یعنی مدینۃ الرسول اکابر صحابہ سے جو علم حدیث کے اساطین تھے بھرا ہوا تھا، حضرت عثمانؓ، علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، زید بن ثابتؓ، حسان بن ثابتؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، ابو ہریرہؓ، ابو درداء انصاریؓ، ابوذر غفاریؓ، ابو قتادہ انصاریؓ، حکیم بن حزامؓ، جبیرؓ بن مطعم، عبداللہ بن زبیرؓ، صفوان بن امیہؓ، مسور بن مخرمہؓ، جابر بن عبداللہؓ، ابو سعید خدریؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، معمر بن عبداللہؓ، عبداللہ بن زید حارثیؓ، عتاب بن اسیدؓ، عثمان بن ابی العاصؓ وغیرہ صحابہ کرام کی بڑی جماعت موجود تھی، ابن مسیب نے ان تمام خرمنوں سے خوشہ چینی کی، مشہور حافظ حدیث صحابی حضرت ابوہریرہؓ ان کے خسر تھے، اس تعلق سے ان سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ فیض یاب ہوئے تھے، چنانچہ ان کی مرویات کا بڑا حصہ ابوہریرہؓ ہی کی احادیث پر مشتمل ہے[3]، حافظہ اتنا قوی تھا کہ ایک مرتبہ جو بات کان میں پڑجاتی تھی، وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوجاتی تھی[4]، اس حافظہ اور ذوق و شوق نے حدیث میں سعید بن مسیب کا دامن علم نہایت وسیع کردیا تھا،

علماء کا اعتراف، ان کے عہد کے تمام علماء انکے کمال حفظ حدیث کے معترف تھے، مکحول جو خود بڑے امام اور محدث تھے کہتے تھے، کہ میں نے علم کی تلاش میں ساری دنیا کا سفر

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۰۱، [2] ایضاً ص ۹۰، [3] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۸۶ و تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۲۰، [4] ابن سعد ج ۵ ص ۹۰،

کیا لیکن سعید بن مسیب جیسا عالم کوئی نہیں ملا[1]، امام زین العابدین فرماتے تھے کہ سعید بن مسیب گذشتہ آثار کے سب سے بڑے واقف کار تھے[2]، علی بن مدائنی کہتے ہیں کہ میں تابعین کی جماعت میں سعید بن مسیب سے زیادہ وسیع العلم کسی کو نہیں جانتا[3]،

روایات کا پایہ | محدثین اور ارباب فن کے نزدیک ان کی مرویات کا پایہ اتنا بلند تھا کہ امام احمد بن حنبل وغیرہ ان کی مرسلات کو بھی صحاح کا درجہ دیتے تھے[4]، امام شافعی فرماتے تھے کہ سعید کی مرسلات ہمارے نزدیک حسن ہیں[5]، اگرچہ حضرت عمرؓ سے سعید کا سماع ثابت نہیں ہے، لیکن امام احمد ان سے بھی ان کی روایت کو حجت سمجھتے تھے[6]، یحییٰ بن معین ان کی مرسلات کو حسن بصری کی مرسلات پر ترجیح دیتے تھے[7]، علی بن مدائنی کہتے تھے کہ کسی مسئلہ میں سعید بن مسیب کا صرف یہ کہدینا کہ اس بارہ میں سنت موجود ہے، کافی ہے[8]،

فقہ | سعید بن مسیب کا خاص فن فقہ تھا، وہ اس عہد کے مدینہ کے ان سات مشہور فقہا میں سے تھے، جو اس فن کے امام مانے جاتے تھے[9]، پھر ان میں بلکہ پوری جماعت تابعین میں ان کا پایہ سب سے بلند تھا، ابن حبان کا بیان ہے کہ سعید بن مسیب اپنے زمانہ میں اہل مدینہ کے سردار اور فتوی میں ان سب پر فائق تھے، ان کو فقیہ الفقہاء کہا جاتا تھا، قتادہ کہتے تھے کہ میں نے ابن مسیب سے زیادہ حلال وحرام کا جاننے والا نہیں دیکھا، سلیمان بن موسی کا بیان ہے کہ سعید بن مسیب افقہ التابعین تھے[10]، باہر کے جو طالبین فقہ مدینہ آتے تھے، انھیں سیدھے ان کا گھر بتادیا جاتا تھا، میمون بن مہران کا بیان ہے کہ میں جب مدینہ گیا اور وہاں کے سب سے بڑے فقیہ کو پوچھا، تو

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ق اول صفحہ ۲۲۰، [2] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۹۰، [3] تہذیب الاسماء ج اول ق اول صفحہ ۲۲۰، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۴۷، [5] تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۸۶، [6] ایضاً، [7] ایضاً، [8] تہذیب الاسماء ج اول ق اول صفحہ ۲۲۰، [9] اعلام الموقعین ج اول صفحہ ۲۵، [10] تہذیب الاسماء ج اول ق اول صفحہ ۲۲۰،

لوگوں نے سعید بن مسیب کے گھر پہنچا دیا[1]، عبدالرحمن بن زید بن اسلم کا بیان ہے کہ عبادلہ اربعہ یعنی عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے بعد ساری دنیائے اسلام میں فقہ کی مسند موالی کے قبضہ میں آگئی تھی، مکہ کے فقیہ عطار تھے، یمن کے طاوس، یمامہ کے یحییٰ بن ابی کثیر، بصرہ کے حسن بصری، کوفہ کے ابراہیم نخعی، شام کے مکحول اور خراسان کے عطار خراسانی، صرف مدینہ کی مسند ایک قرشی یعنی سعید بن مسیب کے حصہ میں رہی[2]،

شیخین کے فیصلوں سے واقفیت | اگرچہ سعید بن مسیب نے آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ نہیں پایا، عہد فاروقی میں بہت صغیر السن تھے، لیکن اپنے ذاتی ذوق و شوق سے وہ آنحضرت صلعم اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے فیصلوں کے سب سے بڑے واقف کار بن گئے تھے، وہ خود فرماتے تھے، کہ اب مجھ سے زیادہ رسول اللہ صلعم اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے فیصلوں کا جاننے والا کوئی نہیں ہے، حضرت عمرؓ کے فیصلوں سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ واقفیت رکھتے تھے، اسی لئے وہ "راویہ عمرؓ" کہلاتے تھے[3]، حضرت عمرؓ کے احکام اور فیصلوں کے بارہ میں ان کا علم اتنا وسیع تھا کہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہ تک جو خود خیر الامۃ تھے، اپنے والد بزرگوار کے بعض حالات کے متعلق ان سے معلومات حاصل کرتے تھے[4]،

فقہ میں حضرت عمرؓ کا مرتبہ محتاجِ بیان نہیں، آپ کے زمانہ میں صدہا نئے مسائل پیدا ہوئے، آپنے ان جدید مسائل کے متعلق قوانین بنائے اور فیصلے دیئے، یہ سارا ذخیرہ معلومات ابن مسیب کے حصہ میں آیا، حضرت عثمانؓ کے فیصلوں سے بھی واقفیت تھی[5]،

صحابہ کا اعتراف | یہ خصوصیت و جامعیت تابعی کیا کسی صحابی میں بھی مشکل سے نکل سکتی تھی،

---

[1] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۹۲ [2] شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۱۰۲ [3] ایضاً صفحہ ۹۰، [4] تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۸۶

[5] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۹،

اسی لئے وہ عہدِ صحابہ ہی میں صاحب افتا ہو گئے تھے[1] اور بڑے بڑے صحابہ اون کی اس اہلیت کو تسلیم کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے واللہ وہ مفتیوں میں سے ایک ہیں[2] کبھی کبھی سائلین کو ان کے پاس بھیجدیتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا، آپ نے اس سے کہا سعید بن مسیب کے پاس جاؤ اور وہ جو جواب دیں وہ مجھے بھی آکر بتانا، اس نے اس حکم کی تعمیل کی، ابن عمرؓ نے جواب سنکر فرمایا میں تم لوگوں سے کہتا نہ ہوں کہ وہ علماء میں ہیں[3]،

اکابر علماء اور تابعین کا اعتراف و استفادہ اس عہد کے تمام بڑے بڑے علماء اور اکابر تابعین ان کے کمالات کے اتنے معترف تھے کہ مشکل مسائل میں وہ خود ان کی طرف رجوع کرتے تھے، اور دوسروں کو ان سے استفادہ کرنے کی ہدایت کرتے تھے، حضرت حسن بصری جیسے بزرگ کو جب کسی مسئلہ میں اشکال پیش آتا تھا، تو وہ ان کے پاس لکھ بھیجتے تھے[4]،

امام ابن شہاب زہری کا بیان ہے کہ عبداللہ بن ثعلبہ نے مجھ کو ہدایت کی تھی کہ اگر تم فقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس شیخ (سعید بن مسیب) کا دامن پکڑو[5]،

حضرت عمر بن عبدالعزیز بغیر ان سے پوچھے ہوئے کوئی فیصلہ ہی نہیں کرتے تھے، اور ان کا اتنا احترام کرتے تھے، کہ انھیں اپنے پاس بلانے کی زحمت نہ دیتے تھے، بلکہ آدمی کے ذریعہ سے پچھوا بھیجتے تھے، فرماتے تھے کہ مدینہ میں کوئی عالم ایسا نہ تھا جو اپنے علم کو لے کر خود میرے پاس نہ آیا ہو، لیکن ابن مسیب کا علم میرے پاس لایا جاتا تھا[6]،

ایک مرتبہ ایک شخص کو ابن مسیب کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے کے لئے بھیجا، وہ پوچھنے کے

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۸۹، [2] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۸۵، [3] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۶، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۷، [5] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۸۶، [6] ابن سعد ج ۵ ص ۹۰،

بجائے انھیں بلائے گیا، عمر بن عبدالعزیز نے انھیں دیکھ کر فرمایا، اس نے غلطی سے آپ کو تکلیف دی، میں نے تو صرف پوچھنے کے لئے بھیجا تھا،[۱]

تلامذہ، ابن مسیب کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا، بعض مشہور اور ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں، سالم بن عبداللہ بن عمر، زہری، قتادہ، شریک بن ابی نمیر، ابو الزناد، سعد بن ابراہیم، عمرو بن مرہ، یحییٰ بن سعید انصاری، داؤد بن ابی ہند، طارق بن عبدالرحمٰن، عبدالحمید بن جبیر، شعبہ، عبدالخالق بن سلمہ، عبدالمجید بن سہیل، عمرو بن مسلم، امام باقر، ابن منکدر، ہاشم بن ہاشم بن عتبہ اور یونس بن یوسف وغیرہ[۲]

ذوق سخن، سعید بن مسیب اگرچہ خالص مذہبی بزرگ تھے، لیکن اس کے باوجود ان کو شعر وسخن کا خاصا مذاق تھا، وہ اسے خلاف تقوی نہیں سمجھتے تھے، کسی نے آپ سے کہا کہ عراق میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو شعر وشاعری کو برا سمجھتے ہیں، فرمایا ان لوگوں نے عجمی تنقشف اختیار کرلیا ہے[۳] آپ خود تو شعر نہیں کہتے تھے، لیکن شعر سننا پسند کرتے تھے[۴]

تعبیر خواب، آپ کے صحیفہ کمال کا ایک نمایاں باب تعبیر خواب بھی ہے، آپ کو اس سے ایک طبعی مناسبت تھی، اس فن کو آپ نے حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اسماءؓ سے جنھوں نے اپنے والد بزرگوار سے سیکھا تھا حاصل کیا تھا،[۵]

آپ کی تعبیروں کی بڑی شہرت تھی، اور بکثرت لوگ آپ کے پاس تعبیر لینے کے لئے آتے تھے، جب کوئی شخص آتا اور تعبیر کے لئے خواب بیان کرتا، تو آپ تفاؤلاً پہلے فرماتے کہ تم نے اچھی بات دیکھی[۶]، اس موقع پر ہم یہاں چند خواب اور اون کی تعبیریں نقل کرتے ہیں،

۱؎ ابن سعد ج ۵ ص ۹۰، ۲؎ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۸۵، ۳؎ کتاب العمدہ ابن رشیق ص ۱۱، ۴؎ ابن سعد ج ۵ ص ۹۵، ۵؎ ایضاً ص ۹۱، ۶؎ ایضاً ص ۹۲،

عبداللہ بن زبیرؓ اور عبدالملک کی جنگ کے زمانہ میں ایک شخص نے آپ سے بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ عبدالملک کو میں نے چت لٹا کر پھر منہ کے بل کر کے اس کی پیٹھ میں چار میخیں ٹھونک دی ہیں، یہ خواب سن کر انھوں نے اس شخص سے کہا تم نے خود یہ خواب نہیں دیکھا ہے، اس نے کہا نہیں میں ہی نے دیکھا ہے، سعید نے کہا اگر تم صحیح نہیں بیان کرتے تو میں خود بتائے دیتا ہوں، ان کے اس کہنے پر اس شخص نے اقرار کیا کہ میں نے نہیں بلکہ ابن زبیرؓ نے دیکھا ہے، اور مجھے آپ کے پاس تعبیر کے لئے بھیجا ہے، فرمایا اگر تم نے خواب صحیح بیان ہے، تو عبدالملک ابن زبیرؓ کو قتل کر دے گا، اور اس کی صلب سے چار خلیفہ ہوں گے،

ایک اور شخص نے خواب دیکھا کہ عبدالملک نے چار مرتبہ مسجد نبوی کے سامنے پیشاب کیا ہے، سعید بن مسیب نے اس کی یہ تعبیر دی کہ عبدالملک کی صلب سے چار خلیفہ ہوں گے، ان دونوں خوابوں کی تعبیر بالکل صحیح نکلی ابن زبیرؓ عبدالملک کے مقابلہ میں مقتول ہوئے، اور عبدالملک کے چار لڑکے خلیفہ ہوئے، ولید، سلیمان، یزید ثانی اور ہشام،

شریک بن نمیر نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ میرے دانت میرے ہاتھوں میں گر گئے ہیں، اور میں نے انھیں دفن کر دیا ابن مسیب نے انکی یہ تعبیر دی کہ تم اپنے خاندان کے اپنے ہم سنوں کو دفن کرو گے،

ایک اور شخص نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا کہ اپنے ہاتھ میں پیشاب کر رہا ہوں سعید نے تعبیر دی کہ تمھاری بیوی تمھاری محرم ہے، تحقیقات کی تو واقعی اس شخص کی بیوی اس کے رضاعی محرمات میں سے نکلی،

مسلم الخیاط کا بیان ہے کہ ایک شخص نے یہ خواب بیان کیا کہ ایک کبوتر مسجد کے منارہ پر آکر بیٹھ گیا آپ نے تعبیر دی کہ حجاج جعفر بن ابی طالب کی لڑکی سے شادی کریگا،

ایک اور شخص نے اپنا خواب بیان کیا، کہ ایک بکرا ثنیۃ الوداع سے دوڑتا ہوا آیا، اور کہنے لگا ذبح کرو، ذبح کرو، میں نے ذبح کر دیا، ابن مسیب نے تعبیر دی کہ ابن صلار مر جائیں گے، ابن صلار، مدینہ کے موالی میں تھے، اور لوگوں کے ساتھ سعی کیا کرتے تھے،

عبدالرحمن بن سائب کا بیان ہے کہ قبیلہ فہم کے ایک آدمی نے بیان کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ آگ میں گھس رہا ہے، ابن مسیب نے تعبیر دی کہ تم اپنی موت سے پہلے بحری سفر کروگے اور تمھاری موت قتل کے ذریعہ سے ہوگی، عبدالرحمن کا بیان ہے کہ واقعی اس شخص نے سمندر کا سفر کیا، اور دورانِ سفر میں ہلاک ہوتے ہوتے بچا، پھر قدید کے معرکہ میں مقتول ہوا،

حصین بن عبید اللہ کا بیان ہے، کہ میری خواہش کے باوجود میرے کوئی اولاد نہ ہوتی تھی، میں نے خواب دیکھا کہ میری گود میں کسی نے ایک انڈا پھینک دیا ہے، میں نے ابن مسیب سے بیان کیا، انھوں نے کہا وہ انڈا عجمی مرغی کا ہے، تم عجم میں رشتہ پیدا کرو، چنانچہ میں نے ایک عجمی لونڈی کو بیوی بنا لیا، اس کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا،

ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں سایہ میں بیٹھا ہوں، پھر اٹھکر دھوپ میں چلا گیا، ابن مسیب نے کہا خدا کی قسم اگر تمھارا خواب سچا ہے تو تم اسلام کے دائرہ سے نکل جاؤگے، یہ سنکر اس شخص نے اپنے بیان کی تصحیح کی، کہ مجھے زبردستی دھوپ میں لایا گیا، لیکن پھر میں موقع پا کے نکل آیا، اسوقت ابن مسیب نے تعبیر میں یہ ترمیم کر دی کہ تم کفر پر مجبور کئے جاؤگے، یہ تعبیر بالکل صحیح نکلی، یہ شخص عبدالملک کے زمانہ میں کسی جنگ میں قید ہو کر زبردستی کفر پر مجبور کیا گیا، لیکن پھر چھوٹ کر مدینہ واپس آیا، یہ واقعہ خود یہ شخص بیان کرتا تھا،[1]

---

[1] یہ تمام خواب اور انکی تعبیریں ابن سعد ج ۵ ص ۹۱ تا ص ۹۳ سے ماخوذ ہیں،

و دانائی کا ایک دفتر ہیں،

فرماتے تھے کہ شیطان جب کسی شے میں انسان سے مایوس ہو جاتا ہے تو اوس کو عورتوں کے ذریعہ سے پورا کرتا ہے[۱] میں اپنے نفس کے بارہ میں سب سے زیادہ عورتوں سے خوف کرتا ہوں، لوگوں نے عرض کیا ابو محمد آپ جیسے ضعیف العمر آدمی کو تو عورتوں کی خواہش باقی نہیں رہجاتی، اور نہ خود عورتیں ایسے شخص کی خواہش مند ہوتی ہیں، (پھر کیا خطرہ) فرمایا لیکن جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں وہ ایسا ہی ہے[۲]،

فرماتے تھے کہ خدا کی اطاعت کرنا بندوں کے لئے اپنے نفس کی سب سے بڑی عزت کرنا ہی اور اس کی سب سے بڑی تحقیر خدا کی نافرمانی ہی،

دنیا ایک فرومایہ شے ہے اور ہر اس فرومایہ کی طرف مائل ہوتی ہے، جو بغیر حق کے اسے حاصل کرتا ہے، بے جا وسیلوں سے طلب کرتا ہے، اور بے محل صرف کرتا ہی،

اس دولت دنیا میں کوئی خیر نہیں ہی جسکو انسان اس نیت سے حاصل نہیں کرتا کہ اس کے ذریعہ سے وہ اپنے مذہب اور اپنی شرافت کو بچائے اور صلہ رحم کرے،

ظلم کے اعوان و انصار کو جب بھی دیکھو تو دل سے اون کے مظالم سے نفرت کرو، تاکہ تمھارے اچھے اعمال برباد نہ ہو جائیں،

تمام انسان خدا کی پناہ و نگرانی میں اعمال کرتے ہیں، جب خدا انھیں رسوا کرنا چاہتا ہے تو اوس کو اپنی پناہ و نگرانی سے نکال دیتا ہی، اسوقت لوگوں میں اسکا پردہ فاش ہو جاتا ہے

کوئی شریف کوئی عالم اور کوئی باکمال ایسا نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی عیب نہ ہو،

---

[۱] مختصر صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۰، [۲] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۰۱،

لیکن ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے عیوب بیان نہ کرنے چاہئیں، اور یہ وہ ہیں جن کے فضائل ان کی خامیوں سے زیادہ ہوں، انکی خامیوں سے ان فضائل کی وجہ سے درگذر کرنا چاہئے،[۱]

آپ کے غلام بردؔ نے ایک مرتبہ آپ سے بعض آدمیوں کی کثرتِ عبادت کا تذکرہ کیا کہ وہ لوگ ظہر سے عصر تک برابر عبادت کرتے رہتے ہیں، آپ نے فرمایا بردؔ خدا کی قسم یہ عبادت نہیں ہے، تم جانتے بھی ہو عبادت کسے کہتے ہیں، عبادت کہتے ہیں امورِ الٰہی میں غور و فکر کرنے اور اسکے محارم سے بچنے کو،[۲]

فضائل اخلاق، علمی کمالات کے ساتھ سعید بن مسیب فضائلِ اخلاق کی دولت سے بھی مالامال تھے، انکو خدا نے اقلیمِ علم وعمل دونوں کی یکساں فرماں روائی عطا فرمائی تھی،

زہد وورع، وہ بڑے عابد و زاہد اور متورع بزرگ تھے، ابن حبان لکھتے ہیں کہ ابن مسیب فقہ، دین داری، زہد وورع، عبادت وریاضت جملہ فضائل میں ساداتِ تابعین میں تھے،[۳] امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی علمی جلالت اور امامت اور انکی دینی عظمت و بزرگی پر سلف و خلف کے اقوال متفق ہیں،[۴]

جماعت کا اہتمام، نماز راس العبادات ہے، سعید بن مسیب کو جماعت میں اتنا اہتمام تھا، کہ چالیس سال اور ایک روایت کے مطابق پچاس سال تک ایک وقت کی بھی نماز باجماعت ناغہ نہیں ہوئی،[۵] کبھی ایسے وقت مسجد آنے کا اتفاق نہیں ہوا، جب لوگ نماز تمام کرکے واپس جا رہے ہوں،[۶]

ان پرآشوب زمانوں میں بھی جب کہ مدینہ میں گھر سے باہر قدم نکالنا اپنے کو ہلاکت کے منہ میں ڈالنا ہوتا تھا، ابن مسیب سے مسجد نہ چھوٹتی تھی، مدینہ کی تاریخ میں حرہ کا واقعہ نہایت مشہور

۱؎ یہ تمام اقوال مختصر صفوۃ الصفوۃ صنہ ۱۳۰ و صنہ ۱۳۱ سے ماخوذ ہیں، ۲؎ ابن سعد ج ۵ صنہ ۱۰۱، ۳؎ تہذیب التہذیب ج ۴ صنہ ۸۵، ۴؎ تہذیب الاسماء ج اول ق اول صنہ ، ۵؎ ابن سعد ج ۵ صنہ ۹۱، ۶؎ ایضاً صنہ ۹۱،

واقعہ ہے، یہ واقعہ یزید اور عبد اللہ بن زبیرؓ کے اختلاف کے زمانہ میں پیش آیا تھا، اہل مدینہ نے جب عبد اللہ بن زبیرؓ کی حمایت میں عبد اللہ بن حنظلہ کو سردار بنا کر یزید کی بیعت توڑ دی تھی اسوقت یزید کی فوجیں تین دن تک برابر مدینۃ الرسول میں قتل عام کرتی، اور اُس کو لوٹتی رہیں، اس پر آشوب زمانہ میں کوئی شخص گھر سے باہر قدم رکھنے کی ہمت نہ کرتا تھا، مسجدوں میں بالکل سناٹا رہتا تھا، ایسے نازک وقت میں بھی سعید بن مسیب مسجد ہی میں جاکر نماز پڑھتے تھے، بنی امیہ انہیں دیکھ کر کہتے اس بوڑھے مجنون کو دیکھو (کہ اس حالت میں بھی مسجد نہیں چھوڑتا)[۱]

نماز باجماعت کے خیال سے علاج اور صحت کے لئے بھی ایسے مقامات پر نہ جاتے تھے، جہاں نماز باجماعت کا انتظام نہ ہو سکتا، آپ کی آنکھ میں کچھ شکایت پیدا ہوگئی تھی لوگوں نے مشورہ دیا کہ مدینہ کے باہر عقیق چلے جائیے، وہاں کے سبزہ زار سے آپ کی آنکھوں کو فائدہ پہنچے گا، فرمایا رات اور صبح کی نماز کی حاضری کو کیا کروں[۲]،

ابن شہاب زہری کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابن مسیب سے دیہات کی خوبیوں اور اس کی پر لطف زندگی کا تذکرہ کرکے ان سے کہا کیا اچھا ہوتا آپ کچھ دنوں کے لئے دیہات چلے جاتے فرمایا رات کی نماز کی حاضری کس طرح ہوگی[۳]،

عبادت شب اور محاسبۂ نفس

آپ کی عبادت کا اصل وقت تاریکی شب میں تھا، اس وقت وہ اپنے نفس کا بھی محاسبہ کرتے تھے، روزانہ رات گئے اپنے نفس سے خطاب کرتے، کہ "برائیوں اور بدیوں کا سر چشمہ اٹھ میں تجھ کو اس اونٹ کی طرح خستہ کرکے چھوڑوں گا، جو خستگی اور ماندگی سے چلنے میں لڑکھڑاتا ہی" یہ کہہ کر تہجد میں مشغول ہو جاتے تھے، اور صبح تک پڑھتے رہتے لگاتار کھڑے کھڑے دونوں پاؤں سوج جاتے تھے، صبح کو پھر نفس سے مخاطب ہو کر فرماتے "تجھے

[۱] ابن سعد ج ۵ ص ۹۶، [۲] ایضاً ص ۹۶، [۳] ایضاً،

اسی کا حکم دیا گیا ہے، اور تو اسی کے لئے پیدا کیا گیا ہے[1]، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہو کہ آپ نے پچاس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی[2]،

روزے، ممنوعہ ایام کے علاوہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، مغرب کے وقت افطار کے لئے گھر سے پینے کی کوئی چیز آتی تھی اسی سے مسجد میں افطار کرتے تھے[3]،

حج حج بہت کم ناغہ ہوتا تھا، قریب قریب ہر سال حج کرتے تھے، آپ کے حجوں کی مجموعی تعداد پچاس تک پہنچتی ہے[4]، بنی امیہ نے مخاصمت کی وجہ سے درمیان میں کچھ دنوں کے لئے ان کو حج سے روک دیا تھا، علی بن زید نے ایک مرتبہ ان سے کہا کہ آپ کی قوم کا خیال ہے کہ آپ کو حج سے اس لئے روکا گیا ہو کہ آپ نے اپنے اوپر یہ لازم کر لیا تھا کہ جب کعبہ کو دیکھیں گے، تو آل مروان کے لئے بددعا کریں گے، فرمایا یہ صحیح نہیں ہے، لیکن میں ہر نماز میں ان کے لئے بددعا کرتا ہوں، ساری عمر میں صرف ایک حج یا عمرہ فرض ہو، اور میں بیس حج سے زیادہ کر چکا ہوں، تمھاری قوم میں بہتیرے ایسے آدمی ہیں جنھیں بیداری کا دعویٰ ہو، اور وہ حج اور عمرہ کر کے مرجاتے ہیں، لیکن ان کا حج نہیں ہوتا، میں تو نفل کے حج اور عمرہ سے جمعہ کی نماز کو زیادہ ترجیح دیتا ہوں[5]،

تلاوت قرآن کی تلاوت کبھی ناغہ نہ ہوتی تھی، سفر کی حالت میں سواری پر تلاوت کرتے تھے[6]،

محرمات الٰہی کا احترام، آپ خدا کی تمام محترم چیزوں کی بڑی عظمت کرتے تھے، انبیاء و رسل کا اتنا احترام کرتے تھے کہ ان کے نام پر اپنے لڑکوں کے نام رکھنا پسند نہ کرتے تھے، قرآن اور مسجد کی اتنی عظمت کرتے تھے کہ اس کی تصغیر بھی گوارا نہ تھی ابن حرملہ کا بیان ہے کہ سعید بن مسیب

---

[1] صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۰، [2] ایضاً، [3] ابن سعد ج ۵ ص ۹۰، [4] صفوۃ الصفوہ صفحہ ۱۳۰، [5] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۹۵

[6] ایضاً ص ۹۰، [7] ایضاً ص ۹۹،

کہتے تھے کہ مصحف اور مسجد یعنی چھوٹا قرآن اور چھوٹی مسجد نہ کہا کرو، خدا نے جس چیز کو بڑائی بخشی ہے اس کی عظمت کیا کرو، خدا نے جس کو بڑائی دی ہے، وہ بڑی اور اچھی ہے[۱]، حدیث رسول کا اتنا احترام تھا کہ بیماری کی حالت میں بھی اس کو سناتے وقت اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے، ایک مرتبہ کسی شخص نے بیماری کی حالت میں آپ سے ایک حدیث پوچھی آپ لیٹے ہوئے تھے فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے، سائل نے کہا میں چاہتا تھا کہ آپ زحمت نہ اٹھاتے، آپ نے فرمایا میں لیٹے لیٹے رسول اللہ صلعم کی حدیث بیان کرنا برا سمجھتا ہوں[۲]،

اخلاق و عادات، عادات و خصائل میں سعید بن مسیب صحابۂ کرام کا نمونہ تھے، بڑے بڑے صحابہ ان کے اخلاقی کمالات کے معترف تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ اگر رسول اللہ صلعم ان کو دیکھتے تو خوش ہوتے[۳]،

نرمی و مصالحت، طبعاً بڑے نرم اور صلح پسند تھے، اختلاف اور جنگ و جدال کو سخت ناپسند کرتے تھے، عمران بن عبداللہ خزاعی کا بیان ہے کہ سعید بن مسیب کسی سے جھگڑتے نہ تھے اگر کوئی شخص ان کی چادر چھینا چاہتا تو وہ اس کو خود اس کی طرف پھینک دیتے[۴]،

شدت احتیاط منہیات کے بارہ میں اس قدر محتاط تھے کہ بچوں کے کھیل تک میں اسکا لحاظ رکھتے تھے چنانچہ اپنی لڑکی کو ہاتھی دانت کی گڑیا کھیلنے کی اجازت نہ دیتے تھے[۵]،

جرأت و حق گوئی، لیکن اعلانِ حق میں ان کی یہ نرمی درشتی اور سختی سے بدل جاتی تھی، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ سعید بن مسیب بڑے حق گو تھے[۶] حق کے مقابلہ میں وہ کبھی خاموش نہیں رہتے تھے، اس سلسلہ میں انھوں نے جو جو سختیاں جھیلیں اس کے حالات اوپر گذر چکے ہیں، بنی امیہ کے

---

[۱] ابن سعد ج ۵ ص ۱۰۱، [۲] مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۳۰، [۳] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۶، [۴] ابن سعد ج ۵ ص ۹۹، [۵] ایضاً، [۶] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۷،

مقابلہ میں ان کی تیغ زبان ہمیشہ بے نیام رہتی تھی، وہ کسی موقعہ پر بھی ان کی عیب چینی سے باز نہ رہتے تھے، مطلب بن سائب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں ابن مسیب کے ساتھ بازار میں بیٹھا ہوا تھا کہ بنی مروان کا ہرکارہ ادھر سے گذرا، سعید نے اس سے پوچھا تم بنی مروان کے ہرکارے ہو؟ اس نے کہا ہاں، پوچھا تم نے ان کو کس حال میں چھوڑا، اس نے کہا اچھے حال میں، ابن مسیب نے کہا وہ انسانوں کو بھوکا رکھتے ہیں اور کتوں کا پیٹ بھرتے ہیں، یہ سن کر ہرکارہ غصہ سے بھر گیا، میں نے سمجھا بجھا کر کسی طرح اسے واپس کیا اور سعید سے کہا خدا تمہاری مغفرت کرے، تم کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو، انھوں نے کہا احمق چپ رہ، خدا کی قسم جب تک میں خدا کے حقوق کی حفاظت کرتا ہوں اسوقت تک وہ مجھے ان کے قبضہ میں نہ دے گا،[۵]

خلفاء اور سلاطین سے بے نیازی، خلفاء اور سلاطین کے مقابلہ میں سعید بن مسیب کی بے نیازی بے اعتنائی کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی، انھوں نے متعدد اموی خلفاء کا زمانہ پایا، لیکن ان میں سے کسی کے سامنے سرخم نہیں کیا، سرخم کرنا تو بڑی بات ہے، انھوں نے ان کو قابل التفات بھی نہیں سمجھا، عبد الملک کے ساتھ اون کے متعدد واقعات اس قسم کے پیش آئے، جن سے ان کی عظمت کا حقیقی اندازہ ہوتا ہے، اگر عبد الملک کبھی ان سے ملنے کی خواہش بھی کرتا تھا، تو وہ انکار کر دیتے تھے، ایک مرتبہ وہ مدینہ گیا اور مسجد نبوی کے دروازہ پر کھڑے ہو کر انھیں ملنے کے لئے بلا بھیجا، عبد الملک کے آدمی نے ان کے پاس جا کر کہا امیر المومنین دروازہ پر کھڑے ہیں، آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں، انھوں نے جواب دیا نہ امیر المومنین کو مجھ سے کوئی ضرورت ہے، اور نہ مجھے ان سے، اگر امیر المومنین کی کوئی ضرورت ہو بھی تو وہ پوری نہیں

---

[۵] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۴۷،

نہیں ہو سکتی، آدمی نے جاکر عبد الملک کو یہ جواب سنا دیا، اس نے پھر اس کو واپس کیا کہ دوبارہ جاکر کہو، لیکن اگر وہ اب بھی نہ آئیں تو زبردستی نہ کرنا، آدمی نے دوبارہ جاکر کہا، پھر وہی جواب ملا، عبد الملک کے آدمی نے یہ خشک جواب سنکر کہا، اگر امیر المومنین نے ہدایت نہ کر دی ہوتی تو میں تمہارا سر لیجاتا، امیر المومنین تم کو بار بار بلا بھیجتے ہیں اور تم اس قسم کا جواب دیتے ہو، ابن مسیب نے کہا اگر وہ میرے ساتھ کوئی بھلائی کرنا چاہتا ہے تو وہ میں تمہیں بخشتا ہوں، اور اگر اس کا کچھ اور ارادہ ہے تو میں اس وقت تک جبوہ[۱] نہ کھولوں گا جب تک وہ جو کچھ کرنا چاہتا ہو اسے کر نہ گذرے، عبد الملک کے آدمی نے پھر واپس جاکر یہ جواب سنایا، اس نے سنکر کہا خدا ابو محمد پر رحم کرے، ان کی سختی بڑھتی ہی جاتی ہے[۲]،

ایک مرتبہ اور عبد الملک مدینہ آیا ہوا تھا، ایک رات اسے نیند نہیں آئی، اس نے حاجب کو حکم دیا کہ مسجد میں جاکر دیکھو اگر مدینہ کا ہمارا کوئی قصہ خواں ملجائے تو لے آؤ، حاجب مسجد آیا، لیکن ایسے ناوقت یہاں کون ملتا، سعید بن مسیب ذکر و شغل میں مشغول تھے، حاجب انھیں پہچانتا نہ تھا، ان کے سامنے جاکر کھڑا ہو گیا، اور انگلی کے اشارہ سے بلایا، لیکن یہ اپنی جگہ بیٹھے رہے حاجب نے یہ خیال کر کے کہ یہ شخص عمداً متوجہ نہیں ہو رہا ہے قریب جاکر اشارہ کیا اور کہا میں نے تم کو اشارہ کیا تھا، تم نے دیکھا نہیں، ابن مسیب نے کہا اپنی ضرورت بیان کرو، حاجب نے کہا امیر المومنین کی آنکھ کھل گئی ہے، انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ کسی باتیں کرنے والے کو لے آؤں اس لئے تم چلو، ابن مسیب نے پوچھا کیا مجھ کو بلایا ہے؟ حاجب نے کہا نہیں، انھوں نے کہا تھا کہ جاکر دیکھو کہ اہل شہر میں سے ہمارا کوئی قصہ خواں ہے، میں نے تم سے زیادہ مستعد کسی کو نہیں پایا، یہ سنکر ابن مسیب نے کہا امیر المومنین سے جاکر کہدو کہ میں ان کا قصہ خواں نہیں ہوں،

---

۱ جبوہ کہتے ہیں، ایک خاص نشست کے طریقہ کو جسمیں کپڑہ باندھ کر بیٹھتے ہیں، ۲ ابن سعد ج ۵ ص ۹۵،

یہ جواب سن کر حاجب سمجھا کہ یہ کوئی دیوانہ آدمی ہے، اس لئے لوٹ گیا، اور عبد الملک سے کہا کہ مسجد میں صرف ایک بوڑھا شخص نظر آیا میں نے اس کو اشارہ کیا، مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا، پھر میں نے اس کے پاس جا کر کہا کہ امیر المومنین نے مجھے کسی باتیں کرنے والے کو بلانے کے لئے بھیجا ہے، اس شخص نے جواب دیا کہ امیر المومنین سے جا کر کہدو کہ میں ان کا قصہ خواں نہیں ہوں عبد الملک ان کے مزاج سے خوب واقف تھا اس لئے یہ واقعہ سن کر اس نے کہا وہ سعید بن مسیب ہیں، انھیں چھوڑ دو،[1]

عبد الملک کو ایسے ایسے تلخ جواب دیتے تھے کہ معمولی آدمیوں کو بھی نہیں دیئے جا سکتے، ایک مرتبہ اس نے ان سے کہا ابو محمد اب میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ اگر اچھا کام کرتا ہوں تو اس کی کوئی خوشی نہیں ہوتی، اور اگر برا کام کرتا ہوں تو اس کا کوئی رنج نہیں ہوتا، فرمایا اب تمھارا قلب پورے طور سے مر گیا،[2]

عبد الملک کے بعد ولید کے ساتھ بھی ان کا یہی طرز عمل رہا، مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع کرانے کے بعد جب ولید اس کے معائنہ کے لئے آیا تو مسجد میں جس قدر آدمی تھے سب ہٹا دیئے گئے، ابن مسیب بھی مسجد کے ایک گوشہ میں تھے انھیں اٹھانے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی، ایک شخص نے اتنا کہا کہ اس وقت اگر آپ ہٹ جاتے تو اچھا ہوتا، آپ نے جواب دیا میرے اٹھنے کا جو وقت ہے اس سے پہلے نہ اٹھوں گا، عرض کیا گیا اچھا نہ اٹھئے لیکن کم از کم اتنا کیجئے کہ جب امیر المومنین ادھر سے گذریں تو سلام کے لئے کھڑے ہو جائیے، فرمایا خدا کی قسم میں اس کے لئے نہیں کھڑا ہو سکتا، حضرت عمر بن عبد العزیز ولید کو مسجد کا معائنہ کرا رہے تھے، یہ ابن مسیب کے مرتبہ شناس اور ان کی طبیعت سے واقف تھے، اس لئے ولید کی نظر سے بچانے کے لئے

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۹۶، [2] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۱۵،

اس کو دوسری سمتوں میں ادھر اودھر پھراتے رہے لیکن جب وہ قبلہ کی طرف بڑھا، تو اسکی نظر ابن مسیب پر پڑ گئی، اس نے پوچھا یہ شیخ کون ہیں؟ سعید تو نہیں ہیں، عمر بن عبد العزیزؒ نے جواب دیا ہاں، اور ساتھ ہی انکی جانب سے معذرت کے طور پر انکی معذوریاں بیان کرنے لگے کہ اب وہ بہت ضعیف ہو گئے ہیں آنکھوں سے کم دکھائی دیتا ہے، اگر وہ آپ کو پہچانتے تو سلام کے لئے ضرور اٹھتے، ولید نے کہا ہاں میں ان کی حالت سے واقف ہوں، میں خود ان کے پاس چلتا ہوں، چنانچہ گھومتا گھامتا سعید کے پاس پہنچا اور عرض کیا شیخ کیسا مزاج ہے، شیخ نے اپنی جگہ سے بیٹھے بیٹھے جواب دیا، الحمد اللہ اچھا ہوں، لیکن اتنا اخلاق برتا کہ جواب میں ولید کا مزاج پوچھ لیا، اس مختصر گفت گو کے بعد ولید یہ کہتا ہوا لوٹ گیا کہ یہ اگلوں کی یادگار ہیں[۱]

پردہ پوشی اگرچہ سعید احکام خداوندی کے باب میں نہایت متشدد تھے، لیکن کسی کے گناہ کی پردہ دری پسند نہ کرتے تھے اور دوسروں کو پردہ پوشی کی تلقین کرتے تھے، ابن حرملہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں صبح کو باہر نکلا تو ایک شخص کو نشہ کی حالت میں پایا، اس کو زبردستی اپنے گھر گھسیٹ لایا اس کے بعد سعید سے ملاقات ہوئی ان سے میں نے پوچھا کہ ایک شخص نے ایک شخص کو نشہ کی حالت میں پایا، اس صورت میں وہ کیا کرے، اس کو حاکم کے سپرد کر کے اس پر حد جاری کرائے؟ ابن مسیب نے جواب دیا، اگر تم اس کو اپنے کپڑے سے چھپا سکو تو چھپالو، یہ سن کر میں گھر واپس آیا، اس وقت وہ شخص ہوش میں آچکا تھا مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرہ پر شرمندگی طاری ہو گئی، میں نے اس سے کہا تم کو شرم نہیں آتی، اگر تم صبح اسی حالت میں پکڑ لئے جاتے اور تم پر حد جاری کی جاتی تو لوگوں کی نگاہوں میں تمہاری کیا آبرو رہ جاتی، تم زندگی ہی میں مردہ ہو جاتے، تمہاری شہادت تک قبول نہ کیجاتی، یہ نصیحت سن کر اس شخص

---

۱ ابن اثیر ج ۴ ص ۲۳۵،

نے کہا خدا کی قسم اب آئندہ کبھی ایسا نہ کروں گا، غرض اس پردہ پوشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہمیشہ کیلئے تائب ہو گیا،[۱]

ایک سبق آموز واقعہ، ابن مسیب کی لڑکی کی شادی کا واقعہ، ایثار، ہمدردی، غربت پسندی اور سادگی مختلف حیثیتوں سے نہایت سبق آموز ہے، ان کی ایک لڑکی نہایت حسین و جمیل اور تعلیم یافتہ تھی، عبد الملک اس کو اپنی بہو بنانا چاہتا تھا، چنانچہ اپنے ولیعہد کے لئے ابن مسیب کے پاس پیغام بھیجا، مگر اونھوں نے انکار کر دیا، عبد الملک نے بہت دباؤ ڈالا اور مختلف قسم کی سختیاں کیں، لیکن سعید انکار پر قائم رہے اور چند دنوں کے بعد قریش کے ایک نہایت معمولی اور غریب آدمی ابو وداعہ کیساتھ اسکی شادی کر دی، یہ واقعہ خود اون کے داماد کی زبان سے سنو،

ان کا بیان ہے کہ میں سعید بن مسیب کے پاس پابندی سے جا کر بیٹھتا تھا، ایک مرتبہ چند دن غیر حاضری کے بعد جانے کا اتفاق ہوا، ابن مسیب نے پوچھا، اتنے دن تک کہاں غائب رہے، میں نے کہا میری بیوی کا انتقال ہو گیا تھا، اس لئے حاضر نہ ہو سکا، فرمایا مجھے کیوں نہ خبر دی، میں بھی تجہیز و تکفین میں شریک ہوتا، تھوڑی دیر کے بعد جب میں اٹھنے لگا تو اونھوں نے کہا تم نے دوسری بیوی کا کوئی انتظام کیا، میں نے جواب دیا میں غریب نادار دو چار پیسے کی حیثیت کا آدمی ہوں، میرے ساتھ کون شادی کرے گا، فرمایا میں کروں گا، تم تیار ہو، میں نے کہا بہت خوب، سعید نے اسی وقت دو یا تین درہم پر میرے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح پڑھا دیا، میں وہاں سے اٹھا تو فرط مسرت میں میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں گھر پہنچکر رخصتی کے لئے قرض کی فکر میں پڑ گیا،

---

[۱] ابن سعد ج ۵ صـ ۱۰۱،

شام کے وقت سعید بن مسیب نے اپنی لڑکی کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا، پہلے دو رکعت نماز خود پڑھی اور دو رکعت لڑکی سے پڑھوائی، اس کے بعد اس کو لئے ہوئے داماد کے گھر پہنچے، داماد کا بیان ہے کہ میں مغرب کے بعد روزہ افطار کرنے جا رہا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے پوچھا کون ہے، جواب ملا سعید، میں سوچنے لگا کہ سعید بن مسیب تو اپنے گھر اور مسجد کے علاوہ کہیں آتے جاتے نہیں، یہ سعید کون ہیں، اٹھ کر دروازہ کھولا تو دیکھا سعید بن مسیب تھے، انھیں دیکھ کر میں نے کہا آپ نے کیوں زحمت گوارا کی، مجھے بلا بھیجا ہوتا، فرمایا نہیں مجھے تمہارے پاس آنا چاہئے تھا، میں نے عرض کیا فرمائیے کیا ارشاد ہے، فرمایا تم مجرد آدمی تھے اور تمہاری بیوی موجود تھی، میں نے خیال کیا کہ تنہا کیوں رات بسر کرو، اس لئے تمہاری بیوی کو لے کر آیا ہوں، لو یہ تمہاری بیوی ہے، وہ ان کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی، انھوں نے اس کو دروازے کے اندر کر کے باہر سے دروازہ بند کر لیا، میری بیوی شرم سے گر پڑی، میں نے اندر سے دروازہ بند کر لیا، اسکے بعد چھت پر چڑھ کر پڑوسیوں کو پکارا اور ان کے سامنے شادی کا اعلان کیا، کہ آج سعید بن مسیب نے اپنی لڑکی کا عقد میرے ساتھ کر دیا، اور اسے میرے گھر پہنچا گئے، میری ماں کو خبر ہوئی تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ اگر بغیر سنوارے ہوئے تم اس کے پاس گئے تو تمہارے چہرہ پر نظر نہ ڈالوں گی، چنانچہ تین دن تک انھوں نے اسکو دستور کے مطابق بنایا سنوارا، بننے سنورنے کے بعد میں نے اس کو دیکھا تو وہ نہایت حسین، کتاب اللہ کی حافظ، سنت رسول اللہ صلعم کی عالم، اور حقوق شوہری کی واقف کار عورت نکلی[1]،

ذریعۂ معاش اگرچہ ابن مسیب بڑے عابد و زاہد اور دنیا سے کنارہ کش بزرگ تھے، لیکن اسقدر ترک دنیا ناپسند کرتے تھے، جس سے انسان اپنی عزت نہ قائم رکھ سکے، اور دوسروں کیساتھ

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۷، یہ واقعہ مختصراً ابن سعد میں بھی ہے،

سلوک نہ کر سکے۱؎ اس لئے کسب معاش کے لئے تجارت کا پاک شغل اختیار کیا تھا، روغن زیتون وغیرہ کی تجارت کرتے تھے۲؎

ایک زمانہ میں حکومت کی طرف سے وظیفہ ملتا تھا، لیکن پھر اسے لینا بند کر دیا تھا، ان کے وظیفہ کی تیس ہزار سے زیادہ رقم بیت المال میں جمع تھی، کئی مرتبہ انھیں اس کے لینے کے لئے بلایا گیا، لیکن انھوں نے انکار کر دیا، اور کہا مجھے اس وقت تک اس کی حاجت نہیں ہے جب تک خدا میرے اور بنی مروان کے درمیان فیصلہ نہ کر دے۳؎،

حلیہ ولباس، آخر عمر میں سر اور داڑھی دونوں کے بال سپید ہو گئے تھے، جو کبھی یوں ہی رہتے تھے، اور کبھی داڑھی میں خضاب کرتے تھے، مونچھیں کبھی بہت باریک اور کبھی ذرا موٹی کترواتے تھے، لباس میں کوئی خاص اہتمام نہ تھا، لیکن بالعموم اچھا پہنتے تھے، سپید لباس زیادہ مرغوب خاطر تھا، اور زردی زیادہ استعمال کرتے تھے، عمامہ البتہ سیاہ ہوتا تھا، کبھی سپید عمامہ بھی باندھ لیتے تھے، کبھی کبھی کلاہ بھی استعمال کرتے تھے، طیلسانی کپڑا زیادہ مرغوب تھا، اس میں کتان کی گھنڈی ہوتی تھی، کبھی باریک ابریشم کی چادر استعمال کرتے تھے، کپڑے پورے پہنتے تھے، ازار، قمیص، لمبا کرتا، موزہ اور عمامہ، کبھی کبھی پاجامہ بھی پہنتے تھے۴؎،

۲۷۔ سلمہ بن دینار

نام ونسب، سلمہ نام، ابو حازم کنیت، نسلاً عجمی تھے، ان کے والد دینار ایرانی تھے، اور ان کی ماں رومی تھیں، ابن سعد بن ابی سفیان مخزومی کے غلام تھے، اس نسبت سے مخزومی کہلاتے تھے،

فضل وکمال، اگرچہ وہ ماں باپ دونوں کی جانب سے عجمی نژاد تھے، لیکن اسلام کے فیض

۱؎ مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۳۱، ۲؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۴، ۳؎ ایضاً ص ۹۵، ۴؎ ایضاً ص ۱۰۲ و ص ۱۰۳،

مسادات نے ان کو مدینہ کے شیوخ اور وہاں کے عابد وزاہد علماء کے گروہ میں شامل کردیا تھا[1]

حافظ ذہبی لکھتے ہیں "الواعظ الزاھد عالم المدینۃ وشیخھا"[2] امام نووی لکھتے ہیں:

ان کی توثیق وجلالت اور مدح وثنا پر سب کا اتفاق ہے[3]

حدیث | حدیث کے بڑے حفاظ میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقۃ کثیر الحدیث[4]

حدیث میں انھوں نے صحابہ میں سہیل بن سعد الساعدیؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے خرمن علم سے خوشہ چینی کی تھی، لیکن محدثین کے نزدیک آخرالذکر دونوں بزرگوں سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے، غیر صحابی علماء میں ایک جماعت کثیر سے روایتیں کی ہیں، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں ابو امامہ بن سہل بن حنیف، سعید بن مسیب، عامر بن عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن ابی قتادہ، نعمان بن ابی عیاش، یزید بن رومان، عبیداللہ بن مقسم، ابراہیم بن عبدالرحمٰن، بعجہ بن عبداللہ، ابو صالح السمان، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن اور ابن منکدر وغیرہ،

زہری، عبیداللہ بن عمرو بن اسحٰق، ابن عجلان، ابن ابی ذئب، مالک، حماد، سفیان، سلیمان بن بلال، سعید بن ابی ہلال، عمرو بن علی، ابو غسان المدنی، ہشام بن سعد، وہیب بن خالد، ابو صخر حمید بن زیادہ الخراط، اسامہ بن زید لیثی، محمد بن جعفر بن ابی کثیر اور افلح بن سلیمان المزنی وغیرہ آپ کے حلقۂ تلامذہ میں ہیں[5]

فقہ | فقہ میں بھی انھیں پورا درک تھا، اور وہ مدینہ کے مشہور فقیہ تھے، حافظ ذہبی، اور امام نووی سب انھیں فقہا میں لکھتے ہیں[6] حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ النفس تھے، ان کے مناقب بہت ہیں، وہ فقیہ ثبت اور بلند مرتبہ تھے[7] ان کے تفقہ کی ایک سند یہ ہے، کہ وہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۹، [2] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۰۱، [3] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۴۴، بحوالہ ابن سعد [4] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۴۳، [5] دیکھو تذکرۃ الحفاظ و تہذیب الاسماء حوالہ مذکور، [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۹،

مدینۃ الرسول کے قاضی تھے[۱]

وعظ و پند | مدینہ میں وعظ و پند کے فرائض بھی انجام دیتے تھے[۲]

زہد و عبادت | عبادت و ریاضت کے لحاظ سے ان کا شمار صلحائے مدینہ میں تھا، ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ مدینہ کے عابد و زاہد لوگوں میں تھے[۳]، حافظ ذہبی، امام نووی اور ابن حجر وغیرہ سب انکے نام کے ساتھ "زاہد" کا لقب لکھتے ہیں، غرض جماعت تابعین میں وہ ہر اعتبار سے نہایت ممتاز تھے، محمد بن اسحٰق بن خزیمہ کا بیان ہے کہ ان کے زمانہ میں کوئی ان کا مثل نہ تھا[۴]،

امراء اور سلاطین سے بے نیازی | امراء و سلاطین سے ہمیشہ بے نیاز رہے، کبھی ان کی آستان بوسی کا ننگ گوارا نہ کیا، سلیمان بن عبد الملک نے ایک مرتبہ ان کو امام زہری کی وساطت سے بلا بھیجا، اونھوں نے زہری سے کہا اگر اس کو مجھ سے کوئی ضرورت ہے تو اوس کو خود میرے پاس آنا چاہئے، رہا میں تو میری اس سے کوئی ضرورت نہیں ہی[۵]،

عقل و فرزانگی | مذہبی اور اخلاقی کمالات کے ساتھ ان کو حکمت سے بھی وافر حصہ ملا تھا عبد الرحمن ابن زید بن اسلم کا بیان ہے، کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا، ابو حازم کے منہ سے زیادہ جس کے منہ سے حکمت قریب ہو[۶]، ابن خزیمہ کا بیان ہے کہ حکم و مواعظ میں ان کے زمانہ میں کوئی ان کا مثل نہ تھا[۷]،

حکیمانہ مقولے | آپ کے بعض حکیمانہ مقولوں سے آپ کی حکمت کا اندازہ ہو سکتا ہی، فرماتے تھے کہ وہ تمام اعمال جن کی وجہ سے موت کا آنا گراں گذرتا ہو ان کو چھوڑ دو، پھر جس وقت بھی موت آجائے تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، جو بندہ اپنے اور اپنے رب کے درمیانی فرائض و تعلقات

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۱۴۴، [۲] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۱۱۹، [۳] تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۱۴۴، [۴] تہذیب الاسماء ج ۲ صفحہ ۲۰۰، [۵] تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۱۴۴، [۶] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۱۱۹، [۷] شذرات الذہب صفحہ ۲۰۵

کو اچھے اور درست رکھتا ہے تو خدا اس کے اور دوسرے بندوں کے درمیان تعلقات کو درست رکھتا ہے، اور جو بندہ اپنے اور خدا کے درمیانی فرائض میں کوتاہی کرتا ہے، تو خدا اس کے اور دوسرے بندوں کے درمیانی فرائض میں کوتاہی پیدا کر دیتا ہے، ایک شخص سے تعلقات خوش گوار رکھنا بہت سے لوگوں کے ساتھ تعلقات خوشگوار رکھنے سے زیادہ آسان ہے یعنی اگر ایک خدا سے تعلقات خوشگوار ہوں تو ساری دنیا سے خوشگوار ہو جائینگے ایک مرتبہ خلیفہ ہشام نے آپ سے پوچھا کہ میں حکومت کی ذمہ داریوں کے مواخذہ سے کس طرح بچ سکتا ہوں، فرمایا بہت آسان ہے ہر چیز کو جائز طریقہ سے لو، اور جائز مصرف میں اس کو صرف کرو، ہشام نے کہا یہ وہی شخص کر سکتا ہے، جس کو ہوائے نفس سے بچنے کی خدا کیجانب سے تائید حاصل ہو[۱]،

وفات، سنہ ۱۴۰ھ میں وفات پائی[۲]،

۳۰- سلیمان بن طرخان تیمی

نام ونسب، سلیمان نام، ابو معتمر کنیت، نسباً مری تھے، لیکن بنی تیم میں بود و باش اختیار کر لینے کی وجہ سے تیمی مشہور ہو گئے تھے، بصرہ کے بڑے عابد و زاہد تابعین میں تھے کان من العباد المجتھدین[۳]،

فضل وکمال، اگرچہ سلیمان کا طغرائے کمال ان کا زہد و ورع اور ریاضت و عبادت ہے، لیکن علمی حیثیت سے بھی وہ بصرہ کے علمائے کبار میں تھے، حافظ ذہبی حافظ امام اور شیخ الاسلام کے القاب کے ساتھ ان کا تذکرہ کرتے ہیں[۴]،

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۹، [۲] ایضاً، [۳] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۱۸، [۴] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۵،

حدیث، حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے، علامہ ابن سعد انھیں ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں[۱]

اس عہد کے اکابر محدثین ان کی فقط حدیث دانی کے معترف تھے، سفیان ثوری کہتے تھے کہ بصرہ کے حفاظ تین ہیں، ان میں ایک سلیمان کا نام تھا،[۲]

صحابہ میں انھوں نے انس بن مالک رضؓ اور تابعین میں حسن بصری، اعمش، قتادہ، طاؤس، ابو اسحٰق سبیعی، ابو عثمان نہدی، ابو نضرہ عبدی، نعیم بن ابی ہند، ابی المنہال، ثابت البنانی، ابو مجلز، یزید بن عبد اللہ بن شخیر، معبد بن ہلال اور یحییٰ بن معمر وغیرہ سے استفادہ کیا تھا،[۳]

ان کی مرویات کی تعداد دو سو تک پہنچتی ہے،[۴] ان کی ثقاہت و صداقت کا یہ پایہ تھا کہ شعبہ ان سے زیادہ کسی کو سچا نہ سمجھتے تھے[۵] اس لئے ان کے شک کو بھی یقین کا درجہ دیتے تھے[۶]

احتیاط فی الروایہ، اس حفظ کے باوجود وہ حدیث بیان کرنے میں اتنے محتاط تھے کہ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے وقت ان کا رنگ بدل جاتا تھا[۷]

ان کے تلامذہ کا دائرہ خاصہ وسیع تھا، ان میں معتمر، شعبہ، دونوں سفیان، زائدہ، زہیر، حماد بن سلمہ، ابن علیہ، ابن مبارک، عبد الوارث بن سعید ابراہیم بن سعد، جریر، حفص بن غیاث، عیسیٰ بن یونس، معاذ بن معاذ، ہشیم، قطان اور محمد بن عبد اللہ انصاری لائق ذکر ہیں،[۸]

زہد و ورع، لیکن ان کا اصل طغرائے کمال ان کا زہد و ورع اور ان کی عبادت و ریاضت ہے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ بڑے سخت عبادت گذار لوگوں میں تھے[۹] ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں، کہ وہ عابد و زاہد قائم اللیل صائم النہار اور خدا کے مطیع لوگوں میں تھے،[۱۰]

۱؎ ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۰، ۲؎ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۰۲، ۳؎ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۰۱، ۴؎ ایضاً۔
۴؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۵، ۵؎ ایضاً، ۶؎ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۰۱۔ ۷؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۵
۸؎ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۰۱، ۹؎ ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۱۰، ۱۰؎ شذرات الذہب ج اول ص ۲۱۲،

خشیت الٰہی | خدا کا خوف ان کی رگ وپے میں جاری وساری تھا، یحیی القطان کہتے تھے، کہ میں نے سلیمان سے زیادہ خدا کا خوف کرنے والا نہیں دیکھا[1]،

عبادت وریاضت، | ساری ساری رات عبادت کرتے تھے، عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے تھے، ان کے صاحبزادے معتمر بھی باپ کا صحیح نمونہ تھے، دونوں باپ بیٹے رات بھر گھوم گھوم کر مختلف مسجدوں میں نماز پڑھتے تھے[2]، معتمر کا بیان ہے کہ چالیس سال تک انھوں نے عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی[3]، ہر سجدہ میں ستر مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہتے تھے، اور عصر سے لے کر مغرب تک تسبیح پڑھتے تھے[4]،

روزوں کے ساتھ بھی یہی شغف تھا، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے، کہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن ناغہ دیکر[5]،

صدقہ وخیرات، | صدقہ بکثرت کرتے تھے، جریر کا بیان ہے کہ سلیمان ہر وقت صدقہ کیا کرتے تھے، جب صدقہ کے لئے کوئی چیز نہ ملتی تھی تو اس کے بدلہ میں دو رکعت نماز ہی پڑھ لیتے[6]،

حسن عمل | غرض ان کی زندگی کا ہر لمحہ حسنِ عمل میں گذرتا تھا، حماد بن سلمہ کا بیان ہے کہ جب ہم عبادتِ خدا کے اوقات میں سلیمان کے پاس جاتے تو ان کو اطاعت ہی کرتے پاتے، معلوم ہوتا تھا کہ ان میں معصیت کا مادہ ہی نہ تھا[7]،

مواخذہ کا خوف | لیکن اس زاہدانہ زندگی کے باوجود انھیں اپنے اعمال پر اعتماد نہ تھا، کہ خدا کے یہاں کیا معاملہ پیش آنے والا ہے، فضیل بن عیاض کا بیان ہے کہ سلیمان سے کسی نے کہا کہ آپ آپ ہی ہیں، آپ کے مثل کون ہے، فرمایا ایسا نہ کہو مجھے نہیں معلوم کہ میرا رب میرے ساتھ کیا معاملہ کریگا،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۳۵، [2] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص۱۸، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۳۵، [4] ایضاً، [5] ایضاً [6] ایضاً [7] ایضاً،

اس لئے کہ اس نے خود فرمایا ہے کہ بدا لھم من اللہ مالم یکونوا یحتسبون ان کے لئے اللہ کی جانب سے ایسی بات ظاہر ہوگی، جس کا وہ لوگ گمان بھی نہ کرتے تھے،[۱]

ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں مواخذہ کا خوف کرتے تھے، سعید بن عامر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سلیمان بیمار ہوئے، بیماری کی حالت میں رونے لگے، کسی نے پوچھا رونے کا کیا سبب ہے؟ فرمایا ایک مرتبہ میں ایک قدری کے پاس سے گذرا تھا، تو اسے سلام کیا تھا، مجھے خوف ہے، کہ اس کا مجھ سے مواخذہ نہ کیا جائے،[۲]

امر بالمعروف ونہی عن المنکر: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی حسن عمل کا ایک بڑا درجہ ہے، سلیمان اس کو ایک ضروری فرض سمجھتے تھے اور امراء کے قصور و محلات میں جا کر اس فرض کو ادا کرتے تھے،[۳]

ایک لائق غور نکتہ: زمانہ کا کوئی دور سہولت پسند افراد بلکہ جماعتوں سے خالی نہیں رہا ہے، اور آج کل تو ہر شخص مذہب میں آسانی ڈھونڈھتا ہے، اس قبیل کے اشخاص آسانی کے لئے کسی خاص مسلک کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے اور دلیل یہ دیتے ہیں، کہ جب تمام ائمہ برحق، ان کی رائیں صحیح اور ان کے مسلک درست ہیں، تو پھر کسی خاص امام اور خاص مسلک کی پابندی کیوں ضروری ہے، اور "الدین یسر" کے ماتحت ان سب کے آسان مسائل کیوں نہ اختیار کئے جائیں، سلیمان اس قسم کی سہل پسندی کے مفاسد میں ایک دلچسپ نکتہ ارشاد فرماتے تھے کہ اگر تمام علماء کی "رخصتوں" یعنی جائز کردہ چیزوں اور ان کی لغزشوں کو تم اختیار کر لو تو تمہاری ذات میں ساری برائیاں جمع ہو جائیں گی،[۴]

وفات: ۱۴۳ھ میں وفات پائی،[۵] وفات کے وقت ستاون[۵] سال کی عمر تھی،[۶]

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۵، [۲] ایضاً، [۳] طبقات کبریٰ امام شعرانی ج اول ص ۳۲، [۴] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۵، [۵] ابن سعد ج، ق ۲ ص ۱، [۶] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۰۱،

۳۱۔ سلیمان بن یسارؒ

نام و نسب، سلیمان نام، ابو تراب کنیت، ام المومنین حضرت میمونہؓ کی غلامی کا شرف رکھتے تھے، پھر انھوں نے ان کو مکاتب بنا دیا تھا، اس غلامی نے سلیمان کو علم و عمل کی دولت سے مالا مال کر دیا تھا،

حرم نبوی میں آمد و رفت، حضرت میمونہؓ کی غلامی کے توسل سے سلیمان حضرت عائشہؓ وغیرہ کی خدمت میں آتے جاتے تھے، اور وہ ان کی غلامی کے زمانہ تک ان سے پردہ نہ کرتی تھیں، چنانچہ خود سلیمان کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر باریابی کی اجازت چاہی، آپ نے آواز پہچان کر فرمایا تم نے آزادی کے متعلق جو طے کیا تھا، اسے پورا کیا؛ میں نے عرض کیا ہاں، لیکن ابھی تھوڑا سا باقی ہے، فرمایا تو اندر چلے آؤ، تم اس وقت تک غلام ہو جب تک تمھارے ذمہ کچھ بھی باقی ہے[1]،

فضل و کمال، سلیمان اولاً خود ذاتی صلاحیت اور استعداد کے لحاظ سے نہایت ذہین اور سمجھدار تھے[2]، پھر انھیں ام المومنین کی غلامی کے تعلق سے مدینہ میں رہنے اور صحابہ کرام کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا تھا، اس لئے وہ مدینہ کے ممتاز ترین علماء میں ہو گئے[3]، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت اور علمی کمال پر سب کا اتفاق ہے[4]،

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۱، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۰، [3] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۳۴
[4] ایضاً ص ۳۵،

قرآن | ان کو قرآن، حدیث، فقہ جملہ علوم میں درک تھا، قرآن کے ممتاز قاریوں میں تھے[1]

حدیث | جس گھر کے وہ خادم تھے وہ حدیث نبوی کا سرچشمہ تھا، اس لئے اس سے سیراب ہونے کا ان سے زیادہ کسے موقع مل سکتا تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ عالی مرتبہ، رفیع المنزلت فقیہ اور کثیر الحدیث تھے[2]

انھوں نے حدیث میں ام المومنین عائشہؓ صدیقہ اور میمونہؓ کے خرمن کمال سے زیادہ خوشہ چینی کی تھی، ان کے علاوہ اکابر صحابہ میں زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، فضل بن عباسؓ، ابوہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ، مقداد بن اسودؓ، عبداللہ بن خذافہ سہمیؓ، اور عام محدثین میں جعفر بن عمرو بن امیہ ضمری، عبداللہ بن حارث بن نوفل، عبدالرحمٰن ابن جابر، عراک بن مالک، مالک بن ابی عامر اصبحی وغیرہ سے فیض یاب ہوئے تھے[3]

تلامذہ | حدیث میں ان کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، عمر بن دینار، عبداللہ بن دینار، عبداللہ بن فضل ہاشمی، ابوالزناد، بکیر بن الاشج، جعفر بن عبداللہ ابن حکم، سالم ابوالنضر صالح بن کیسان، عمرو بن میمون، محمد بن ابی حرملہ، زہری، مکحول، نافع، یحیٰی بن سعید انصاری، یعلی بن حکیم اور یونس بن سیف وغیرہ[4]

فقہ | سلیمان کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا، اس میں وہ امامت اور اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ علم اور ائمہ اجتہاد میں تھے[5] وہ مدینہ کے ان سات مشہور فقہا میں تھے جو اس عہد کے امام فقہ مانے جاتے تھے[6] مسائل طلاق کے خصوصیت کے ساتھ بڑے عالم تھے، قتادہ کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ مدینہ گیا، اور لوگوں سے پوچھا کہ یہاں طلاق کے مسائل کا

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۹، [2] ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۱، [3] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۸، [4] ایضاً، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۹، [6] تہذیب الاسماء و تذکرۃ الحفاظ، حوالہ مذکور،

سب سے بڑا عالم کون ہے، لوگوں نے سلیمان بن یسار کا نام بتایا،[۱]

بعض علما، فقہ میں انھیں ان ائمہ پر جن کی علمی عظمت مسلم تھی، ترجیح دیتے تھے، چنانچہ محمد بن حنفیہ کے صاحبزادے حسن انھیں سعید بن مسیب سے زیادہ فہیم سمجھتے تھے، خود ابن مسیب آپکے اتنے معترف تھے کہ جب ان کے پاس کوئی مستفتی آتا تھا، تو اسے سلیمان کے پاس بھیجدیتے تھے[۲] اور فرماتے تھے موجودہ لوگوں میں سب سے بڑے عالم وہی ہیں[۳]،

زہد و ورع، زہد و عبادت کے اعتبار سے بھی ممتاز شخصیت رکھتے تھے، ابو زرعہ کا بیان ہے کہ سلیمان بن یسار مدنی فاضل اور عبادت گذار تھے،[۴] عجلی ان کے فضائل علمی کے ساتھ ان کی عبادت و ریاضت کی شہادت دیتے ہیں،[۵]

عفت، بڑے عفیف و پاک دامن تھے، اگرچہ تابعین کی مقدس جماعت کے لئے عفت و پاک دامنی کوئی بڑا وصف نہیں ہے، لیکن ترغیبات اور آزمائش و امتحان کے موقع پر پورا اترنا ہر شخص کے لئے کمال ہے، سلیمان نہایت حسین و جمیل شخص تھے ایک مرتبہ ایک عورت نے آپکے گھر کے اندر آکر دام ڈالنا چاہا، آپ گھر سے نکل کر بھاگ گئے،[۶]

وفات، آپ کے زمانہ وفات کے بارہ میں کئی روایتیں ہیں، ان سب میں زیادہ معتبر یہ ہے کہ ۱۰۷ھ میں وفات پائی، وفات کے وقت ۷۳ سال کی عمر تھی،[۷]

---

[۱] ابن خلکان ج اول صفحہ ۲۱۳، [۲] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۷۹، [۳] شذرات الذہب ج اول صفحہ ۱۳۴، [۴] تہذیب الاسماء ج اول ق اول صفحہ ۲۳۵، [۵] تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۲۳۰، [۶] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۸۰، [۷] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۳۰

۳۲- قاضی شریح بن حارث،

نام ونسب، شریح نام ابوامیہ کنیت نسب نامہ یہ ہے، شریح بن حارث بن قیس بن الجہم ابن معاویہ بن عامر بن رائش بن حارث بن معاویہ بن ثور بن مرتع بن کندہ کندی، بعض روایتوں میں نسب نامہ کے اوپر کے ناموں میں کچھ تھوڑا سا اختلاف ہے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ شریح نسلاً عرب نہ تھے، بلکہ عجم کے ان خانوادوں میں سے تھے، جو کندہ کے حلیف بن کر یمن میں آباد ہوگئے تھے،

عہد رسالت، شریح عہد رسالت میں موجود تھے، اور بعض روایتوں کے مطابق وہ آنحضرت صلعم کے شرف زیارت سے بھی مشرف ہوئے، لیکن یہ بیان صحیح نہیں ہے، اسلام کے شرف سے تو بیشک وہ اسی عہد میں مشرف ہوگئے تھے، لیکن دولت دیدار سے محروم رہے، حافظ ابن حجر کا بھی یہی فیصلہ ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ خلفاء اربعہ کے زمانہ کے شریح کے حالات بہت ملتے ہیں، لیکن کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا، جس سے رسول اللہ صلعم سے اون کی ملاقات ثابت ہوتی ہو[1]

علامہ ابن سعد اور حافظ ابن عبد البر وغیرہ تمام ارباب سیر وطبقات اسی کے قائل ہیں، اور شریح کو تابعین ہی میں شمار کرتے ہیں، البتہ تابعین کے زمرہ میں وہ نہایت ممتاز شخصیت رکھتے تھے، اور تاریخ اسلام کے مشہور قاضی تھے،

فضل وکمال، شریح نے بہت سے اکابر صحابہ کو پایا تھا، اور ان کی صحبت اٹھائی تھی پھر وہ فطرۃً

[1] اصابہ ج ۲ صد ۲۰۲،

نہایت ذہین و طباع تھے[1]، اس لئے علمی اعتبار سے اونھوں نے اپنے اقران میں نہایت ممتاز حیثیت حاصل کر لی تھی، امام نووی لکھتے ہیں کہ شریح کی توثیق، دینداری، فضل و کمال، ذکاوت اور ان کی روایات سے احتجاج پر سب کا اتفاق ہے[2]، حافظ صفی الدین خزرجی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے جلیل القدر اور ذکی علماء میں تھے[3]،

حدیث بصرہ کے ممتاز حفاظ حدیث میں تھے، صحابہ میں انھوں نے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، زید بن ثابتؓ جیسے اکابر کے خرمن کمال سے خوشہ چینی کی تھی، امام شعبی، ابو وائل، قیس بن ابی حازم، ابن سیرین، عبد العزیز بن رفیع، مجاہد بن جبیر، عطار بن سائب، انس بن سیرین، اور ابراہیم نخعی جیسے ائمہ ان کے زمرہ تلامذہ میں تھے[4]،

فقہ اگرچہ شریح حدیث کے بھی حافظ تھے، لیکن ان کا خاص فن فقہ تھا، حافظ ذہبی اور ابن حجر وغیرہ ان کا خصوصی فن فقہ ہی کو شمار کرتے ہیں، اور ان کے نام کے ساتھ فقیہ کا لقب لکھتے ہیں[5]، وہ مرکز فقہ کوفہ کی جماعت افتاء کے ایک رکن تھے[6]،

قیافہ و شاعری حدیث و فقہ کے علاوہ وہ عرب کے مروجہ فنون قیافہ اور شاعری میں بھی درک رکھتے تھے[7] شاعری میں اتنا کمال حاصل تھا کہ بعض مواقع پر وہ نظم میں فیصلہ دیتے تھے، عرب میں شاعری کا اتنا چرچا تھا، کہ عورتیں تک اس شراب سے مست تھیں، ایک مرتبہ ایک عورت کے خلاف جس کے ایک لڑکا تھا اور اپنے شوہر کی موت کے بعد اس نے دوسری شادی کر لی تھی، اس کی ساس نے قاضی شریح کے یہاں دعوی دائر کیا، عورت کا دعویٰ تھا کہ لڑکے کی ولی وہ ہے، کیونکہ اس کی ماں ہے، اور ساس کا دعویٰ تھا کہ بہو کے عقد ثانی کے بعد حق

---

[1] استیعاب ج ۲ ص ۶۷، [2] تہذیب الاسماء اول ق اول ص ۲۴۴، [3] تہذیب الکمال ص ۱۲۵، [4] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۴۴، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۱ و تہذیب التہذیب حوالہ مذکور، [6] اعلام الموقعین ج اول ص ۲۱، [7] ابن سعد ج ۶ ص ۹۰،

تولیت اسے ملنا چاہئے، ساس نے نظم میں اپنا دعویٰ پیش کیا،

یا ابا امیۃ ایتناك	وانت المرأ ناتیہ
اتاك ابنی واُمارہ،	وکلتا نا نفدیہ
تزوجت فھاتیہ	ولا یذھب بك التیہ
فلوکنت تایمت،،	مما نازعتنی فیہ
الا یا ایھا القاضی	ھذی قصتی فیہ

یعنی ابو امیہ ہم آپ کے پاس انصاف کے لئے آئے ہیں، میرا لڑکا (پوتا) اور اسکی ماں تیرے پاس آگئے ہیں اور ہم دونوں اس پر فدا ہیں (بہو سے خطاب) جب تم نے دوسری شادی کرلی تو لڑکا مجھے دیدو زبردستی مت کرو، بیوہ ہوجانے کے بعد تم اس کے بارہ میں مجھ سے کیوں جھگڑا کرتی ہو، (قاضی سے خطاب) قاضی صاحب لڑکے کے بارہ میں ہم دونوں کا یہ قصہ ہے،

بہو نے ساس کے دعویٰ کا یہ جواب دیا،

"یا ایھا القاضی	قد قالت لك الجدہ
وقول- فاستمع منی	ولا تبطرنی ردہ
اعزی النفس عن ابنی	وکبدی حملت کبدہ
فلما کان فی حجری	یتیما ضائعا وحدہ
تزوجت رجاء الخیر	من یکفینی فقدہ،
ومن یظھر لی وُدہ	ومن یکفل لی رفدہ

قاضی صاحب دادی یعنی میری ساس کا بیان آپ نے سن لیا اب میرا بھی سنئے، اور اوس کو رد نہ کیجئے، میں اپنے لڑکے سے اپنے دل کو تسلی دیتی ہوں، میں نے ہمیشہ اس کو کلیجے سے لگائے

رکھا ہے، میری بیوہ گود میں تنہائی کی وجہ سے اس یتیم کے ضائع جانے کا خطرہ تھا، اس لئے میں نے اس کی بھلائی اور اس کی نگہداشت کے خاطر ایسے شخص سے شادی کر لی جو اسکو ضائع نہ ہونے دے، اور اس کی کفالت کر سکے[1]

چونکہ ساس بہو دونوں نے نظم میں دعویٰ پیش کیا تھا، اس لئے قاضی شریح نے نظم ہی میں اس کا یہ فیصلہ دیا،

قد فهم القاضی ما قلتما　　وقضی بینکما ثم فصل

بقضاء بیّن بینکما　　وعلی القاضی جهد ان عقل

قال للجدة لا تبنی بالصبی　　وخذی ابنک من ذات العلل

انها لو صبرت کان لها　　قبل دعواها تبغیها البدل

تم دونوں نے جو کچھ کہا قاضی نے اسے سمجھا، اور تم دونوں کے درمیان ایک واضح فیصلہ کر دیا۔ اگر قاضی سمجھدار ہو تو اس پر کوشش کرنا فرض ہے، پھر دادی سے کہا لڑکے کو اس حیلہ ساز سے لے لو، اگر یہ صبر کرتی تو بچہ اسکے پاس رہتا،

قضا کی استعداد و قابلیت، ایک قاضی کے لئے جن اوصاف اور قابلیتوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ تمام شریح کی ذات میں بدرجۂ اتم موجود تھیں، فضل و کمال کا حال تم اوپر پڑھ چکے ہو، طبعاً وہ نہایت ذہین، ذکی، طباع، فریس اور فہیم تھے،[2] پیچیدہ سے پیچیدہ اور ظاہر فریب سے ظاہر فریب معاملات کی تہ تک پہنچ جاتے تھے، اس کی مثالیں آیندہ آئیں گی، ان اوصاف نے ان میں قدرۃً قضا کی نہایت اعلیٰ استعداد پیدا کر دی تھی، حضرت علیؓ جیسے لسان رسالت سے اقضاھم علی، کی سند ملی تھی، شریح کو "اقضی العرب" عرب کا سب سے بڑا قاضی فرماتے تھے،[3]

عہدۂ قضا پر تقرر، عہدۂ قضا پر تقرر سے پہلے ان کی یہ استعداد و صلاحیت مشہور ہو چکی تھی، اور

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۹۷، [2] استیعاب ج ۲ ص ۲، [3] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۴۳،

لوگ متنازعہ فیہ معاملات میں ان کو حَکَم بناتے تھے، چنانچہ اسی سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے ان کے ایک فیصلہ کو دیکھ کر انھیں کوفہ کا قاضی بنا دیا،

وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے بشرط پسندیدگی ایک گھوڑا خریدا، اور امتحان کے لئے ایک سوار کو دیا، گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغی ہوگیا، حضرت عمرؓ نے اسکو واپس کرنا چاہا، گھوڑے کے مالک نے لینے سے انکار کر دیا، اس پر نزاع ہوئی، اور شریح ثالث بنائے گئے، انھوں نے یہ فیصلہ دیا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کر سواری کی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جا سکتا ہے، ورنہ نہیں[۱]،

ایک دوسری روایت میں اس واقعہ کی شکل یہ ہے کہ گھوڑا امتحان میں ہلاک ہوگیا، حضرت عمرؓ نے اس کو واپس کرنا چاہا، اس پر تنازعہ ہوا، اور شریح حکم مقرر ہوئے، انھوں نے فیصلہ کیا کہ جس کو خریدا ہے اُسے لو، یا جس حالت میں لیا تھا اسی حالت میں واپس کرو، اس فیصلہ پر حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا قاضی بنا دیا[۲]،

قاضی شریح نے اس خدمت کو اس قابلیت، اس خوش اسلوبی اور اس دیانت سے ادا کیا کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے لیکر عبد الملک کے زمانہ تک مسلسل ساٹھ برس قاضی رہے[۳]، اس طویل مدت میں بڑے بڑے انقلابات و حوادث ہوئے، خلافت راشدہ کا دور ختم ہو کر اموی حکومت کا آغاز ہوا، ابن زبیرؓ اور امویوں میں خون ریز معرکہ آرائیاں ہوئیں، ساری دنیائے اسلام میں انقلاب برپا ہوا، لیکن شریح بدستور مسندِ قضا پر متمکن رہے، ابن زبیرؓ اور عبد الملک کی جنگ کے زمانہ میں اپنا دامن بچانے کے لئے صرف چند برسوں کے لئے مستعفی ہو گئے تھے[۴]،

---

[۱] کتاب الاوائل الباب السابع ذکرۃ القضاۃ، [۲] ابن سعد ج ۶ ص ۹۱، [۳] استیعاب ج ۲ ص ۶۰، [۴] ابن خلکان ج اول ص ۲۲۴

فیصلوں میں عدل | ایک قاضی کا سب سے مقدم فرض اور سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ وہ فیصلہ کرنے میں کسی خارجی اور داخلی اثر سے متاثر نہ ہو، اور کسی حالت میں بھی حق و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے، شریح میں یہ وصف اس حد تک تھا کہ وہ قانون اور حق و انصاف کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی شخصیت اور بڑے سے بڑے تعلق کی پرواہ نہ کرتے تھے، ایک معمولی شخص کے مقابلہ میں حضرت عمرؓ کے خلاف فیصلہ دینے کا واقعہ اوپر گذر چکا ہی، اگر ان کا لڑکا بھی قانون کی زد میں آجاتا تھا، تو اس کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کے ایک لڑکے نے ایک ملزم کی ضمانت کی، ملزم بھاگ گیا، شریح نے اس کے بدلہ میں لڑکے کو قید کردیا،[1] ایک مرتبہ ان کے اردلی نے ایک شخص کو کوڑوں سے مارا، انھوں نے مضروب سے اس کو کوڑے لگوائے،[2]

ایک مرتبہ ان کے ایک ہم خاندان نے ایک شخص پر کچھ ناروا ظلم کیا، شریح نے اسکو ایک ستون میں بندھوادیا، جب وہ فیصلہ کرکے اٹھے، تو اس شخص نے کچھ کہنا چاہا، شریح نے کہا مجھ سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ میں نے تم کو نہیں قید کیا ہے، بلکہ حق نے قید کیا ہے،[3]

اس حد تک انصاف، عدل گستری کا کوئی غیر معمولی نمونہ نہیں ہے، شریح کی عدالت کے ایسے واقعات بھی ہیں جن کی مثالیں مشکل سے مل سکتی ہیں، ان کے ایک لڑکے اور چند دوسرے اشخاص کے درمیان کسی حق کے بارے میں جھگڑا تھا، لڑکے نے ان سے واقعات بتاکر پوچھا کہ اگر میرا حق نکلتا ہو اور مقدمہ میں کامیابی کی امید ہو تو میں دعویٰ کردوں ورنہ خاموش رہوں، شریح نے مقدمہ کی نوعیت پر غور کرکے دعویٰ کرنے کا مشورہ کیا، لیکن جب

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۹۲، [2] ایضاً ص ۹۵، [3] ایضاً ص ۹۳،

مقدمہ شریح کے سامنے پیش ہوا، تو انھوں نے لڑکے کے خلاف فیصلہ دیا، فیصلہ دیکر جب گھر واپس آئے تو لڑکے نے کہا اگر میں نے پہلے آپ سے مشورہ نہ کرلیا ہوتا، تو مجھ کو آپ سے کوئی شکایت نہ ہوتی لیکن مشورہ دینے کے بعد آپ نے مجھے ذلیل کیا، شریح نے جواب دیا، جانِ پدر تو مجھے ان لوگوں کے جیسے روے زمین بھر کے آدمیوں سے زیادہ عزیز ہے، لیکن خدا مجھے تجھ سے بھی زیادہ عزیز ہے، جب تو نے مجھ سے مشورہ کیا تو مقدمہ دیکھنے کے بعد مجھے ان لوگوں کا حق نظر آیا، اگر میں اس وقت تجھ سے اس کو ظاہر کردیتا تو تو ان سے صلح کرلیتا، اور ان لوگوں کا حق ضائع ہوجاتا[1]

شہادت میں سچائی کا اہتمام

یوں تو کسی زمانہ میں بھی نہ جھوٹی شہادتوں کا انسداد ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے لیکن شریح حتی الامکان اخلاقی حیثیت سے جھوٹی شہادتوں کو روکنے کی کوشش کرتے تھے، اور گواہوں کو سمجھا کر جھوٹی شہادت سے روکتے تھے، اگر اس میں ناکامی ہوتی تو اسی شہادت پر فیصلہ دیتے، کیونکہ شہادت کے مقابلہ میں ذاتی علم کی کوئی حیثیت نہیں،

ابن سیرین کا بیان ہے کہ شریح کو جب ثبوت کے گواہ مشکوک نظر آتے، لیکن ان کی ظاہری صداقت پر کوئی گرفت نہ ہوسکتی، تو وہ پہلے گواہوں سے کہتے کہ میں نے تم کو طلب نہیں کیا ہے، اگر تم واپس جانا چاہو تو میں تم کو نہیں روکوں گا، تمھاری شہادت پر اس مقدمہ کا فیصلہ ہوگا، تمھاری شہادت سے میرا دامن محفوظ ہوجاتا ہے لیکن تم بھی اپنے کو بچاؤ، اگر گواہ اس سمجھانے پر بھی باز نہ آتا تو چونکہ قاضی کسی گواہ کو شہادت سے نہیں روک سکتا اس لئے شریح مجبوراً اسکی شہادت پر فیصلہ کردیتے، لیکن دوسرے فریق سے کہدیتے کہ مجھ کو یقین ہے کہ تم اس معاملہ میں ظالم ہو، لیکن چونکہ میں اپنے گمان پر فیصلہ نہیں کرسکتا بلکہ ثبوت کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں، اس لئے مجبور ہوں، لیکن یہ امر اپنی جگہ پر ہے کہ جو چیز

[1] ابن سعد [illegible]

خدا نے تم پر حرام کی ہے، میرا فیصلہ اسے حلال نہیں کر سکتا،[۱]

عزیز قریب کی شہادت کا قانون

حدیث میں اعزۂ قریب کی شہادت کی کوئی ممانعت نہیں ہے، اس لئے ایک عزیز کے مقدمہ میں دوسرے ثقہ عزیز کی شہادت قبول کرنے میں کوئی مذہبی رکاوٹ نہیں ہے، ابن ابی شیبہ کا بیان ہے کہ قاضی شریح نے عزیز کے مقابلہ میں عزیز کی شہادت ناقابل اعتبار قرار دی، اور یہ قانون بنا دیا، کہ لڑکے کی شہادت باپ کے متعلق، باپ کی شہادت لڑکے کے متعلق، بی بی کی شہادت شوہر کے متعلق، شوہر کی شہادت بی بی کے متعلق، آقا کی شہادت غلام کے متعلق، اور غلام کی شہادت آقا کے متعلق اور اجیر کی شہادت اس شخص کے متعلق جس نے اس کو اجرت پر کیا ہو قبول نہیں کیجا سکتی، اس اصول پر وہ اس سختی سے عامل تھے کہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں حسن کی شہادت مسترد کر دی، اس کا واقعہ یہ ہے، کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کی زرہ کہیں گر پڑی اور ایک ذمی کے ہاتھ لگی، حضرت علیؓ نے شریح کی عدالت میں دعوی کیا، شریح نے ذمی سے پوچھا تمہارا کیا جواب ہے، اس نے کہا، میری ملکیت کا ثبوت یہ ہے کہ زرہ میرے قبضہ میں ہے، شریح نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ کے پاس اس کی کوئی شہادت ہے کہ زرہ گر گئی تھی، انھوں حضرت حسنؓ اور قنبر کو شہادت میں پیش کیا، شریح نے کہا قنبر کی شہادت تو قبول کرتا ہوں، لیکن حسنؓ کی شہادت مسترد کرتا ہوں، حضرت علیؓ نے فرمایا آپ نے رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد نہیں سنا ہے کہ الحسن والحسین سید اشباب اھل الجنۃ، شریح نے کہا سنا ہے، لیکن میں باپ کے مقابلہ میں لڑکے کی شہادت معتبر نہیں سمجھتا، اس فیصلہ کو حضرت علیؓ نے تسلیم کر لیا، اور زرہ یہودی کے پاس رہنے دی، اس واقعہ کا یہودی پر اتنا اثر ہوا کہ اسنے خود اقرار کر لیا کہ زرہ آپ ہی کی ہے،

[۱] ابن سعد ج ۶ ص ۹۰،

اور تمھارا دین سچا ہے، مسلمانوں کا قاضی امیر المومنین کے خلاف فیصلہ کرتا ہے، اور وہ بلا چون وچرا اسر خم کردیتا ہے، میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد خدا کے سچے رسول تھے، حضرت علیؓ کو اس کے اسلام سے اتنی مسرت ہوئی کہ اس یادگار میں انھوں نے زرہ اپنی طرف سے اسکو دیدی[1]،

اگرچہ فقہ کی کتابوں میں یہ قانون حدیث کے حوالہ سے ہے، لیکن صاحب نصب الرایہ نے تصریح کردی ہے، کہ یہ حدیث نہیں بلکہ شریح کا قول ہے[2]،

خفیہ تحقیقات شریح سے پہلے اسلامی عدالت میں خفیہ تحقیقات کا طریقہ رائج نہ تھا، سب سے پہلے اسکو شریح نے جاری کیا، چونکہ یہ نئی بات تھی اس لئے لوگوں نے اعتراض کیا کہ تم نے بدعت جاری کی، انھوں نے جواب دیا جب لوگوں نے نئی نئی باتیں جاری کیں تو میں نے بھی جاری کی[3]، (یعنی جب نئے نئے جرائم ہونے لگے تو مجھ کو بھی نئے اصول اختیار کرنے پڑے)

جھوٹے حلف پر سچی شہادت کو ترجیح تنہا حلف کو چنداں اہمیت نہ دیتے تھے، چنانچہ ثبوت کے ساتھ قسم لیتے تھے[4]، کیونکہ وہ ثبوت کو قسم سے زیادہ اہم سمجھتے تھے، ایک مقدمہ میں ایک مدعی نے اپنے فریق سے قسم لی، قسم لینے کے بعد اس کے خلاف ثبوت پیش کیا، شریح نے کہا عادل ثبوت جھوٹی قسم سے زیادہ معتبر ہے[5]،

اہل مقدمہ کو صفائی اور ثبوت کا موقع، مدعی کو ثبوت اور ملزم کو صفائی کا پورا موقع دینا ہر عدالت کا منصبی فرض ہے، اس باب میں شریح میں یہ خاص خصوصیت تھی، کہ وہ مقدمہ فیصل کردینے کے بعد بھی فریقین کو اگر وہ کچھ کہنا چاہتے تو کہنے کی موقع دیتے تھے، احنف کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں شریح کی عدالت میں گیا، انھوں نے ایک شخص کے خلاف فیصلہ دیا، اس نے کہا ابھی جلدی

[1] شذرات الذہب ج اول ص۹۵، [2] نصب الرایہ باب یقبل شہادتہ ومن لا یقبل [3] محاضرۃ الاوائل ص۹۰
[4] ابن سعد ص۹۶، [5] ایضاً ص۹۱،

نہ کیجئے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں، اسے سن لیجئے، شریح نے اسے موقع دیا جب، وہ کہہ چکا تو کہا کیا میں چھوڑ دوں، تم نے بہت فضول باتیں کیں تم نے جو کچھ کہا ہے اس پر ثبوت پیش کرو۔

وہ خود اپنے فیصلے کے خلاف اپیل سننے کے لئے تیار رہتے تھے، چنانچہ کہا کرتے تھے، کہ جو شخص میرے فیصلہ کے خلاف دعوی کرے تو میرا فیصلہ اس وقت تک قائم کرے گا جب تک مدعی اس دعوی کو ثابت نہ کر دے، "حق بہر حال میرے فیصلے کے مقابلہ میں زیادہ حق ہے"[۵۱]

غیر جانبداری، وہ بالکل غیر جانبدارانہ مقدمات کرتے تھے، کسی فریق کے ساتھ کوئی رعایت نہ کرتے تھے، چنانچہ وہ نہ کسی فریق سے جرح میں کمی کرتے تھے، اور نہ کسی فریق کو کوئی پوائنٹ بتاتے تھے[۵۲]

رازداری، مقدمات میں پوری رازداری سے کام لیتے تھے، اور اس کی روئیداد کسی پر بھی ظاہر نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کے لڑکے نے اپنے ایک مقدمہ کے سلسلہ میں کچھ پوچھا، انھوں نے جواب دیا کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم کو تمھارے فریق پر بھڑکاؤں[۵۳]،

خاندانی رواج، مقدمات میں خاندانی رواج کو قبول نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک مرتبہ چند غزالوں نے ایک مقدمہ دائر کیا، ان میں سے بعض نے کہا کہ اس مقدمہ میں ہمارا خاندانی دستور یہ رہا ہے، شریح نے کہا "تمھارے خاندانی دستور تمھارے گھر تک ہیں"[۵۴]!

دلالوں کی مخالفت، شریح کو اہل مقدمہ کے دلالوں کے سخت مخالف تھے، انھیں اپنی عدالت سے نکلوا دیتے تھے، اور لوگوں کو ان سے بچنے کی ہدایت کرتے تھے[۵۵]

رشوت میں احتیاط، رشوت سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا ہے، مہذب دور میں رشوت ہدایا و تحائف کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس سے بچنا بہت مشکل ہے، اسلئے شریح ہدیہ تو قبول کر لیتے تھے لیکن رشوت

---

[۵۱] ابن سعد ج ۶ صہ ۹۲، [۵۲] ایضاً صہ ۹۳، [۵۳] ایضاً صہ ۹۲، [۵۴] ابن سعد ترجمہ شریح، [۵۵] ابن سعد ج ۶ صہ ۹۴، [۵۶] ایضاً صہ ۹۷،

سے محفوظ رہنے کے لئے فوراً اس کا بدل کر دیتے تھے[۱]،

آداب قضا، شریح جب گھر سے عدالت جانے لگتے، تو یہ کلمات کہتے عنقریب ظالم اس حصہ کو جان لے گا، جو اس نے کم کیا ہے، اور ظالم کو سزا کا اور مظلوم کو مدد کا انتظار کرنا چاہئے[۲]،
بھوک اور غصہ کی حالت میں مقدمہ نہ کرتے تھے، اور عدالت سے اٹھ جاتے تھے[۳]،

فیصلوں کی مقبولیت عموماً عدالت کے حکام جمہور کو خوش نہیں رکھ سکتے، عام حالات میں انکے فیصلوں سے کسی نہ کسی جماعت کو شکایت ضروری ہے، لیکن شریح کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی، ان کے فیصلوں سے پبلک بہت مطمئن رہتی تھی، جابر بن زیاد کا بیان ہے کہ شریح ہمارے یہاں بصرہ میں قریب قریب ایک سال تک قاضی رہے، اس قلیل مدت میں انھوں نے ایسی بے مثل قضارت کی کہ اس کے قبل اور مابعد کی تاریخ میں اسکی نظیر نہیں ملتی[۴]،

ان کے فیصلے علمی درس ہوتے تھے، ان کے فیصلے اس قدر پر معلومات اور فاضلانہ ہوتے تھے کہ ان کی عدالت فقہار کی درس گاہ بن گئی تھی، بڑے بڑے علمار فقہی واقفیت حاصل کرنے کے لئے ان کے فیصلے سننے کو آتے تھے مکحول کا جو خود بہت بڑے عالم تھے، بیان ہے، کہ میں چھ مہینہ تک شریح کی عدالت میں معلومات حاصل کرنے کے لئے جاتا رہا، میں ان سے کچھ پوچھتا نہ تھا، ان کے فیصلے میرے معلومات کے لئے کافی ہوتے تھے[۵]،

نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی، چونکہ شریح نہایت ذہین اور طباع تھے، اس لئے وہ اہل مقدمہ کی ظاہری حالت سے دھوکا نہ کھاتے تھے، ایک مرتبہ ایک عورت نے ایک مرد پر استغاثہ دائر کیا، اور عدالت میں آکر زار و قطار رونے لگی، امام شعبی بھی موجود تھے، انھوں نے شریح سے کہا یہ عورت مظلوم معلوم ہوتی ہے، شریح نے کہا رونا مظلومیت کا ثبوت نہیں ہے

۱؎ ابن سعد ج ۶ ص ۹۹، ۲؎ ایضاً ص ۹۳، ۳؎ ایضاً ص ۹۳، ۴؎ ایضاً ص ۹۴، ۵؎ ایضاً ص ۹۵، ۶؎ ایضاً،

برادران یوسف بھی باپ کے پاس روتے ہی ہوئے آئے تھے[1]

فضائل اخلاق | شریح فضائل اخلاق اور عادات وخصائل میں اس عہد سعادت کا بہترین نمونہ تھے،

عبادت | علمی فضائل وکمالات کیسا تھ وہ بڑے دیندار اور عبادت گذار تھے[2] قضا کی ذمہ داریوں اور مشغولیتوں کے باوجود ان کا کافی وقت عبادت میں گذرتا تھا، ان کے غلام ابو طلحہ کا بیان ہے، کہ جب وہ صبح کی نماز پڑھکر واپس آتے تھے تو گھر کے دروازے بند کرکے قریب قریب دوپہر دن تک مشغول رہتے تھے، اور قیاس یہ ہے کہ وہ نماز پڑھتے رہتے تھے[3]

سلام میں سبقت، | طبعًا نہایت خوش اخلاق اور منکسر مزاج تھے، اتنی بڑی شخصیت رکھنے اور ایسے جلیل القدر عہدہ پر ممتاز ہونے کے باوجود سلام میں ہمیشہ خود سبقت کرتے تھے، قاسم کا بیان ہے کہ کوئی شخص سلام میں شریح پر سبقت نہیں کر سکتا تھا، عیسیٰ بن حارث کا بیان ہے کہ میں ہمیشہ سبقت کرنے کی کوشش کرتا تھا، مگر کبھی کامیاب نہ ہوا[4] میران کا اکثر راہ میں سامنا ہوتا تھا، میں اس انتظار میں رہتا کہ اب سلام کروں اب سلام کروں کہ اتنے میں وہ قریب پہنچکر السلام علیکم کہدیتے[5]

فتنہ سے کنارہ کشی، | وہ فتنہ وفساد ناپسند کرتے تھے، ان کی زندگی میں بڑے بڑے سیاسی انقلابات ہوئے، عبدالملک اور ابن زبیر کا ہنگامہ برسوں جاری رہا، جس کی لپیٹ سے بہت کم لوگ محفوظ رہ سکے لیکن شریح کا دامن اس سے بھی بچا رہا، اس ہنگامہ کے زمانہ میں وہ چند برسوں کے لئے مستعفی ہوگئے تھے[6] اس میں پڑنے سے وہ اتنی احتیاط برتتے تھے کہ کسی سے اس کے حالات تک نہ پوچھتے تھے، لوگ بھی ان کی بے تعلقی دیکھکر ان سے کوئی تذکرہ نہ کرتے تھے[7]

---

[1] الطرق الحکمیہ ابن قیم ص ۲۵، [2] تہذیب الاسماء ج اق ا ص ۲۴۴، [3] ابن سعد ج ۶ ص ۹۰، [4] ایضاً ص ۹۱، [5] ایضاً، [6] ابن خلکان جلد اول ص ۲۲۴، [7] ابن سعد ج ۶ ص ۹۷،

دوسروں کی راحت کا لحاظ، دوسروں کی راحت کا اتنا خیال تھا کہ اپنے لیے کسی کو ادنیٰ تکلیف دینا بھی پسند نہ کرتے تھے، اپنے گھر کے تمام پرنالے اندر لگاتے تھے کہ اس کے پانی سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے[1]، اس معاملہ میں وہ اتنے مبالغہ سے کام لیتے تھے کہ اگر ان کے گھر میں کوئی موت ہو جاتی تو دوسروں کی زحمت کے خیال سے کسی کو خبر نہ کرتے، اور راتوں رات دفن کر دیتے، اگر کوئی شخص مریض کی حالت پوچھتا تو کہدیتے، اب سکون ہے، اپنے لڑکوں تک کو انھوں نے بغیر اطلاع دیئے ہوئے دفن کر دیا[2]،

ظرافت وخوش طبعی، طبیعت میں ظرافت وخوش طبعی کا مادہ زیادہ تھا کان رجلا مزاحاً، کبھی کبھی سنجیدہ مواقع پر بھی ان کی ظرافت گلفشانی کر جاتی تھی، ایک مرتبہ عدی بن ارطاۃ نے ان کے سامنے ایک دعویٰ پیش کیا، دونوں میں حسب ذیل گفتگو ہوئی[3]،

عدی	آپ کہاں ہیں ؟
شریح	تمھارے اور دیوار کے بیچ میں،
عدی	میں آپ کے سامنے کچھ باتیں پیش کرنا چاہتا ہوں،
شریح	فرمائیے میں سننے کے لئے تیار ہوں،
عدی	میں شام کا رہنے والا ہوں،
شریح	اتنے دور دراز مقام سے (مزاحاً)
عدی	میں نے آپ کے یہاں شادی کی ہے،
شریح	بالرفاء والبنین، (شادی مبارک ہو)
عدی	میں اپنی بیوی کو ساتھ لیجانا چاہتا ہوں،

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۹۰، [2] ایضاً ص ۹۹، [3] ابن خلکان ج اول ص ۲۲۴،

شریح	شوہر اپنی بیوی کا حقدار اور مختار ہے،
عدی	لیکن اس نے اپنے گھر میں رہنے کی شرط کر لی تھی،
شریح	تو پھر شرط پوری کرنی چاہئے،
عدی	آپ ہمارا فیصلہ کر دیجئے،
شریح	فیصلہ کر دیا،
عدی	کس کے خلاف
شریح	تمھاری ماں کے لڑکے کے (یعنی تمھارے)
عدی	کس کی شہادت پر،
شریح	تمھارے ماموں کی بہن کے لڑکے کی شہادت پر (یعنی خود تمھاری شہادت پر) کیونکہ عدی نے خود اقرار کر لیا تھا کہ بیوی سے گھر میں رہنے کی شرط کر لی تھی،

لطائف، ان کی ظرافت اور بذلہ سنجی کی وجہ سے بعض اوقات دلچسپ لطائف پیش آجایا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک بدوی نے ان سے پوچھا تم کس خاندان سے ہو، اونھوں نے ظرافت میں جواب دیا ان لوگوں میں سے ہوں جن پر خدا نے اسلام سے انعام کیا ہے، یہ جواب سنکر وہ اعرابی ان کے پاس سے چلا گیا، اور لوگوں سے کہا، خدا کی قسم تمھارا قاضی اپنا خاندان بھی نہیں جانتا ایک روایت یہ ہے کہ اس نے یہ کہا کہ تم لوگوں نے مجھ کو ایک غلام کے پاس بھیجدیا[۱] (کیونکہ عموماً غلام یا وہ لوگ جن کا کوئی قابل ذکر خاندان نہ ہوتا تھا، اسلام کی طرف اپنا انتساب بتاتے تھے)

[۱] ابن سعد ج ۶ ص ۱۰۰ و ۹۱،

ان میں اور ابن زیاد میں سخت اختلاف تھا، ابن زیاد پر ایک مرتبہ طاعون کا حملہ ہوا، اس کی سمیت کا اثر داہنے ہاتھ پر زیادہ تھا، اس لئے اطبا نے اس کو کٹوانے کا مشورہ دیا، اس نے شریح سے مشورہ کیا، اونھوں نے کہا دنیا میں رزق کی میعاد مقرر ہے، اور ایک دن موت آنا یقینی ہے، اس لئے میری رائے ہاتھ کٹوانے کی نہیں ہے، اگر ابھی تمھاری زندگی کچھ باقی ہے، تو بغیر ہاتھ کے زندہ رہنا، اور اگر وقت آچکا ہے تو خدا سے ہٹ کٹے ملنا مجھے پسند نہیں ہے، اگر خدا تم سے سوال کریگا کہ تم نے ہاتھ کیوں کٹوایا تو کیا جواب دوگے؟ یہی جواب دوگے کہ تجھ سے ملنے کی نفرت میں اور تیرے فیصلہ سے بھاگنے کے لئے،

غرض ان کے مشورہ پر یا خود تکلیف کے خیال سے اس نے ہاتھ نہیں کٹوایا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی دن مرگیا، لوگوں نے شریح کو بڑی ملامت کی کہ تم نے محض دشمنی کی وجہ سے ہاتھ نہیں کٹوانے دیا، انھوں نے جواب دیا کہ مشیر امین ہوتا ہے اسلئے اگر مجھے اس کی خیرخواہی کا خیال نہ ہوتا تو میں تو یہ چاہتا کہ ایک دن اس کا ہاتھ کاٹا جائے، ایک دن پاؤں کاٹا جائے، اسی طریقہ سے روزانہ اس کے تمام اعضا جوڑ جوڑ اور بند بند کاٹ کر الگ کر دیئے جائیں[1]

ایک مرتبہ اون کی عدالت میں ایک شخص نے ایک گواہ کو جس کا نام ربیعہ تھا پکارا، اس نے کوئی جواب نہ دیا، اس کی خاموشی پر پکارنے والے نے جھلّا کر دوبارہ کافر کہہ کر پکارا، اس خطاب پر وہ بول اٹھا، شریح نے اس پر یہ ظریفانہ الزام لگایا کہ تم نے کفر کا اقرار کرلیا، اس لئے تمھاری شہادت قبول نہیں کی جاسکتی[2]،

وفات، آخر عمر میں ضعف پیری کی وجہ سے مستعفی ہوگئے تھے، استعفا کے کچھ دنوں بعد بیمار پڑے، عمر ایک سو سال سے متجاوز ہوچکی تھی، زیست کی امید باقی نہ تھی، اس لئے

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۲۲۴، [2] ابن سعد ج ۶ ص ۹۵،

دم آخر لوگوں کو ہدایت کی کہ قبر بغلی کھودی جائے، جنازہ کی اطلاع کسی کو نہ دیجائے، جنازہ کے ساتھ نوحہ نہ کیا جائے، جنازہ کو آہستہ آہستہ لیجایا جائے، قبر پر چادر نہ ڈالی جائے، ان وصایا کے بعد انتقال فرمایا، سنہ وفات میں اختلاف ہے، ۶ھ سے لیکر ۹ھ تک کسی سنہ میں انتقال کیا، [1]

حلیہ، شریح اطلس تھے، یعنی فطرۃً داڑھی مونچھ نہ تھی، [2]

تنخواہ، پانسو ماہوار تنخواہ پاتے تھے، [3]

۲۳- صفوان بن سلیم زہری

نام ونسب، صفوان نام، ابو عبداللہ کنیت، والد کے نام میں اختلاف ہے، بعض سلیم اور بعض سلام لکھتے ہیں، مدینہ کے ممتاز تابعین میں تھے،

فضل وکمال، اگرچہ صفوان کا اصل طغرائے کمال انکا زہد وورع تھا، لیکن فضائل علمی سے بھی وہ تہی دامن نہ تھے، حافظ ذہبی ان کو ثقہ حجۃ اور اعلام ہدی میں لکھتے ہیں، [4]

حدیث، حدیث میں انھوں نے عبداللہ بن عمرؓ، انس بن مالکؓ، ابو امامہؓ، سعید بن مسیب، عبدالرحمٰن بن غنم، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن، سعید بن سلمہ، عبداللہ بن سلیمان الاغر، عبدالرحمٰن ابن سعد، اور عطار بن یسار وغیرہ سے فیض اٹھایا تھا، [5] اور زید بن اسلم، ابن منکدر، موسیٰ بن عقبہ، ابن جریج، یزید بن ابی حبیب، مالک بن انس اکابر علماء کی بڑی جماعت انکے تلامذہ میں تھی، [6]

فقہ، فقہ میں بھی انھیں درک تھا، اور ان کا شمار مدینۃ الرسول کے فقہا میں تھا، [7] ابن عماد حنبلی انھیں

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۹۹، [2] ابن خلکان ج اول ص ۲۲۴، [3] ابن سعد ج ۶ ص ۹۵، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۰، [5] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۴۲۵، [6] ایضاً، [7] ایضاً،

فقیہ القدوہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں[1]،

عبادت وریاضت، لیکن انکا امتیازی وصف انکا زہد وورع اور عبادت وریاضت ہی، اس کے علاوہ انکا کوئی مشغلہ ہی نہ تھا، احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ وہ خدا کے بہترین بندوں میں تھے، انکے وسیلہ سے پانی کی دعا کیجاتی تھی[2]۔

وہ بڑی سخت عبادتیں کرتے تھے نیند کے غلبہ کے خوف سے جاڑوں کے موسم میں کھلی چھت پر اور گرمیوں میں بند مکان میں عبادت کرتے تھے کہ سردی اور گرمی کے غلبہ سے نیند نہ آنے پائے، نماز پڑھتے پڑھتے دونوں پاؤں سوج جاتے تھے، اور تھک کر گر پڑتے تھے[3]، سجدوں کی کثرت سے پیشانی زخمی ہو گئی تھی[4]۔

آرام وآسایش سے بچنے کے لئے عہد کر لیا تھا کہ تاعمر بستر استراحت پر آرام نہ کریں گے، اس عہد کے بعد تیس[1] یا چالیس[2] سال زندہ رہے، اور آخر وقت تک برابر اس عہد پر قائم رہے، مرض الموت میں لوگوں نے عرض کیا، خدا آپ پر رحم کرے کیا اب بھی نہ لیٹئے گا، فرمایا اگر لیٹ جاؤں تو عہد پورا نہ ہوگا، لیکن پھر لوگوں کے زیادہ اصرار سے ذرا سی ٹیک لگالی اور اسی حالت میں بیٹھے بیٹھے انتقال ہوا[3]،

عبادت کی معراج کمال، ہر شے کے کمال کی آخری حد یہ ہے کہ پھر اس میں مزید ترقی کی گنجایش باقی نہ رہے، صفوان عبادت کے اسی ذروہ کمال پر فائز تھے، ابوحمزہ کا بیان ہے کہ میں نے صفوان کو عبادت کے اس درجہ پر دیکھا کہ اگر ان سے کہا جاتا، کہ کل قیامت ہی تو جس حد تک وہ پہنچ چکے تھے، اس میں مزید اضافہ نہ ہوسکتا تھا[6]،

انفاق فی سبیل اللہ، خدا کی راہ میں انفاق کا یہ عالم تھا کہ بدن کے کپڑے تک اتار کر دیدیتے تھے

[1] شذرات الذہب ج اول ص ۱۴۹، [2] ایضاً، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۰، [4] ایضاً، [5] ایضاً، وصفوۃ الصفوہ ص ۱۴۵، [6] ایضاً،

ایک شب کو مسجد سے نکلے، سردی سخت تھی، مسجد کے باہر ایک آدمی ننگے بدن نظر آیا صفوان نے اسی وقت اپنے جسم کے کپڑے اتار کر دیدیئے۔[1]

دولت دنیا سے بے نیازی | استغنا اور بے نیازی کے اس درجہ پر تھے، جہاں دولت دنیا کا مطلق گذر نہ تھا، سلاطین اور فرماں روا ان کی خدمت کرنا چاہتے تھے، مگر وہ قبول نہ کرتے تھے، مسجد نبوی میں عبادت کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک مدینہ آیا، اور عمر بن عبدالعزیز کے ہمراہ مسجد نبوی دیکھنے کے لئے گیا، ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد مقصورہ کا دروازہ کھولا تو اس میں صفوان نظر آئے، سلیمان انھیں پہچانتا نہ تھا، عمر بن عبدالعزیز سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں، ان کے بشرہ سے بہتر میں نے آثار نہیں دیکھے، عمر بن عبدالعزیز نے کہا امیر المومنین یہ صفوان بن سلیم ہیں، ان کا نام سنکر اس نے غلام کو پانسو دینار کی تھیلی ان کی خدمت میں پیش کرنے کا حکم دیا، غلام نے لیجا کر پیش کی، اور کہا یہ امیر المومنین کی جانب سے نذر ہے، وہ یہاں موجود ہیں، صفوان نے کہا تم کو دھوکا ہوا ہے، کسی اور کے پاس بھیجی ہوگی، غلام نے عرض کیا آپ صفوان نہیں ہیں؟ فرمایا ہوں تو میں ہی، غلام نے کہا تو آپ ہی کو دیا ہے، فرمایا جاؤ دوبارہ پوچھ آؤ، میں یہیں ہوں، جیسے ہی غلام پوچھنے کے لئے مڑا صفوان فوراً جوتا اٹھا کر مسجد سے نکل گئے، اور پھر جتنی دیر سلیمان مسجد میں رہا صفوان نہ دکھائی دیئے۔[2]

وفات | ۱۳۲ھ میں وفات پائی،

---

[1] صفوۃ الصفوہ ص ۱۴۵ [2] ایضاً،

۴۳۔ صفوان بن محرز

نام ونسب، صفوان نام نسبی تعلق قبیلہ بنی تمیم کی شاخ بنی مازن سے تھا، بصرہ کے عابد و زاہد تابعین میں تھے،

فضل وکمال، علمی حیثیت سے کوئی امتیازی حیثیت نہ رکھتے تھے، تاہم اس سے بالکل تہی دامن نہ تھے، بصرہ کے علمائے باعمل میں شمار تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان لہ فضل وورع[1]، حافظ ذہبی لکھتے ہیں صفوان بن محرز المازنی احد العلماء العاملین[2]،

حدیث میں انھوں نے عبداللہ بن عمرؓ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، عمران ابن حصینؓ اور حکیم بن حزامؓ وغیرہ اکابر صحابہ سے استفادہ کیا تھا،

ابو حمزہ، جامع بن شداد، خالد بن عبداللہ الاشج، عاصم الاحول، قتادہ، محمد بن واسع اور علی بن زید بن جدعان وغیرہ آپ کے زمرۂ تلامذہ میں تھے[3]،

عمل کا درجہ، صفوان کے نزدیک تنہا علم کا کوئی درجہ نہ تھا، بلکہ اس سے اور ذمہ داری بڑھ جاتی تھی، فرماتے تھے کہ ہمکو تنہا خیر کے علم سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، جب تک اس پر عمل نہ کریں کاش میں کچھ نہ جانتا ہوتا[4]،

زہد وعبادت، ان کی پوری زندگی اس اصول کا عملی نمونہ تھی، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ بڑے عابد تابعین میں تھے[5]،

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۰۱، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۲، [3] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۴۳۰،
[4] صفوۃ الصفوہ ص ۱۵۹، [5] ایضاً وتہذیب التہذیب ج ۴ ص ۴۳۰،

گدازِ قلب روح کا آئینہ زنگار اشک سے جلایا تاہے، اور دل کی کھیتی آنسوؤں کی آبیاری سے ہری ہوتی ہے، صفوان کی آنکھیں شمع سوزاں تھیں، انھوں نے ایک کنج یا غار بنالیا تھا جس میں بیٹھ کر رویا کرتے تھے، اور صرف نماز کے اوقات میں اس سے باہر نکلتے تھے، نماز پڑھنے کے بعد پھر فوراً اسی میں چلے جاتے تھے[1]

ذکر و شغل، آپ کا ذکر و شغل حدیث خوانی تھا، جریر کا بیان ہے کہ صفوان اور ان کے بھائی مذاکرۂ حدیث کے لئے جمع ہوتے تھے، اس حلقہ میں جب کیفیت اور رقتِ قلب محسوس نہ ہوتی تو حاضرین ان سے حدیث بیان کرنے کی درخواست کرتے، ان کی زبان سے جیسے ہی الحمد للہ نکلتا، حاضرین پر عجیب کیفیت طاری ہوجاتی، اور مشکیزہ کے منہ کی طرح ان کی آنکھوں سے آنسو پھوٹ نکلتے[2]

قیام لیل، آپ کی عبادت کا خاص وقت شب کا تھا، تہجد نہایت پابندی کے ساتھ پڑھتے تھے[3]

دنیا سے کنارہ کشی، دنیا اور اس کی نعمتوں سے کبھی دامن آلودہ نہ کیا، فرماتے تھے، اگر مجھے کھانے کے لئے روٹی کا ایک ٹکڑا جس سے توانائی قائم رہ سکے اور پینے کے لئے پانی کا ایک کوزہ مل جائے تو پھر مجھے دنیا اور اہلِ دنیا کی ضرورت نہیں[4]

دنیا کو ایک کارواں سرا سے زیادہ نہ سمجھتے تھے، اسی لئے مستقل گھر نہیں بنایا، رہنے کے لئے ایک چھپر تھا، اس کی مرمت تک نہ کراتے تھے، ایک مرتبہ اس کی ایک کڑی ٹوٹ گئی، لوگوں نے کہا اس کو درست کرلیجئے، فرمایا کل مرنا ہے، اگر گھر کا حقیقی مالک اس میں زیادہ ٹھہرنے کا موقع دیتا تو درست کرلیتا[5]

---

[1] ابن سعد ج، ق اول ص ۱۰۱، [2] ایضاً، [3] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۴۲۳،

[4] ابن سعد ج، ق اول ص ۱۰۷، [5] ایضاً و صفوۃ الصفوہ ص ۱۵۹،

خانہ خدا کا احترام، | خانہ خدا میں ہنگامہ آرائی مسجد کے احترام کے خلاف سمجھتے تھے، اور ایسے مواقع پر مسجد سے چلے جاتے تھے، ایک مرتبہ کچھ لوگ مسجد میں لڑ رہے تھے، آپ یہ کہہ کر وہاں سے ہٹ گئے کہ "تم لوگ جنگجو ہو"[۱]،

فرمان رسول کا پاس، | فرمان رسول کا مرتے دم تک پاس رہا، مرض الموت میں گھر والوں سے فرمایا، رسول اللہ صلعم کا یہ فرمان پیش نظر رہے، کہ چلا کر بین کرنے والا، سر نوچنے والا، اور کپڑے پھاڑنے والا ہماری جماعت میں نہیں ہے[۲]،

وفات، | اسی مرض میں وفات پائی، سنہ وفات معین طور پر نہیں بتایا جا سکتا، ابن حبان نے سنہ ۱۰۰ھ لکھا ہے لیکن یہ قابل اعتبار نہیں،

۳۵- طاؤس بن کیسان

نام و نسب، | طاؤس نام، ابو عبد الرحمٰن کنیت، بحیر بن ریسان حمیری کے غلام تھے، ان کے والد نسلاً عجمی تھے لیکن آل ہمدان سے تعلقات پیدا کر کے یمن کے شہر جند میں بود و باش اختیار کر لی تھی،

فضل و کمال | فضل و کمال کے اعتبار سے طاؤس کا شمار کبار تابعین میں تھا، علامہ نووی لکھتے ہیں، طاؤس صاحب علم و فضل اور کبار تابعین میں تھے، ان کی جلالت فضیلت و فور علم اور صلاح و حفظ پر سب کا اتفاق ہے[۳]، ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ امام اور علم و عمل کے اعتبار سے علمائے اعلام میں تھے[۴]

---

[۱] ابن سعد ج ۶ ق اول ص ۱۰۱، [۲] ایضاً، [۳] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۵۱،
[۴] شذرات الذہب ج اول ص ۱۳۳،

حدیث | حدیث کے وہ بڑے حافظ تھے، ان کا حفظ حدیث ارباب علم میں مسلم تھا، پچاس صحابہ
کے دیدار کا شرف حاصل تھا، ان میں عبداللہ بن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، ابن زبیرؓ
زید بن ارقمؓ، زید بن ثابتؓ، ابوہریرہؓ، عائشہ صدیقہؓ، سراقہ بن مالکؓ، صفوان بن امیہؓ، اور جابرؓ
وغیرہ صحابہ کرام کے سرچشمہ علم سے سیراب ہوئے تھے[۲] حبرالامۃ عبداللہ بن مسعودؓ سے خصوصیت کیساتھ
زیادہ استفادہ کیا تھا،[۳]

فقہ، | فقہ میں بڑا پایہ تھا، علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں، کان فقیھا جلیل القدر رفیع الذکر[۴]

تلامذہ، | تلامذہ کا دائرہ بھی خاصہ وسیع تھا، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، آپ کے صاحبزادے
عبداللہ، وہب بن میسرہ، حبیب بن ابی ثابت، حکم بن عتیبہ، حسن بن مسلم، سلیمان بن موسیٰ،
عبدالکریم جزری، عبدالملک بن میسرہ، عمرو بن شعیب، عمرو بن دینار، عمرو بن مسلم، قیس بن
سعد، مجاہد، لیث، ابوسلیم اور ہشام وغیرہ،[۵]

معاصر علماء میں ان کا درجہ، | علمی اعتبار سے ان کا شمار اس عہد کے خواص علماء کے زمرہ میں تھا،
ابن عیینہ کا بیان ہے کہ میں نے عبداللہ بن یزید سے پوچھا کہ تم کن لوگوں کے ساتھ ابن عباسؓ
کے پاس جاتے تھے، اونھوں نے جواب دیا، عطار اور ان کی جماعت کے ساتھ، میں نے
کہا اور طاؤس، اونھوں نے کہا وہ خواص کے ساتھ جاتے تھے،[۵]

ارباب علم کا اعتراف، | اس عہد کے تمام ارباب علم ان کے کمال علم کے معترف تھے، عمرو بن
دینار کہتے تھے کہ میں نے کبھی کسی شخص کو طاؤس کے برابر نہیں دیکھا، بعض لوگوں کے نزدیک وہ
یمن کے ابن سیرین تھے، سعید بن ابی سیرین کا بیان ہے کہ قیس بن سعد کہتے تھے کہ طاؤس

---

[۱] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۵۱، [۲] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۹، [۳] ابن خلکان ج اول ص ۲۳۳،
[۴] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۹، [۵] ابن خلکان ج اول ص ۲۳۳، [۶] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۵۱،

ہمارے یہاں کے ابن سیرین ہیں[1]، بعض علما انھیں ابن جبیر کا ہم پایہ سمجھتے تھے، عثمان دارمی کا بیان ہے کہ میں نے ابن معین سے پوچھا کہ آپ کو طاؤس زیادہ پسند ہیں یا سعید بن جبیر، اونھوں نے کسی کو ترجیح نہیں دی[2]،

زہد و عبادت، اس علم کے ساتھ طاؤس میں اسی درجہ کا عمل بھی تھا، ابن حبان کا بیان ہے، کہ وہ یمن کے عبادت گذار لوگوں میں تھے[3]، کثرتِ عبادت سے پیشانی پر نشانِ سجدہ تاباں تھا، بسترِ مرگ پر بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے[4]، چالیس حج کئے[5]، طواف میں خاموش رہتے تھے، کسی بات کا جواب نہ دیتے تھے، اور فرماتے تھے کہ "طواف نماز ہے[6]"

انفاق فی سبیل اللہ، خدا کی راہ میں بھی حسب اطاعت صرف کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک سزایاب کو اِس کا جرمانہ ادا کر کے چھڑایا[7]،

دولت دنیا سے بے نیازی، دنیا اور اس کی تمام خواہشوں سے بالکل بے نیاز تھے، کبھی دنیاوی نعمتوں کی خواہش نہیں کی، ہمیشہ یہی دعا کرتے تھے کہ "خدایا مجھے مال اور اولاد سے محروم رکھ اور اس کے بدلہ میں ایمان و عمل کی دولت عطا فرما[8]،

اہل دنیا سے بے تعلقی، اس بے نیازی کی وجہ سے اربابِ حکومت اور ثروت سے ہمیشہ گریز کرتے تھے، بلکہ ان کو شر سمجھتے تھے، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ حکومت اور حکمرانوں سے گریز کرنے والے تین آدمی تھے، ابوذر صحابی اپنے زمانہ میں اور طاؤس و ثوری اپنے زمانہ میں[9]، فرماتے تھے ارباب شرف و دول سے زیادہ میں نے کسی کو شر نہیں دیکھا[10]،

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۲، [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۹ [3] ایضاً [4] ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۲ و ص ۳۹۵، [5] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۹ [6] ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۲ [7] ایضاً ص ۳۹۶ [8] ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۳، [9] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۰، [10] ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۳،

امراء اور سلاطین کا معمولی احسان اٹھانا بھی پسند نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ وہب بن منبہ کے ہمراہ حجاج بن یوسف کے بھائی محمد کے یہاں گئے، اس وقت سردی زیادہ تھی، اس لئے محمد بن یوسف نے ان کے اوپر ایک چادر ڈلوادی، مگر اونھوں نے کندھے ہلا ہلا کر گرادیا، محمد ان کے اس فعل پر برہم ہوگیا، یہاں سے اٹھنے کے بعد ان کے ہمراہی وہب نے ان سے کہا اگر تم کو چادر کی ضرورت نہ بھی تھی تو بھی لوگوں کو محمد کے غصہ سے بچانے کے لئے تم کو اسوقت لے لینا چاہئے تھا، زیادہ سے زیادہ لے کے بیچ کر اس کی قیمت مساکین میں تقسیم کر دیتے، اونھوں نے جواب دیا، اگر اس کا خیال نہ ہوتا کہ میرے بعد لوگ میرے اس فعل کو سند جواز بنائیں گے، تو ایسا کرتا۔[۱]

تحصیلداری کا عہدہ، ایک مرتبہ محمد بن یوسف نے انھیں چند دنوں کے لئے تحصیلداری کے عہدہ پر مامور کردیا، لیکن ان کے جیسے شخص کو اس عہدہ سے کیا مناسبت ہو سکتی تھی، وہ جس طرح اس کام کو کرتے تھے اس کو خود ان کی زبان سے سنو، ابراہیم بن میسرہ نے ان سے پوچھا آپ تحصیلداری کے زمانہ میں کیا کرتے تھے، فرمایا میں باقی دار سے کہتا تھا خدا تم پر رحم کرے اس نے تم کو جو عطا کیا ہے، اس کو (شریعت کا حق دیکر) پاک کرو، اگر وہ اس کہنے پر خراج دیدیتا تھا تو لے لیتا تھا اور اگر کوئی اعراض کرتا تھا تو میں اسے بلاتا بھی نہ تھا۔[۲]

خلفاء کو نصیحت قیام عدل و خدمت خلق کا دار مدار صالح عہدہ داروں پر ہے، اس لئے طاؤس سلاطین اور خلفاء کو حکام کے انتخاب کے باب میں نصیحت کیا کرتے تھے، چنانچہ عمر بن عبد العزیز جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو انھیں لکھ بھیجا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے تمام کام اچھے ہوں تو اچھے لوگوں کو عہدہ دار بنائیے، اونھوں نے جواب میں لکھا کہ میری بھلائی کے لئے آپ کی

[۱] ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۴، [۲] ایضاً،

نصیحت کافی ہے[1]!

ان کے ان خیالات کا اثر ان کی اولاد پر بھی پڑا تھا چنانچہ ان کے صاحبزادے، عبداللہ بالکل ان کے ہمرنگ تھے، ایک مرتبہ ابوجعفر منصور عباسی نے انھیں اور امام مالکؒ کو بلا بھیجا، یہ دونوں گئے، تھوڑی دیر تک خاموشی رہی، پھر منصور نے عبداللہ سے کہا اپنے والد کی کوئی حدیث سنایئے، اونھوں نے یہ حدیث سنائی کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص پر ہوگا جو خدا کی حکومت میں شرک کریگا، یعنی اس میں ظلم کو شریک بنائے گا، یہ نصیحت آموز حدیث سن کر منصور خاموش ہوگیا، امام مالکؒ کا بیان ہے کہ میں نے یہ صورت دیکھکر جان کے خوف سے اپنے کپڑے سمیٹ لئے، تھوڑی دیر خاموشی کے بعد منصور نے تین مرتبہ عبداللہ سے دوات اٹھانے کے لئے کہا، لیکن اونھوں نے تعمیل نہیں کی، منصور نے کہا دوات کیوں نہیں اٹھاتے، انھوں نے کہا اس لئے کہ اگر تم اس سے کوئی ظالمانہ حکم لکھوگے، تو اس میں میری شرکت بھی ہوجائے گی، ان کی یہ کھری باتیں سن کر منصور نے دونوں کو اٹھادیا، عبداللہ نے کہا ہم تو یہی چاہتے ہی تھے، امام مالکؒ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد سے میں عبداللہ کے فضل کا معترف ہوگیا،[2]

قرآن کا احترام، وہ کلام الٰہی سے مالی فائدہ اٹھانے کو نہایت برا اور احترام قرآن کے منافی سمجھتے تھے، ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو قرآن بیچتے ہوئے دیکھا تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنے لگے[3]،

نوجوانوں کی اصلاح، نوجوانوں کی جدت آمیز وضع قطع اور چال ڈھال کو سخت ناپسند کرتے تھے، ایک مرتبہ قریش کے چند خوش پوش اور جدت پسند نوجوانوں کو طواف کی حالت میں دیکھکر

[1] ابن خلکان ج اول ص ۲۳۳، [2] ایضاً، [3] ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۳،

ٹوکا کہ تم لوگ ایسا لباس پہنتے ہو جو تمہارے اسلاف نہ پہنتے تھے، اور ایسی اٹھلائی ہوئی
چال چلتے ہو کہ ہجڑے بھی نہیں چل سکتے ہ[1]

عید المومنین | عید کی خوشی منانا ضروری سمجھتے تھے، اس دن اپنی تمام لونڈیوں کے ہاتھوں اور پیروں
میں مہندی لگواتے تھے، اور فرماتے تھے یہ عید کا دن ہے[2]

وفات، | اوپر گذر چکا ہے کہ انھوں نے چالیس حج کئے، یہ سلسلہ آخر عمر تک جاری رہا، خدا نے
ان کے اس ذوق کو حسن قبول بخشا، چنانچہ ۱۰۶ھ کے حج کے موسم میں مکہ ہی میں ترویہ سے
ایک دن پہلے انتقال کیا، اس طرح وہ ہمیشہ کے لئے ارض مکہ میں مقیم ہو گئے[3] حج کی وجہ سے
جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ جنازہ لیجانا دشوار ہو گیا، ابراہیم بن ہشام مخزومی نے انتظام کے لئے
پولیس بھیجی پھر بھی اتنا مجمع تھا کہ جنازہ اٹھانے والوں کے کپڑے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے،
ہزاروں حاجیوں کے ہاتھوں مدفون ہوئے[4]

۳۶ - عامر بن شراحیل الشعبی

نام و نسب، | عامر نام، ابو عمر کنیت، شعبی قبیلہ کی نسبت ہے، لیکن شہرت کی وجہ سے اس نسبت
نے لقب کی حیثیت اختیار کر لی ہے، یمن کے نامور حمیری خاندان میں حسان بن عمرو ایک مشہور
اور تاریخی شخص گذرا ہے، یہ شخص یمن کی ایک پہاڑی ذو الشعبین میں پیدا ہوا تھا، اور مرنے کے بعد
یہیں دفن ہوا، اس لئے وہ خود ذو الشعبین مشہور ہو گیا، اس کے بعد اس کی نسل میں بھی یہ نسبت
قائم رہی، اس کی نسل کی ایک شاخ فتوحات اسلامی سے قبل سے ہمدان میں آباد تھی، پھر
اسلامی عہد میں کوفہ میں بس گئی، یہ شاخ شعبی کہلاتی تھی، عامر بن شراحیل اسی شاخ سے ہے

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۵، [2] ایضاً ص ۳۹۳، [3] ایضاً ص ۳۹۵، [4] ابن خلکان ج اول ص ۳۴۳،

تھے، حسان بن عمرو کے اوپر اس خاندان کا نسب نامہ یہ ہے، بنی حسان بن عمرو بن قیس بن معاویہ بن جشم بن عبد شمس بن وائل بن غوث بن قطن بن عریب بن زہیر بن ایمن بن ہمیسع بن حمیر،

پیدائش عامر الشعبی کے سنہ ولادت کے بارہ میں مختلف روایات ہیں، خود ان کا بیان ہے کہ وہ جنگ جلولار کے سال پیدا ہوئے[1] ایک بیان یہ بھی ہے کہ ان کی ماں جلولار کے قیدیوں میں تھیں جو ان کے والد شراحیل کے حصہ میں پڑی تھیں اس حساب سے انکی پیدائش ۱۹ھ میں ہوئی،

تعلیم عامر کے ہوش سنبھالنے کے وقت صحابۂ کرام کی بہت بڑی جماعت موجود تھی، اور ان کی بود و باش بھی ایسے مرکزی مقام پر تھی، جہاں بہت سے صحابہ اقامت پذیر تھے اور انکی آمد و رفت رہتی تھی، اس لئے انھیں پانسو صحابہ کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا تھا، ان میں اڑتالیس[4] سے فیض اٹھایا تھا[2] حبر الامت عبد اللہ بن عمر رضی کی خدمت میں آٹھ دس مہینہ مستقل قیام کرکے ان کے کمالات سے فیضیاب ہوئے تھے[3] ان بزرگوں کے فیض نے ان کو امام عصر بنادیا،

فضل وکمال علمی لحاظ سے وہ اپنے عہد کے امام تھے، حافظ ذہبی ان کو امام، حافظ، فقیہ، اور متقن[4] اور ابن عماد حنبلی امام الحبر العلامہ لکھتے ہیں[5] انھیں جملہ علوم میں یکساں کمال حاصل تھا، ابو اسحٰق الحبال کا بیان ہے کہ شعبی جملہ علوم میں یگانۂ عصر تھے[6] قرآن، حدیث، فقہ، مغازی، ریاضی، اور ادب و شاعری سب میں انھیں یکساں دستگاہ حاصل تھی،

قرآن قرآن کے نہایت ممتاز قاری تھے، اس کمال کی وجہ سے وہ زعیم القرار کہلاتے تھے[7] تفسیر میں بھی انھیں پورا درک تھا، لیکن انتہائی احتیاط کی وجہ سے انھوں نے مفسر کی حیثیت

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۲، [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۷، [3] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۲، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۹، [5] شذرات الذہب ج اول ص ۱۲۶، [6] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۹، [7] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۰،

سے کوئی شہرت نہیں حاصل کی، وہ تفسیر قرآن میں اتنے محتاط تھے، کہ ہر شخص کے لئے تفسیر میں لب کشائی پسند نہ کرتے تھے، زکریا بن ابی زائدہ کا بیان ہے کہ شعبی ابو صالح کے پاس سے گذرتے تو ان کے کان پکڑ کر کہتے کہ تم قرآن نہیں پڑھتے، اور اسکی تفسیر بیان کرتے ہو، [1]

حدیث، حدیث کے جلیل القدر حافظ بلکہ امام العصر تھے، اونھوں نے صحابہ کرام اور تابعین کی بڑی جماعت سے سماع حدیث کیا تھا، صحابہ میں حضرت علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، سعید ابن زیدؓ، زید بن ثابتؓ، قیس بن عبادہؓ، قرظہ بن کعبؓ، عبادہ بن صامتؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، ابو مسعود انصاریؓ، ابو ہریرہؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، نعمان بن بشیرؓ، ابو ثعلبہ خشنیؓ، جریر بنؓ عبداللہ بجلی، بریدہ بن حصیبؓ، براء بن عازبؓ، معاویہؓ، جابر بن عبداللہؓ، جابر بن سمرہؓ، حارث بن مالکؓ، حبشی بن جنادہ، حسین بن علیؓ، زید بن ارقمؓ، ضحاک بن قیسؓ، سمرہ بن جندبؓ، عامر بن شہرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، عبداللہ بن مطیعؓ، عبدالرحمن بن سمرہؓ، عدی بن حاتمؓ، عروہ بن جعد البارقیؓ، عروہ بن مضرسؓ، عمرو بن امیہؓ، عمرو بن حریثؓ، عمران بن حصینؓ، عوف بن مالکؓ، عیاض اشعریؓ، کعب بن عجرہؓ، محمد ابن صیفیؓ، مقدام بن معدیکربؓ، وابصہ بن معبدؓ، ابی جبیرہ بن ضحاکؓ، ابو سریحہ غفاریؓ، ابو سعید خدریؓ، اور صحابیات میں ام سلمہؓ، میمونہ بنت حارثؓ، اسما بنت انیسؓ، فاطمہ بنت قیسؓ، اور ام ہانیؓ وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا، ان میں سے بعض سے مرسل روایات ہیں، صحابہ کے علاوہ تابعین کی بہت بڑی تعداد سے استفادہ کیا تھا، [2]

تلاش حدیث میں مشقت، حدیث کا انھیں خاص ذوق تھا، اور اس کو انھوں نے بڑی جانکاہ مشقتوں سے حاصل کیا تھا، ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ نے اتنا علم کہاں سے حاصل کیا،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۲، [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۶،

انھوں نے جواب دیا غم واندوہ کو بھلا کر ملکوں کی سیاحت کرکے، گدھوں کی طاقت برداشت اور کوؤں کی سحری خیزی سے[5]،

قوتِ حافظہ حافظہ اتنا قوی تھا کہ کبھی کاغذ قلم اور دوات کے مرہونِ منت نہیں ہوئے، ایک مرتبہ جو حدیث سن لی وہ ہمیشہ کے لئے سینہ میں محفوظ ہوگئی، ان کا خود بیان ہے، کہ میں نے کبھی بیاض کو کتابت سے سیاہ نہیں کیا، یعنی کبھی لکھا نہیں، جب کسی نے کوئی حدیث سنائی تو وہ میرے سینہ میں محفوظ ہوگئی، اور اس کے دوبارہ سننے کی ضرورت بھی محسوس نہ ہوئی[1]،

اخذِ حدیث میں احتیاط، دوسروں سے حدیثوں کے لینے میں وہ بڑے محتاط تھے، ان ہی لوگوں سے احادیث لیتے تھے جو علم کے ساتھ عقل وتقویٰ کے زیور سے بھی آراستہ ہوتے تھے، اس باب میں ان کا اصول یہ تھا کہ علم اسی شخص سے حاصل کرنا چاہئے، جس میں زہد وعبادت اور عقل ودانش دونوں جمع ہوں، تنہا عقل یا تنہا تقویٰ رکھنے والا، علم کی حقیقت کو نہیں پا سکتا[2]،

حدیث میں وسعتِ علم، اس احتیاط کے باوجود ان کا علم اس قدر وسیع اور ہمہ گیر تھا، کہ احادیث کے بے پایاں ذخیرہ کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھا، ان کا بیان ہے کہ میں نے بیس سال کے عرصہ میں کسی سے کوئی ایسی نئی حدیث نہیں سنی جس سے میں بیان کرنے والے سے زیادہ واقف نہ رہا ہوں[3]، اہل حجاز، بصرہ اور کوفہ تینوں علمی مرکزوں کے محدثین کی احادیث کا ان سے بڑا کوئی حافظ نہ تھا[4]، احادیث کے ساتھ سنن کے بھی بڑے عالم تھے، مکحول کا بیان ہے کہ میں نے شعبی سے زیادہ سنتِ ماضیہ کا عالم نہیں دیکھا[5]، ابن ابی لیلیٰ کہتے تھے، کہ شعبی صاحب آثار تھے، اور ابراہیم صاحب قیاس[6]،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۱، [2] ایضاً ص ۷۳، [3] ایضاً ص ۷۱، [4] ایضاً ص ۷۱، [5] ایضاً ص ۷۳، [6] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۱، [7] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۱،

احتیاط فی الحدیث، | لیکن اس وسعت علم کے باوجود وہ خود روایت حدیث میں بڑے محتاط تھے، زیادہ روایت کرنا پسند نہ کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ گذشتہ صلحا زیادہ حدیثیں بیان کرنا برا سمجھتے تھے، اگر مجھے یہ پہلے سے معلوم ہوتا جو بعد میں معلوم ہوا تو میں صرف محدثین کی متفقہ حدیثیں بیان کرتا[1]،

روایت بالمعنی | لیکن وہ روایت بالمعنی کو خلاف احتیاط نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ وہ روایت میں الفاظ کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے تھے، ابن عون کا بیان ہے کہ شعبی حدیثیں بالمعنی روایت کرتے تھے[2]،

فقہ، | اگرچہ ان کو جملہ علوم و فنون میں یکساں درک حاصل تھا، لیکن فقہ ان کا خاص اور امتیازی فن تھا، اس میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ اپنے عہد کے سب سے بڑے فقیہ سمجھے جاتے تھے، ابوالحسین کہتے تھے کہ میں نے کسی کو شعبی سے بڑا فقیہ نہیں پایا، بعض علماء تو انھیں اس عہد کے تمام بڑے بڑے ائمہ پر ترجیح دیتے تھے، ابو مجلز کہتے تھے کہ میں سعید بن مسیب، طاؤس، عطار، حسن بصری اور ابن سیرین کسی کو بھی شعبی سے بلند مرتبہ فقیہ نہیں پایا[3]،

ابراہیم نخعی جو خود بہت بڑے فقیہ تھے، ان کے تفقہ کے اتنے قائل تھے کہ جو مسئلہ ان کو نہ معلوم ہوتا اس کے سائل کو شعبی کے پاس بھیجدیتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا اونھوں نے لاعلمی ظاہر کی، اسی درمیان میں شعبی گذرتے ہوئے دکھائی دئیے ابراہیم نخعی نے مستفتی سے کہا ان شیخ کے پاس جاکر پوچھو، اور وہ جو جواب دیں اسے مجھے بتاؤ، چنانچہ سائل نے جاکر ان سے دریافت کیا، اونھوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی، نخعی کو یہ جواب معلوم ہوا تو اونھوں نے کہا واللہ یہ فقہ ہے[4]،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۷۶، [2] ابن سعد ج ۶ ص۱۷۳، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۷۶، [4] ابن سعد ج ۶ ص۱۷۴،

ان کا فقہی کمال اتنا مسلم تھا کہ صحابۂ کرام کی موجودگی میں جو علوم نبوی کے حقیقی وارث تھے وہ مسندِ افتا پر بیٹھ گئے تھے، ابوبکر ہذلی کا بیان ہے کہ ابن سیرین نے مجھے ہدایت کی تھی کہ شعبی کے دامن سے وابستہ رہو، میں نے دیکھا ہے کہ وہ صحابہ کی بڑی تعداد کی موجودگی میں فتویٰ دیتے تھے[۱]،

جواب میں احتیاط، حدیث کی طرح وہ فقہ میں بھی بڑے محتاط تھے: اور انتہائی احتیاط کی بنا پر وہ عموماً مسائل کے جواب میں اپنی لاعلمی ظاہر کر دیتے تھے صلت بن بہرام کا بیان ہے کہ میں نے کسی ایسے شخص کو جو علم میں شعبی کا ہم پایہ ہو، ان سے زیادہ "لا ادری" کہنے والا نہیں دیکھا[۲]، ابن عون کا بیان ہے کہ شعبی کے پاس جب کوئی سائل آتا تھا تو وہ حتی الامکان جواب سے بچتے تھے، اور ابراہیم برابر جواب دیتے چلے جاتے تھے، شعبی فطرۃً خندہ جبیں اور ابراہیم خشک مزاج تھے، لیکن جب دونوں کے سامنے کوئی فتویٰ پیش ہوتا تھا، تو دونوں کے اوصاف بدل جاتے تھے شعبی میں انقباض پیدا ہو جاتا تھا، اور ابراہیم میں انبساط[۳]،

لیکن بہرحال وہ ایک ممتاز عالم اور بلند پایہ فقیہ تھے، کوفہ کی مسندِ افتا پر تھے، ان کی ذات مرجعِ خلائق تھی، اس لئے ہمیشہ لا ادری تو کہہ نہیں سکتے تھے، بہت سے مسائل کا جواب دینا ہی پڑتا تھا پھر بھی وہ اتنی احتیاط ہر حالت میں قائم رکھتے تھے، کہ ان کے جواب کی بنیاد احادیث و سنن پر ہوتی تھی،

وہ جواب میں اپنی رائے کو مطلق دخل نہ دیتے تھے، محمد بن جحادہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شعبی سے ایک مسئلہ پوچھا گیا جس کے بارہ میں ان کے پاس کوئی سند نہ تھی، کسی نے کہا اپنی رائے سے جواب دیدیجئے فرمایا میری رائے کیا کروگے، اس پر پیشاب کرو[۴]،

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۷، [۲] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۴، [۳] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۷،

[۴] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۴،

قیاس کی عقلی بے حقیقتی، وہ نہ صرف مذہباً وعقیدۃً امور شریعہ میں قیاس کو برا سمجھتے تھے، بلکہ عقلاً بھی اس کے قائل نہ تھے، اس کی بے حقیقتی کو انھوں نے ایک مثال کے ذریعہ سے خوب واضح کیا ہے، ایک مرتبہ انھوں نے ابوبکر ہذلی کو اس کی حقیقت سمجھانے کے لئے ان سے پوچھا کہ اگر احنف بن قیس (تابعی جن کے حالات اوپر گذر چکے ہیں) اس عہد کے ایک نامور مدبر) قتل کردیئے جائیں اور انہی کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ بھی قتل کردیا جائے تو دونوں کی دیت برابر ہوگی یا احنف کی دیت ان کے عقل اور حلم کی وجہ سے زیادہ ہوگی، ابوبکر نے جواب دیا برابر ہوگی، (حالانکہ قیاس کا اقتضا یہ تھا کہ احنف کی دیت زیادہ ہوتی)[1]

اس احتیاط کا سبب آخرت کے مواخذہ اور دنیا کی انگشت نمائی دونوں کا خوف تھا، کہا کرتے تھے، کہ کاش میں اس علم سے برابر سرابر پر چھوٹ جاتا، نہ مجھ سے انکا مواخذہ ہوتا اور نہ مجھ کو اس کا صلہ ملتا[2]، فرماتے تھے کہ اگر میں نناوے سوالوں کا صحیح جواب دوں اور صرف ایک غلط ہو جائے، تو لوگ اسی پر گرفت کریں گے[3]،

مغازی، مغازی کے نہایت ممتاز عالم تھے، خود وہ صحابہ جنھوں نے غزوات میں شرکت کی تھی ان کی علمی واقفیت کے معترف تھے، عبدالملک بن عمیر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شعبی مغازی بیان کر رہے تھے کہ ابن عمرؓ ادھر سے گذرے، انھوں نے سن کر کہا، اگرچہ میں بذات خود مغازی میں شریک ہوا ہوں، لیکن جہاں تک علم کا تعلق ہے یہ مجھ سے زیادہ مغازی سے واقف ہیں[4]،

ریاضی، مذہبی علماء کو عموماً ریاضیات سے کم لگاؤ ہوتا ہے، لیکن شعبی اس فن کے بھی ماہر

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۶، [2] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۴، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۶،

[4] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۶،

تھے، اس کی تعلیم انھوں نے مشہور ماہر ریاضی حارث الاعور سے حاصل کی تھی[۱]

فرائض، ریاضی میں مہارت کی وجہ سے فرائض میں پورا درک تھا، اور اس کو غالباً انھوں نے حضرت علیؓ سے سیکھا تھا، بعضوں کے نزدیک آپ سے سیکھا نہ تھا، بلکہ آپ کے اقوال سے استنباط کیا تھا[۲]

شاعری، شاعری کا نہایت ستھرا مذاق رکھتے تھے، قدما کے ہزاروں اشعار حفظ تھے، ان کا خود بیان ہے کہ میں اشعار سب سے کم بیان کرتا ہوں، اگر چاہوں تو مسلسل ایک مہینہ تک اشعار سناتا رہوں، اور کوئی شعر مکرر نہ ہونے پائے[۳] خود بھی شعر کہتے تھے،

حلقۂ درس، صحابہ کی موجودگی ہی میں ان کا حلقۂ درس قائم ہو گیا تھا، ابن سیرین کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں میں کوفہ آیا اس وقت شعبی کا حلقۂ درس قائم تھا، اور اصحاب رسول کی بڑی تعداد موجود تھی[۴] حلقۂ درس میں ہنگامہ اور شور و غوغا پسند نہ تھا، کہ اس سے آئین تعلیم سے قطع نظر بھی اصل منشا فوت ہو جاتا ہے، اسی لئے آپ حلقۂ درس میں زیادہ مجمع پسند نہ کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ حلقہ جب بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے، تو شور و شغب بنجاتا ہے[۵] اس سے اس قدر نفرت تھی کہ جن مساجد کے حلقہائے درس میں ہنگامہ ہوتا تھا، انھیں چھوڑ دیتے تھے، صالح بن کیسان کا بیان ہے، کہ ایک مرتبہ ہم اور شعبی ہاتھ میں ہاتھ دیئے، ٹہلتے ٹہلتے مسجد میں پہنچے، حماد کے گرد اُن کے اصحاب کا مجمع تھا، اور بڑا شور و غوغا مچا ہوا تھا، شعبی نے سن کر کہا خدا کی قسم ان بازاریوں نے اس مسجد کو میرے لئے مبغوض بنا دیا ہے، اور یہ کہہ کر لوٹ آئے[۶]

---

[۱] ابن سعد ج ۶ صـ۱۷۳، [۲] تہذیب التہذیب ج ۵ صـ۶۷، [۳] تذکرۃ الحفاظ ج اول صـ۷۳، [۴] ایضاً صـ۷۱، [۵] ابن سعد ج ۶ صـ۱۷۱، [۶] ایضاً صـ۱۷۵،

تلامذہ، | ان کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا، صرف حدیث میں ان کے تلامذہ کی مختصر فہرست یہ ہے، ابو اسحٰق سبیعی، سعید بن عمرو بن اشوع، اسمٰعیل بن ابی خالد، بیان بن بشر، حصین بن عبد الرحمٰن، داؤد بن ابی ہند، زبید الیمامی، زکریا بن ابی زائدہ، سعید بن مسروق، سلمہ بن کہیل، ابو اسحٰق شیبانی، اعمش، منصور، مغیرہ، سماک بن حرب، عاصم الاحول، ابو الزناد، ابن عون، عبد الملک بن سعید بن ابجر، عون بن عبد اللہ، قتادہ، مجالد بن سعید، مطرب بن طریف اور ابو حیان تیمی وغیرہ[1]

اکابر علما اور ائمہ کا اعتراف، | اس عہد کے تمام بڑے بڑے علما اور ائمہ میں ان کی علمی منزلت مسلم تھی، حسن بصری ان کو کثیر العلم فرماتے تھے[2] امام زہری کہتے تھے، کہ علما صرف چار ہیں، مدینہ میں ابن مسیب، کوفہ میں شعبی، بصرہ میں حسن بصری اور شام میں مکحول[3]، ابن عینیہ کا بیان ہے کہ لوگ کہتے تھے کہ صحابہ کے بعد ابن عباس اپنے زمانہ میں، شعبی اپنے زمانہ میں، اور ثوری اپنے زمانہ میں یگانہ تھے[4]

مذہب، | شعبی ابتدا میں شیعہ تھے، لیکن پھر ان کے ناپسندیدہ اعمال دیکھ کر اور ان کے فاسد خیالات اور غیر معتدل باتیں سن کر اس مذہب سے تائب ہو گئے، اور اس کی مذمت کرنے لگے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے، کہ اگر شیعہ طیور میں ہوتے تو مردار خوار طائر ہوتے، اور اگر چوپایوں میں سے ہوتے تو گدھے ہوتے[5]، لیکن اہل سنت کے عقائد اختیار کرنے کے بعد بھی انھوں نے عام تبدیل مذہب کرنے والوں کی طرح جادۂ اعتدال سے باہر قدم نہیں نکالا، چنانچہ فرماتے تھے کہ صالح مومنین اور صالح بنی ہاشم کو دوست رکھو، لیکن شیعہ نہ بنو، جو چیز تمھارے

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۶، [2] ایضاً ص ۶۶، [3] ابن خلکان ج اول ص ۲۴۴، [4] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۷، [5] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۳،

علم میں نہیں ہے، اس میں بھلائی کی امید رکھو، لیکن مُرجی نہ بنو، اس کا یقین رکھو کہ بھلائیاں خدا کی جانب سے ہیں، اور بُرائیاں تمہارے نفس کی جانب سے، لیکن قدری نہ بنو، جس شخص کو تم اچھے اعمال کرتے دیکھو، خواہ وہ نک چپٹا سندھی کیوں نہ ہو اسے دوست رکھو[۱]

بعض حکیمانہ مقولے، آپ کے بعض حکیمانہ مقولے نہایت حقیقت سے لبریز تھے، فرماتے تھے کہ فقیہ وہ ہے جو خدا کے محارم سے بچتا ہے، اور عالم وہ ہے جو خدا کا خوف کرتا ہے، تم لوگ کم استعداد علماء اور جاہل عبادت گذاروں سے بچتے رہو[۲]

عادات وخصائل، شعبی طبعاً نہایت نرم خو اور حلیم تھے، حضرت حسن بصری فرماتے تھے کہ واللہ شعبی بڑے صاحب علم، بڑے حلیم الطبع تھے[۳]، نرم خو ایسے تھے کہ کبھی اپنے غلام تک کو نہ مارتے تھے[۴]، بڑے فیاض اور اعزہ شناس تھے، جب ان کا کوئی عزیز قرض چھوڑ کر مرجاتا تھا، تو اپنی جیب سے اس کا قرض ادا کرتے تھے[۵]

ظرافت وخوش طبعی، علمی مرتبہ کیساتھ ساتھ وہ بڑے ظریف، خوش طبع اور بذلہ سنج تھے، کان مزاحا[۶]، ظرافت کا مادہ اتنا غالب تھا کہ بات بات میں لطائف پیدا کرتے تھے، ان کے بہت سے لطائف کتابوں میں مذکور ہیں جن میں سے بعض نمونۃً نقل کئے جاتے ہیں،

ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے پوچھا، ابلیس کی بیوی کا کیا نام ہے، جواب دیا میں اس کی شادی میں شریک نہیں ہوا تھا، کہ معلوم ہوتا[۷]، ایک مرتبہ ایک شخص نے حرامی لڑکے کے بارہ میں پوچھا کہ کیا تینوں (ماں باپ خود) میں سب سے زیادہ شر وہی ہوتا ہے، جواب دیا، اگر سب میں زیادہ شر وہی ہوتا تو اس کے پیٹ ہی میں ہونے کی حالت میں اس کی

---

[۱] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۳، [۲] شذرات الذہب ج اول ص ۱۲۷، [۳] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۷، [۴] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۶، [۵] ایضاً، [۶] ابن خلکان ج اول ص ۲۴۴، [۷] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۶،

ماں سنگسار کر دیجاتی[1]

عمرو بن سعید کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ شعبی سے کہا کہ آپ نے مجھ سے ایک حدیث بیان کی تھی وہ اب میرے حافظہ سے جاتی رہی، انھوں نے کہا کچھ بتاؤ تو معلوم ہو، میں نے کہا کچھ بھی یاد نہیں، شعبی نے ایک حدیث سنا کر کہا یہ تو نہیں ہے، میں نے کہا نہیں، انھوں نے دوسری بیان کرکے کہا شاید یہ ہو، میں نے کہا یہ بھی نہیں، آخر میں انھوں نے یہ عاشقانہ شعر پڑھ کر کہا ممکن ہے یہ ہو،[2]

هنيئا مريا غير داء مخامر لعزة من اعراضنا استحلت

ایک مرتبہ حجاج نے پوچھا، کم عطاوك فی السنة، سال میں تمہارا وظیفہ کتنا ہے (زبان کے لحاظ سے اس موقع پر فی السنة کہنا درست نہیں ہے) اس لئے شعبی نے بھی غلط جواب دیا، الفین (دو ہزار) حالانکہ الفین کے بجائے الفان کہنا چاہیے، اس ٹوکنے پر حجاج نے اپنی غلطی محسوس کرکے فوراً اس کی تصحیح کی، کم عطاوك، تمہارا وظیفہ کتنا ہے، اس وقت شعبی نے بھی صحیح جواب دیا کہ الفان حجاج نے کہا پہلے تم نے عربی میں کیوں غلطی کی، جواب دیا، امیر نے غلطی کی تھی، جب امیر نے صحیح کہا تو میں نے بھی تصحیح کرلی، میری یہ مجال نہ تھی کہ امیر تو غلط بولیں اور میں صحیح بولوں،[3]

ایک مرتبہ ایک شخص ان کے گھر ان سے ملنے گیا، گھر میں میاں بیوی دونوں تھے (شعبی خلقۃً نہایت کمزور اور پست قامت تھے) اس لئے آنے والے نے مذاق سے پوچھا شعبی ان میں سے کون ہے، شعبی نے بیوی کی طرف اشارہ کر دیا،[4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۷۹، [2] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۴، [3] ابن خلکان ج اول ص ۲۴۴،

[4] ایضاً،

ایک مرتبہ ایک درزی سے مذاقاً پوچھا میرے پاس ایک ٹوٹا ہوا دانہ ہے اس کو سی سکتے ہو، درزی حاضر جواب تھا، بولا اگر آپ کے پاس ہوا کا تاگا ہو تو سی دوں گا،[۱]

ایک مرتبہ ایک نصرانی کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ اسلامی سلام کیا، ایک شخص نے اعتراض کیا، شعبی نے جواب دیا کہ اگر اس پر اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو وہ ہلاک ہو گیا ہوتا،[۲] (اس لئے میں نے رحمۃ اللہ کہنے میں کیا غلطی کی)

اپنے بعض معاصرین کو جن سے زیادہ بے تکلفی تھی اپنی بذلہ سنجی سے اسقدر پریشان کرتے تھے کہ وہ ان کے پاس جاتے ہوئے ڈرتے تھے، ایک مسئلہ کی تحقیق کے سلسلہ میں غیاث کے لڑکے حفص نے غیاث سے کہا آپ جاکر شعبی سے پوچھ لیجئے، غیاث نے کہا میں انکے پاس کیسے جاؤں وہ جب مجھے دیکھتے ہیں میرا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں، اور مجھ سے کہتے ہیں تمھاری جو ہیئت ہے علمار کی یہی ہیئت ہوتی ہے، یہ تو جُلاہوں کی ہیئت ہے، اور جب میں ابراہیم کے پاس جاتا ہوں تو وہ میری عزت کرتے ہیں،[۳]

شعبی کا تعلق دولت بنی امیہ سے، اموی حکومت میں شعبی مختلف اوقات میں مختلف خدمات اور عہدوں پر مامور ہوتے رہے، حجاج انھیں بہت مانتا تھا، اس لئے اپنے دورِ امارت میں انکو بہت آگے بڑھایا، ان کے وظیفہ میں اضافہ کیا، انھیں ان کے قبیلہ کا امام اور عریف (چودھری) بنایا، اور سرکاری وفود میں عبدالملک کے پاس بھیجتا تھا،[۴] ایک مرتبہ رتبیل والی سجستان کے یہاں سفیر بنا کر بھیجا، جہاں انھیں انعام واکرام ملا،[۵]

ایک اہم سفارت، ان کے فہم وتدبر کی وجہ سے خود عبدالملک نہایت اہم خدمات ان کے متعلق کرتا تھا، اور بڑی بڑی سفارتوں میں ان کو بھیجتا تھا، ان میں سے ایک سفارت کا

---

۱ شذرات الذہب ج اول ص۱۲۷ ۲ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۷۶، ۳ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۷۱،
۴ ابن سعد ج ۶ ص۱۷۳، ۵ ایضاً ص۱۷۱،

واقعہ لائقِ ذکر ہے، اس کی تفصیل خود ان کی زبان سے سنو، بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ عبد الملک نے مجھ کو ایک سفارت میں قیصر روم کے پاس بھیجا، وہاں پہنچنے کے بعد قیصر نے مجھ سے جس قدر سوالات کئے میں نے سب کے شافی جوابات دیئے، عموماً وہاں سفراء کے زیادہ دنوں تک ٹھہرنے کا دستور نہ تھا، لیکن اس نے مجھ کو بہت دنوں تک روکے رکھا، یہاں تک کہ میں گھبرا کر لوٹنے کے لئے آمادہ ہوگیا، اس وقت اس نے مجھ سے پوچھا کیا تم شاہی گھرانے سے ہو؟ میں نے کہا نہیں، بلکہ عام عربوں میں سے ہوں، یہ سن کر اس نے زیر لب کچھ کہا، اور ایک رقعہ مجھے دیا کہ اپنے بادشاہ کو میرے پیغامات پہنچانے کے بعد یہ رقعہ دیدینا، میں نے واپس ہوکر پیامات تو پہنچادیئے مگر وہ رقعہ دینا بھول گیا، دار الخلافہ سے نکلتے وقت وہ رقعہ یاد آیا، اس وقت میں نے واپس ہوکر اس کو عبد الملک کے حوالہ کیا، اس نے رقعہ پڑھکر مجھ سے پوچھا قیصر نے رقعہ دینے سے پہلے تم سے کچھ کہا بھی تھا، میں نے کہا ہاں اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا تم شاہی خاندان سے ہو، میں نے جواب دیا نہیں میں عام عربوں میں سے ہوں، یہ کہہ کر میں واپس ہوگیا، دروازہ تک پہنچا تھا کہ عبد الملک نے پھر بلالیا، اور پوچھا تم کو رقعہ کا مضمون معلوم ہے میں نے کہا نہیں، اس نے پڑھنے کو کہا، میں نے اسے پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ "مجھے اس قوم پر حیرت ہوتی ہے کہ ایسے شخص کے ہوتے ہوئے اس نے ایک دوسرے شخص کو بادشاہ کیسے بنایا" یہ تحریر پڑھکر میں نے عبد الملک سے کہا، خدا کی قسم اگر مجھے پہلے سے اس مضمون کا علم ہوتا تو میں کبھی اسے نہ لاتا، اس نے ایسا اس لئے لکھا کہ آپ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، عبد الملک نے مجھ سے پوچھا تم سمجھے اس لکھنے کا مقصد کیا ہے، میں نے کہا نہیں، عبد الملک نے کہا مجھے تمہارے خلاف بھڑکا کر تمہارے قتل پر آمادہ کرنا چاہا ہے، قیصر کو عبد الملک کا یہ قیاس معلوم ہوا تو اس نے کہا واقعی میرا یہی مقصد تھا۔[1]

[1] ابن خلکان ج اول صد ۲۴۴،

حجاج اور عبد الملک کی مخالفت، لیکن اموی حکومت کے ساتھ ان کے یہ روابط زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکے، ابن اشعث کے ہنگامہ کے زمانہ میں شعبی نے حجاج اور عبد الملک کی مخالفت میں ابن اشعث کا ساتھ دیا اس واقعہ کے متعلق انکا بیان ہے کہ حجاج نے مجھ کو میری قوم کا عریف اور پورے ہمدان کا ــــ بنایا، اور وظیفہ مقرر کیا تھا، ابن اشعث کے ہنگامے تک اس کے یہاں میری قدر و منزلت قائم رہی، ابن اشعث کے انقلاب میں کوفہ کے قاریوں نے آکر مجھ سے کہا کہ آپ قاریوں کے زعیم ہیں، اس لئے ہمارا ساتھ دیدیجئے، اور اتنا اصرار کیا کہ مجھ سے ان کے ساتھ ہو جانا پڑا، چنانچہ میں میدان جنگ میں گیا، ان کے درمیان کھڑے ہو کر لوگوں کے سامنے حجاج کے عیوب بیان کر کے انھیں اس کے خلاف ابھارتا تھا،[1]

شکست اور روپوشی، دیر جماجم کے معرکہ میں ابن اشعث کو نہایت فاش شکست ہوئی اور اس کی قوت پارہ پارہ ہو گئی، اس وقت شعبی روپوش ہو گئے، ایک روایت یہ ہے، کہ وہ حجاج کی سفاکیوں کے خوف سے نو مہینہ تک اپنے گھر کے دروازے بند کئے بیٹھے رہے، نو مہینہ کے بعد قتیبہ بن مسلم نے خراسان پر فوج کشی کا ارادہ کیا، اور لوگوں کو اس میں شرکت کی ترغیب دینے کے لئے اعلان کرادیا کہ جو شخص فوج میں بھرتی ہو جائیگا، اس کی گذشتہ خطائیں معاف کر دیجائیں گی، اس اعلان پر شعبی فوج میں شامل ہو گئے، اور فرغانہ پہنچے، قتیبہ انھیں پہچانتا نہ تھا، ایک دن وہ مجلس عام میں بیٹھا ہوا تھا، شعبی نے اپنی علمی خدمات اس کے سامنے پیش کیں، کہ مجھے علم و فن میں درک ہے، قتیبہ نے پوچھا تم کون ہو، وہ اگرچہ انھیں پہچانتا نہ تھا، لیکن نام سے واقف تھا، اس لئے شعبی نے کہا یہ نہ پوچھو، قتیبہ نے بھی کوئی زیادہ اصرار نہیں کیا، اس کو حجاج کے پاس بعض فتوحات کی اطلاع بھیجنی تھی، اس لیے اس نے

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول صہ ۷۶،

ان کو مسودہ لکھنے کا حکم دیا، انھوں نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں اور اسی وقت زبانی بول کر لکھوا دیا، قتیبہ نے اس تحریر کو بہت پسند کیا، اور اس کے صلہ میں ان کو ایک خچر اور حریر کا ایک حلہ دیا، اس کے بعد شعبی بڑی قدر و منزلت کے ساتھ رہنے لگے، رات کو قتیبہ انھیں اپنے ساتھ دسترخوان پر کھلاتا تھا،

گرفتاری

حجاج شعبی کا اندازِ تحریر پہچانتا تھا، اس لئے قتیبہ کا خط دیکھ کر پہچان گیا کہ شعبی کے علاوہ اور کوئی اس کا لکھنے والا نہیں ہو سکتا، چنانچہ فوراً قتیبہ کو لکھا کہ تمھارا خط لکھنے والے شعبی ہیں، انھیں فوراً گرفتار کر لو، اگر وہ بچ کر نکل گئے تو تمھیں معزول کر کے تمھارے ہاتھ پاؤں کٹوا دوں گا، یہ حکم پڑھکر قتیبہ نے شعبی سے کہا کہ میں نے اب تک آپ کو نہ پہچانا تھا، آپ آزاد ہیں جہاں آپ کا دل چاہے چلے جائیے، میں حجاج کے سامنے ہر قسم کی قسم کھا لونگا، شعبی نے کہا اگر میں چلا بھی جاؤں تو میرا جیسا شخص چھپا نہیں رہ سکتا، قتیبہ نے کہا اسے آپ زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں، غرض ان کے انکار پر اس نے ان کو حجاج کے پاس بھجوا دیا، واسط کے قریب ان کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں، کوفہ میں یزید بن ابی مسلم سے جو ان سے ملنے کو آئے تھے، ملاقات ہوئی، انھوں نے ان سے کہا کہ ابو عمرو جب تم امیر کے سامنے پیش کئے جاؤ تو تم اس اس طرح سے اور یہ یہ کہنا، امید ہے کہ تمھاری جان بچ جائیگی، غرض وہ پا بجولاں حجاج کے سامنے پیش کئے گئے،[۱]

دوسری روایت میں اس واقعہ کی صورت مختلف ہے، اس میں صرف اس قدر ہے کہ دیر جماجم کے معرکہ کے بعد شعبی عرصہ تک روپوش رہے، اور یزید بن ابی مسلم کو لکھا کہ تم حجاج سے باتیں کر کے میری صفائی کرا دو، انھوں نے جواب دیا کہ مجھ میں اتنی جرأت نہیں ہے،

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۷۴، و ص۷۵،

البتہ میرا یہ مشورہ ہے کہ تم چلے آؤ اور دربار عام کے وقت امیر کے سامنے دفعۃً جا کر اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے معذرت پیش کرو، اس کا میں وعدہ کرتا ہوں، کہ تم مجھے جس چیز کا شاہد بناؤ گے میں تمہاری صفائی میں گواہی دوں گا،

رہائی، شعبی نے اس مشورہ پر عمل کیا اور ایک دن دفعۃً حجاج کے سامنے پہنچ گئے، اس نے دیکھتے ہی کہا اخاہ شعبی ہیں! پھر ان کے سامنے اپنے تمام احسانات جو ان پر کئے تھے گنائے، یہ ہر احسان کا اقرار کرتے جاتے تھے، آخر میں حجاج نے پوچھا تم نے عدو الرحمن (عبد الرحمن بن اشعث) کا ساتھ کیوں دیا، شعبی نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے ندامت ظاہر کی، انکے اعتراف اور انفعال پر حجاج نے ان کی خطا معاف کر دی[1]،

قضائت، عمر بن عبد العزیز کے زمانہ میں کوفہ کے منصب قضا پر مامور ہوئے[2]،

وفات، باختلاف روایت ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ میں دفعۃً انتقال کیا، انتقال کے وقت ستر سال کی عمر تھی[3]، لیکن ستر سال کی عمر صحیح نہیں معلوم ہوتی، اس لئے کہ وہ جلولا کے سال یعنی ۱۹ھ میں پیدا ہوئے، اور ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ میں انتقال ہوا اس حساب سے ستر سال سے کچھ اوپر عمر رہی ہوگی،

حلیہ، توام پیدا ہوئے تھے، اس لئے خلقۃً نہایت کمزور اور نحیف تھے،

---

[1] ابن سعد ج ۶ صفحہ ۱۷۵ ملخصاً، [2] ایضاً صفحہ ۱۷۴، [3] ایضاً صفحہ ۱۷۸،

۳۷۔ عامر بن عبداللہ

نام ونسب، | عامر نام، ابو عمر کنیت، نسب نامہ یہ ہے، عامر بن عبداللہ بن قیس بن ثابت بن اسامہ بن حذیفہ بن معاویہ تمیمی عنبری،

تابعین کرام کا نمایاں اور مشترک وصف، ان کا علم وعمل اور خدمت علم ودین تھا لیکن ان میں ایک مختصر جماعت ایسی بھی تھی جس نے نہ صرف تمام دنیاوی علائق کو چھوڑ دیا تھا بلکہ علم کی بساط بھی تہ کرکے محض عبادت وریاضت، یاد الٰہی، اور تزکیۂ روح کو اپنا مقصد قرار دیا تھا، عامر بھی اسی مقدس جماعت کے ایک ممتاز فرد تھے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ بڑے بلند مرتبہ اور مرتاض تابعین میں تھے، کعب احبار جو خود ایک بڑے تارک الدنیا تابعی تھے، عامر کو "امت محمدیہ کے راہب" کے لقب سے یاد کرتے تھے،[1]

عامر پر یہ رنگ ایسا گہرا چھایا ہوا تھا، اور ان کے ہر عمل میں یہ خصوصیت ایسی نمایاں تھی، کہ ان کی زندگی کے دوسرے حالات کو زہد وورع سے جدا کرکے دکھانا مشکل ہے، ان کا کوئی عمل اس روح سے خالی نہ تھا، جیسا کہ آیندہ معلوم ہوگا،

عہد فاروقی | عامر گو زاہد خلوت نشین تھے، لیکن شرف جہاد حاصل کرنے کے لئے، وہ اسلامی مہمات میں شریک ہوتے تھے، سب سے اول وہ عہد فاروقی میں مدائن کی مہم میں نظر آتے ہیں[2] اگرچہ تصریح کے ساتھ دوسری مہمات میں ان کی شرکت کا پتہ نہیں چلتا، لیکن

---

[1] اصابہ ج ۵ ص ۶۸، [2] ایضاً،

اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اکثر مہمات میں شریک رہتے تھے، قتادہ کا بیان ہے کہ عامر جب غزوات میں جاتے اور راستہ میں جھاڑیاں ملتیں اور ان سے کہاجاتا کہ اس میں شیر کا خوف ہے، تو جواب دیتے کہ مجھے خدا سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور کا خوف کروں[1]

حضرت عثمانؓ کی مخالفت، حضرت عثمانؓ کے خلاف جو انقلاب برپا ہوا تھا، اس کے تین بڑے مرکز تھے، بصرہ، کوفہ، اور مصر، اس انقلاب کے شعلوں کی لپٹ میں بعض بڑے صحابہ تک آگئے تھے، بصرہ عامر کا وطن تھا، گو وہ اس فتنہ میں مبتلا نہ ہوئے تاہم ان کا دامن اس سے بالکل محفوظ بھی نہ رہ سکا، اور وہ بھی مخالفین عثمانؓ کے دام میں پھنس کر ان کے ساتھ ہو گئے اور ایک موقع پر اہل بصرہ نے انھیں حضرت عثمانؓ کے پاس اپنا نمایندہ بنا کر بھیجدیا، انھوں نے مدینہ جاکر برملا حضرت عثمانؓ کے سامنے اپنے خیالات ظاہر کئے، کہ کچھ مسلمانوں نے مجتمع ہوکر آپ کے عمال کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ آپ سے بہت سے بُرے افعال سرزد ہوئے ہیں، اس لئے خدا کا خوف کیجئے اور اس کے سامنے آئندہ کے لئے توبہ کیجئے، حضرت عثمانؓ ان کے حقیقی حالات سے اب تک ناواقف تھے، اس لئے ان کی باتیں سنکر فرمایا، لوگو ذرا انھیں دیکھو یہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر گفتگو کرنے کے لئے آئے ہیں، لوگ انھیں قاری سمجھتے ہیں، حالانکہ انھیں یہ بھی خبر نہیں کہ خدا ہے کہاں عامر نے یہ کلمات سن کر قرآن کی اس آیت

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ   تمھارا رب تاک میں ہے،

کی طرف اشارا کرکے کہا خدا کی قسم میں خوب جانتا ہوں وہ نافرمانوں کی تاک میں ہے،[2] اس گفتگو کے بعد عامر بصرہ واپس چلے آئے،

بعض مذہبی الزامات، خلیفۂ وقت کے ساتھ اس سیاسی اختلاف کے علاوہ عامر پر بعض مذہبی

---

[1] ابن سعد ج، ق ۱، ل ص ۶، [2] ابن اثیر ج ۴ ص ۱۱۱،

الزام تھے، یا ان کی طرف منسوب کیے جاتے تھے کہ وہ شادی نہیں کرتے، گوشت نہیں کھاتے، اپنے کو حضرت ابراہیمؑ سے بہتر یا ان کا مثل سمجھتے ہیں، حکومت کے ساتھ ان کا سیاسی اختلاف ہو ہی چکا تھا، اس لئے ان کے بعض مخالفین نے والی بصرہ کو ان باتوں کی خبر کردی اس نے حضرت عثمانؓ کو اطلاع دیدی عامر بصرہ کے مقتدیٰ تھے، ان کی جانب غلط خیالات کے انتساب سے عوام کے گمراہی میں مبتلا ہونے کا خطرہ تھا، اس لئے بارگاہِ خلافت سے تحقیقات کا حکم آیا اور صحت کی صورت میں شام بھیجدیئے جانے کی ہدایت ملی، اس حکم پر والی بصرہ نے عامر سے مذکورۂ بالا الزاموں کو پیش کرکے اس کا جواب طلب کیا، انھوں نے جواب دیا، کہ میں نے عورتوں کو اس لیے چھوڑا ہے کہ جب بیوی ہوگی تو اولاد بھی ہوگی اور اولاد ہوئی کہ دنیا میرے دل میں بس جائیگی، گوشت اس لئے نہیں کھاتا کہ میں مجوسیوں کے ملک میں رہتا ہوں، اور اس کی کوئی ضمانت وشہادت نہیں ہوتی کہ یہاں کا گوشت مردار کا گوشت نہیں ہے، اس لئے مجھے اس پر اطمینان نہیں ہوتا، حضرت ابراہیمؑ سے برتر ہونے کے سوال کا میں اس کے علاوہ کوئی جواب نہ دوں گا کہ میری آرزو ہے کہ کاش میں انکے پاؤں کی وہ خاک ہوتا جو اُن کے قدموں سے لگ کر جنت میں جائیگی، ایک سیاسی الزام امراء و حکامِ دولت سے نہ ملنے کا تھا، اس کا جواب یہ دیا کہ تم لوگوں کے دروازوں پر حاجت مندوں کا ہجوم رہتا ہے، ان کی حاجت روائی کیا کرو، اور بے غرض لوگوں کو انکے حال پر رہنے دو[1]،

جلاوطنی، جیسا کہ اوپر کے جوابات سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی الزامات تحقیقات کے بعد غلط نکلے، لیکن سیاسی اور انتظامی حیثیت سے عامر بصرہ سے شام بھیجدیئے گئے، امیر معاویہؓ نے

---

[1] یہ واقعات ابن سعد کی مختلف روایات سے ماخوذ ہیں،

انھیں نہایت عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا، ان کی خدمت کے لئے ایک لونڈی مقرر کر کے اسکو ہدایت کر دی کہ ان کے حالات و مشاغل دیکھ کر انھیں اطلاع دیتی رہے، شام آنے کے بعد بھی ان کے معمولات و مشاغل میں کوئی فرق نہ آیا تھا چنانچہ وہ روزانہ صبح کو سویرے گھر سے نکل جاتے تھے اور شام کی تاریکی میں واپس آتے، امیر معاویہ ان کے لیے کھانا بھیجتے تھے، عامر اسکو مطلق ہاتھ نہ لگاتے، کہیں سے روٹی کا ایک ٹکڑا لیتے آتے، اسی کو پانی میں بھگو کر کھا لیتے اور وہی پانی اوپر سے پی کر عبادت میں مصروف ہو جاتے اور رات سے صبح تک مصروف رہتے، لونڈی نے امیر معاویہ کو یہ حالات بتائے، انھوں نے حضرت عثمانؓ کو لکھ بھیجے، جب آپ کو عامر کی اصل حقیقت معلوم ہوئی تو امیر معاویہ کو انھیں مقرب بنانے اور دس غلام اور دس سواریاں آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا حکم دیا، امیر معاویہ نے عامر کو اطلاع دی کہ امیر المومنین نے مجھے آپ کی خدمت میں دس غلام اور دس سواریاں پیش کرنے اور آپ کو مقرب بنانے کا حکم دیا ہے، انھوں نے جواب دیا ایک شیطان پہلے سے مسلط ہے، اسی کا بار کیا کم ہے کہ دس غلاموں کا بار اٹھاؤں، ایک خچر میرے پاس ہے، وہ سواری کے لئے کافی ہے، مجھ کو خوف ہے کہ قیامت کے دن خدا مجھ سے فاضل سواریوں کے متعلق بھی بازپرس کریگا، رہی عزت و تقرب تو اس کی مجھ کو کوئی خواہش نہیں ہے،[1]

واپسی سے انکار اور شام کی مستقل اقامت،

عامر کے اصل حالات معلوم ہونے کے بعد امیر معاویہ نے ان سے کہا کہ اگر آپ کا دل چاہے تو آپ بصرہ واپس جا سکتے ہیں، انھوں نے جواب دیا اب میں ایسے شہر میں واپس نہ جاؤں گا، جہاں کے باشندوں نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا، غرض وہ بصرہ تو واپس نہ ہوئے لیکن حکومت کی نگرانی ان پر سے اٹھ گئی، اور وہ

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص [illegible] و [illegible]،

ساحلی علاقے کی طرف نکل گئے، کبھی کبھی امیر معاویہ سے ملنے کو چلے آتے تھے، امیر معاویہ ان سے ان کی ضروریات پوچھا کرتے یہ ہمیشہ یہی جواب دیتے کہ میری کوئی ضرورت ہی نہیں ہے، جب معاویہ کا اصرار زیادہ بڑھا تو یہ فرمایش کی کہ "شام کے سرد موسم کی وجہ سے روزوں کی گرمی اور چاشنی کا لطف جاتا رہا، اگر ہو سکے تو بصرہ کی جیسی گرمی یہاں پیدا کر دو"[۵]۔

وطن سے بے تعلقی، عامر جیسے بے نیاز شخص کے لئے وطن اور پردیس سب برابر تھے، وطن میں ان کے لئے کوئی خاص کشش نہ تھی، پھر شام جیسی مقدس اور انبیاء و صلحا کا موطن و مدفن سرزمین مل گئی تھی، اس لئے رہا سہا وطن سے جو تعلق باقی تھا وہ بھی منقطع کر لیا، اور وطن اور اہل وطن سب کو بھلا کر یاد الٰہی میں مصروف ہو گئے، بصرہ سے جو لوگ شام آتے اور ملنے کے لئے ان کے پاس جاتے ان کی ملاقات بھی عامر کے لئے کوئی خوشگوار باقی نہ رہ گئی تھی، قاضی عبید اللہ بن حسن کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں شام گیا، تو عامر سے ملاقات کے لئے انھیں تلاش کیا، معلوم ہوا کہ وہ ایک مقام پر ایک بوڑھی عورت کے یہاں آتے جاتے ہیں یہ پتہ پا کر میں اس عورت کے یہاں پہنچا، اس نے کہا وہ شب و روز اس پہاڑ کے دامن میں روزہ نماز میں مشغول رہتے ہیں، اگر تم ان سے ملنا چاہتے ہو تو افطار کے وقت جاؤ اس وقت وہ ضرور ملیں گے، چنانچہ میں افطار کے وقت پہاڑ کے دامن میں پہنچا، عامر موجود تھے، میں نے سلام کیا، انھوں نے ملنے کے بعد صرف ایک شخص کا اور وہ بھی ایسے شخص کا حال پوچھا، جس سے میں صرف ایک دن قبل مل چکا تھا، اپنے وطن اور اہل وطن کا کوئی حال نہیں دریافت کیا، یہ بھی نہیں پوچھا کہ کون زندہ ہے، کون مر گیا، کھانے تک کا بھی مجھ سے اخلاق نہیں کیا، یہ خلاف امید باتیں دیکھ کر میں نے کہا میں آپ میں عجیب باتیں پاتا ہوں، فرمایا کیا میں نے

---

[۵] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۱۵،

کہا کہ آپ کو ہم لوگوں سے جدا ہوئے مدت گذر گئی، لیکن آپ نے ان میں سے کسی کا حال نہیں پوچھا، اور پوچھا بھی تو ایک ایسے شخص کا جس سے میں صرف ایک دن پہلے مل چکا تھا، فرمایا میں نے تم کو صاحح پایا اس لئے تمھارے متعلق کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی، میں نے عرض کیا، وطن سے تازہ وارد تھا، آپ نے یہ بھی نہ پوچھا کہ کون مرگیا کون زندہ ہے، فرمایا ایسے لوگوں کے متعلق کیا پوچھتا کہ جو مر چکے وہ ختم ہو چکے، اور جو نہیں مرے ہیں، وہ عنقریب مرنے والے ہیں، میں نے کہا آپ نے شب کے کھانے کے متعلق بھی مجھ سے اخلاق نہیں کیا، فرمایا میں جانتا تھا کہ تم امیرانہ غذا کھاتے ہو اس لئے خشک اور روکھی سوکھی غذا کے لئے کیا پوچھتا[1]

مجاہدات و نفس کشی، عام عبادت و ریاضت اور زہد و ورع کے ابتدائی مراحل کو طے کر کے مجاہدہ اور نفس کشی کی اس معراج تک پہنچ گئے تھے، جہاں کسی دنیاوی دل فریبی بلکہ آرام و راحت کا گذر نہ تھا، انھوں نے نفس کشی اور مجاہدات کو اپنا مقصد حیات بنا لیا تھا، ایک زمانہ میں فرمایا کرتے تھے، کہ اگر ہو سکا تو زندگی کا صرف ایک مقصد بنا لوں گا،[2] انھوں نے اس عزم کو اس کامیابی کے ساتھ پورا کیا کہ دنیا کی ان تمام نعمتوں اور لذتوں کو جن سے اس مقصد عظیم میں خلل پڑنے کا احتمال تھا منقطع کر دیا، وہ خدا سے دعا کیا کرتے تھے کہ "میرے دل سے عورتوں کی خواہش دور کر دے، کہ یہ شے میرے دین کے لئے سب سے زیادہ خطرناک ہے، اپنے ماسوا کا خوف دل سے نکال دے، اور آنکھوں سے نیند اڑا دے کہ جس طرح چاہوں آزادی سے رات دن تیری عبادت کر سکوں، خدا نے ان کی پہلی دو دعائیں قبول کیں، لیکن ایک عرصہ تک نیند پر پورا قابو حاصل نہ ہو سکا،[3] آپ فرماتے تھے کہ دنیا چار چیزوں کا نام ہے، خواب و خور، دولت اور عورت، دو چیزوں یعنی عورت اور مال سے میں نے نفس کو

---

[1] ابن سعد ج ۶ ق اول ص ۹، [2] ایضاً ص ۶، [3] ایضاً ص ۵،

روک لیا ہے، مال کی مجھے حاجت نہیں، اور عورت اور دیوار میرے نزدیک دونوں برابر ہیں، لیکن نیند اور کھانے پر ابھی پورا قابو نہیں ہے، لیکن خدا کی قسم میں ان دونوں خواہشوں کو مٹانے میں اپنی پوری امکانی کوشش صرف کردوں گا، نیند اڑانے اور بھوک بھگانے کی یہ تدبیر نکالی تھی کہ رات بھر جاگ کر عبادت کرتے تھے، اور دن کو روزہ رکھکر سوتے تھے[1]

شام کے زمانہ قیام میں سارا دن روزے میں گذرتا تھا اور پوری رات نماز میں بسر ہوتی تھی، غذا میں صرف روکھی روٹی تھی، جس کو پانی میں بھگو کر کھالیتے تھے[2] اس مجاہدہ وریاضت نے جسم کو ایسا زار ونزار کر دیا تھا، کہ دیکھنے والوں کو رحم آتا تھا، ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کہا کہ اپنے اوپر آپ بڑا ظلم کرتے ہیں، آپ نے اپنے ہاتھوں کا چمڑا پکڑ کے فرمایا، خدا کی قسم اگر ہوسکا تو اس کو ایسا بنادوں گا کہ زمین کو اس سے بہت کم تری ملے[3]، ماسوائے اللہ سے بے خوفی کا یہ حال تھا کہ وحشی حیوانوں تک سے نہیں ڈرتے، قتادہ کا بیان ہے کہ عامر جب غزوات میں شریک ہوتے تھے، اور راستہ میں جھاڑیاں ملتیں اور ان سے کہا جاتا کہ ان میں شیر کا ڈر ہے تو جواب دیتے کہ مجھے خدا سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ اس کے علاوہ کسی کا خوف کروں[4]

عبادت میں اخفار عبادت میں ہمیشہ اخفار کا اہتمام رکھتے تھے، اس لئے عام نگاہوں سے چھپکر عبادت کرتے تھے، ان کے ایک شریک سفر کا جو کسی جہاد میں ہمراہ تھے، بیان ہے کہ ایک مہم میں میرا اور عامر کا ساتھ ہوگیا، ایک جھاڑی کے پاس منزل ہوئی، عامر نے اپنا سامان ایک جگہ جمع کیا، اور گھوڑے کو باندھ کر اس کے سامنے چارہ ڈال کر جھاڑی میں گھس گئے، میں نے طے کیا کہ آج میں ان کو ضرور دیکھوں گا، کہ وہ رات کو کیا کرتے ہیں، چنانچہ میں

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۷۹، [2] ایضاً ص ۸۳، [3] ایضاً ص ۷۶، [4] ایضاً

نگرانی شروع کی وہ جاکر ایک ٹیلہ پر نماز میں مشغول ہوگئے، اور صبح تک نماز پڑھتے رہے، طلوعِ صبح کے وقت اونھوں نے یہ دعا مانگی "خدایا میں نے تجھ سے تین چیزیں مانگی تھیں، دو تو نے عطا فرمائیں اور ایک نہیں دی، خدایا وہ بھی دیدے کہ میں حسب خواہش تیری عبادت کرسکوں" یہ دعا کرتے کرتے صبح ہوگئی، اس وقت مجھ پر ان کی نظر پڑی، مجھے دیکھ کر کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم رات بھر میری نگرانی کرتے رہے، میں ابھی تم کو تباتا ہوں، یہ کہہ کر وہ مجھ پر چلا کر بگڑے، میں نے بھی درشت لہجہ میں جواب دیا کہ اس ہنگامہ آرائی کو جانے دیجئے، آپ نے دعا میں خدا سے جن باتوں کے چاہنے کا ذکر کیا تھا ان کو بتائیے، ورنہ رات کا سارا ماجرا لوگوں پر ظاہر کردوں گا، انھوں نے کہا دیکھو ایسا نہ کرنا، میں نے کہا نہیں میں ضرور کہوں گا، جب انھوں نے دیکھا کہ میں باز آنے والا نہیں ہوں تو کہا اچھا میں بتائے دیتا ہوں، لیکن جب تک میں زندہ رہوں اس وقت تک کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا، میں نے خدا کو درمیان میں ڈالکر رازداری کا وعدہ کیا، وعدہ لینے کے بعد اونھوں نے کہا میں نے اپنے رب سے چاہا تھا کہ وہ میرے دل سے عورت کی خواہش نکال دے جو میرے دین کے لئے سب سے زیادہ خطرناک ہے، خدا نے اسے قبول کرلیا، اور اب میرے نزدیک عورت اور دیوار دونوں برابر ہیں، دوسری دعا یہ تھی کہ میرے دل میں اس کے علاوہ اور کسی کا خوف باقی نہ رہے، چنانچہ اب میں کسی سے نہیں ڈرتا، تیسری دعا یہ تھی کہ میری نیند اڑ جائے تاکہ رات دن جب چاہوں عبادت کرسکوں، یہ دعا قبول نہ ہوئی،[1]

بعض شکوک کا ازالہ اگرچہ بظاہر اس نفس کشی کی سرحد رہبانیت سے ملتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، لیکن مقربین بارگاہ کے لئے یہ منزل بھی ابتدائی ہے، جن کے رتبے ہیں سوا انکو سوا مشکل ہے،

[1] ابن سعد ج، ق اول ص

خود ان کے زمانہ میں لوگوں نے ان کے اس راہبانہ تقشف پر اعتراضات کئے ہیں، انھوں نے اس کے جو جوابات دیئے ہیں ان سے بڑی حد تک ظاہری شکوک دفع ہو جاتے ہیں، ایک شخص نے ان کی متجردانہ زندگی کے خلاف یہ دلیل پیش کی،

قَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ	ہم نے تمھارے پہلے بہت سے رسول بھیجے،
وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً	اور ان کے لئے جوڑے اور اولاد بنائی،

یعنی جب انبیاء علیہم السلام نے جو خدا کے سب سے بڑے عبادت گذار بندے تھے ازدواج نہیں چھوڑا تو ایک معمولی انسان کے لئے اس کا جواز کیوں کر ہو سکتا ہے،

عامر نے قرآن ہی سے اس کا جواب دیا،

وَمَا خَلَقْتُ الْاِنْسَ وَالْجِنَّ اِلَّا	ہم نے جن اور انس کو صرف عبادت
لِيَعْبُدُوْنِ،	ہی کے لئے پیدا کیا ہے،

ایک اور شخص نے کہا کہ آپ شادی کیوں نہیں کرتے، انھوں نے اس کی یہ نفسیاتی توجیہ بیان کی، کہ مجھ میں نہ نشاط و امنگ ہے اور نہ مال و دولت ایسی حالت میں میں کیوں کسی مسلمان عورت کو دھوکا دوں[1]، ظاہر ہے کہ جب مینائے دل ہی ولولوں اور نشاط کی شراب سے خالی ہو تو پھر شادی کرنا عورت کی زندگی خراب کرنا ہے،

ایک مرتبہ کچھ لوگ ایک موقع پر کہہ رہے تھے کہ عامر گوشت اور چربی نہیں کھاتے، مسجد میں نماز نہیں پڑھتے، شادی نہیں کرتے، آج تک ان کے جسم نے دوسرے جسم کو مس نہیں کیا ہے، اور وہ اپنے کو ابراہیم علیہ السلام کے مثل سمجھتے ہیں، معقل بن یسار نے یہ باتیں سنیں تو وہ اس کی تصدیق یا تردید کے لئے عامر کے پاس گئے، اور ان سے کہا کہ آپ کے متعلق لوگ ایسا ایسا

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۷۷،

کہتے ہیں، آپ کیا فرماتے ہیں، انھوں نے جواب دیا، کہ جب مجھے گوشت کھانے کی خواہش ہوتی ہے، تو خود بکری ذبح کرکے کھاتا ہوں، چربی بھی کھاتا ہوں، مگر وہاں سے (بادیہ کی طرف اشارہ کرکے بتایا) آئی ہوئی، روزانہ کی نمازیں مسجد میں نہیں پڑھتا، لیکن جمعہ کی نماز باجماعت پڑھتا ہوں، بقیہ نمازیں یہاں اپنے مقام پر ادا کرتا ہوں، شادی اس لئے نہیں کرتا، کہ میرے ایک ہی نفس ہے، مجھے ڈر ہے کہ شادی کے بعد وہ مجھے مغلوب نہ کرلے، میں یہ نہیں کہتا کہ میں ابراہیم کے مثل ہوں، البتہ یہ ضرور کہتا ہوں کہ مجھکو خدا سے امید ہے کہ وہ مجھے نبیوں صدیقوں، شہدا، اور صلحا کے ساتھ کرے گا، یہ لوگ بہترین رفیق ہیں[1]، ان اعتراضوں کے انھوں نے اور بھی جوابات دیئے ہیں جو اوپر گذر چکے ہیں،

جہاد فی سبیل اللہ، اگرچہ عامر گوشۂ عزلت کے خیال سے پہاڑوں کے دامن میں، ویرانوں میں اور نامعلوم مقامات پر عبادت کیا کرتے تھے، لیکن اس عزلت نشینی نے انھیں محض حجرہ نشین زاہد نہ بنادیا تھا بلکہ ان کی رگوں میں جہاد کا خون دوڑتا رہتا تھا، اسلامی مہمات میں انکی شرکت کے متعدد واقعات اوپر مختلف سلسلوں کے ماتحت گذر چکے ہیں، ان کا معمول تھا کہ جب وہ کسی جہاد میں جانے لگتے تو پہلے دہ موافق مزاج رفیق تلاش کرتے، جب وہ مل جاتے تو ان سے کہتے کہ میں اس شرط پر تمھارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں، کہ تم تین باتوں کی مجھ سے اجازت دو، ایک یہ کہ میں تمھارا موذن رہوں، دوسرے یہ کہ خدمت گذاری کروں اور اس میں کوئی شخص خلل اندازی نہ کرے گا، تیسرے اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق اپنی جیب سے تم پر خرچ کرونگا، اگر وہ لوگ ان باتوں کے ماننے پر آمادہ ہوجاتے تو عامر ان کے ساتھ ہو جاتے، اور اگر اس میں کوئی مزاحمت پیدا کرتا تو اس کا ساتھ چھوڑ کر دوسرے ساتھی تلاش کر لیتے[2] اپنی

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۷۵، [2] ایضاً ص ۷۴،

سواری پر دوسرے مجاہدین کو باری باری سے سوار کرتے تھے[1]

ان کا جہاد خالصۃً لوجہ اللہ ہوتا تھا، اسمار بن علید کا بیان ہے کہ عامر عنبری ایک مہم میں تھے، جنگ میں ایک بڑے ممتاز دشمن کی لڑکی ہاتھ آئی، لوگوں نے عامر کے سامنے اس کے اوصاف بیان کئے، انھوں نے اس کی تعریف سن کر کہا میں بھی مرد ہوں مجھے یہ لڑکی دیدو، ان کی اس غیر متوقع خواہش پر لوگوں نے نہایت مسرت کے ساتھ لونڈی ان کے حوالے کر دی، جب وہ ان کے قبضہ میں آگئی تو انھوں نے اس سے کہا تم لوجہ اللہ آزاد ہو، لوگوں نے ان سے کہا آپ اس کے بدلہ میں دوسری لونڈی آزاد کر سکتے تھے، انھوں نے جواب دیا کہ میں اپنے رب سے ثواب چاہتا ہوں[2]؛

امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے جہاد میں بھی ان کی تیغ زبان بے نیام رہتی تھی، خصوصاً خدا اور رسول کے احکام کی پامالی پر وہ جوش غضب سے لبریز ہو جاتے تھے، ایک مرتبہ رحبہ میں وہ ایک راستہ سے گذر رہے تھے، کہ دیکھا، ایک ذمی کو لوگ پکڑے ہوئے اس پر ظلم کر رہے ہیں، پہلے انھوں نے زبانی نصیحت کر کے ان کو روکنے کی کوشش کی، مگر جب وہ باز نہ آئے تو عامر کو غصہ آگیا، انھوں نے کہا تم لوگ جھوٹ کہتے ہو، میں اپنی زندگی میں ذمۃ اللہ کے ساتھ بدعہدی نہیں دیکھ سکتا، یہ کہہ کر ذمی کو زبردستی چھڑا لیا۔[3]

امرار وسلاطین سے بے نیازی، امرار اور ارباب دول سے ان کی بے نیازی، بیزاری کی حد تک پہنچی ہوئی تھی، وہ ان سے ملنا بھی پسند نہ کرتے تھے، چنانچہ ان پر جو الزام قائم کئے گئے تھے، ان میں ایک الزام امرار اور حکام سے نہ ملنے کا بھی تھا، جس کا انھوں نے یہ جواب دیا تھا کہ تم لوگوں کے یہاں خود ہی حاجتمندوں کا ہجوم رہتا ہے، ان کی حاجتیں پوری کیا

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۷۸، [2] ایضاً ص ۷۹، [3] ایضاً ص ۷۷،

کرو، اور بے غرض لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو[1] وہ خلفاء و سلاطین کسی سے مرعوب نہ ہوتے تھے
حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں انھوں نے جس جرأت اور بے باکی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا، اس کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے، اسی طرح امیر معاویہ کے عہدِ خلافت میں بصرہ کے قرار کا ایک وفد شام بھیجا گیا، اس میں ایک عامر بھی تھے، مضارب بن حزن نے جو وفد بھیجنے والوں میں تھے، امیر معاویہ سے پوچھا کہ آپ نے ہمارے قرار کو جنھیں ہم نے وفد میں بھیجا تھا، کیسا پایا، انھوں نے کہا ایک شخص کے علاوہ باقی سب جھوٹی تعریفیں اور فضول گوئی کرتے ہیں، جھوٹ لیکر آتے ہیں، اور خیانت لیکر واپس جاتے ہیں، صرف ایک شخص طبیعت کا مرد ہے، ہم لوگوں نے پوچھا امیر المومنین وہ کون شخص جواب دیا، عامر بن عبد قیس[2]،
اگر کبھی کوئی امیر عہدہ دار خود ان کے پاس آتا تو اس کے ساتھ بھی یہی طرزِ عمل رہتا، ایک مرتبہ کسی غزوہ میں گئے ہوئے تھے، راستہ میں ایک مقام پر منزل ہوئی، عامر ایک کنیسہ کے احاطہ میں اترے اور ایک آدمی کو متعین کر دیا، کہ کوئی شخص اندر نہ آنے پائے، تھوڑی دیر کے بعد اس شخص نے آکر اطلاع دی کہ امیر آنے کی اجازت چاہتے ہیں، عامر نے اندر بلا لیا، جب وہ آیا تو اس سے کہا میں تم کو خدا کی قسم دلاتا ہوں، کہ تم مجھ کو دنیا کی ترغیب نہ دلانا، اور آخرت کو میری نگاہوں سے نہ گرانا[3]

دو دوست، حقیقت یہ ہے کہ عامر جس عالم میں تھے وہاں تعلقات و مراسم دنیاوی کا کوئی گذر ہی نہ تھا، چنانچہ انکی نہ صرف امراء بلکہ کسی سے بھی رسم و راہ نہ تھی، ساری دنیا میں ان کی محبت کی دولت صرف مطرف بصری کے حصہ میں آئی تھی، اور بس عورتوں میں ایک ادنیٰ درجہ کی بکری چرانے والی عورت سے اس کے اوصاف کی بناء پر ہمدردی ہو گئی تھی لیکن اس سے

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۷۷، [2] ایضاً ص ۷۸، [3] ایضاً ص ۷۹،

ربط بھی قائم نہ ہونے پایا تھا کہ وہ مر گئی،

مطرف کے ساتھ مجذوبانہ محبت تھی، چنانچہ بصرہ چھوڑتے وقت ان سے رخصت ہونے کے لئے ایک شب میں کئی مرتبہ مطرف کے گھر گئے، اور ہر مرتبہ ان سے کہتے تھے کہ "میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں خدا کی قسم تمہاری محبت مجھ کو بار بار تمہارے پاس لاتی ہے۔"

عورت کا قصہ یہ ہے کہ ایک مسکین اور عابدہ عورت چند بدویوں کی بکریاں چرایا کرتی تھی، اور ان کی ہر قسم کی وحشیانہ سختیاں جھیلتی تھی، عامر کے ساتھ اس کی معنوی مماثلت کی وجہ سے بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ فلاں عورت تمہاری بیوی ہے اور جنتی ہے، عامر اسکی تلاش میں نکلے، اس عورت کی زندگی یہ تھی کہ دن بھر وحشی اور بدخو بدویوں کی بکریاں چراتی تھی، شام کو جب بکریاں لے کر واپس آتی تو بدوی گالیوں کی بوچھار سے اس کا استقبال کرتے، اور اس کے سامنے روٹی کے دو ٹکڑے پھینک دیتے، یہ انھیں اٹھا لیتی، اور ان میں سے ایک لیجا کر اپنے گھر والوں کو دیتی تھی، اور خود دن بھر روزے رکھتی تھی، شام کو دوسرے ٹکڑے سے افطار کرتی، عامر تلاش کر کے اس کے پاس پہنچے، جب وہ بکریاں چرانے کے لئے نکلی تو عامر بھی ساتھ ہو گئے، ایک مقام پر پہنچ کر اس عورت نے بکریوں کو چھوڑ دیا، اور خود نماز میں مصروف ہو گئی، عامر نے اس سے کہا کہ اگر تمہاری کوئی ضرورت ہو تو مجھ سے بیان کرو، اس نے کہا میری کوئی ضرورت ہی نہیں ہے، جب عامر کا اصرار زیادہ بڑھا تو اس نے کہا میری صرف یہ خواہش ہے کہ میرے پاس دو سپید کپڑے ہوتے جو میرے کفن کے کام آتے، عامر نے اس سے پوچھا وہ لوگ (بدوی) تم کو گالیاں کیوں دیتے ہیں، اس نے جواب دیا اس میں مجھے خدا سے اجر کی توقع ہے، اس گفتگو کے بعد عامر اس کے آقاؤں کے پاس گئے، اور

ؔ۵۱ ابن سعد ج ۷، ق اول صفحہ ۸۰،

ان سے کہا تم لوگ اپنی لونڈی کو گالیاں کیوں دیتے ہو، اونھوں نے جواب دیا کہ اگر ہم ایسا نہ کریں تو وہ ہمارے کام کی نہ رہے، عامر نے کہا اچھا اس کو تم لوگ بیچو گے، انھوں نے کہا تم خواہ اس کے معاوضہ میں ہمیں کتنی ہی قیمت کیوں نہ دو ہم اسے الگ نہ کریں گے، یہ جواب سن کر عامر لوٹ گئے اور لونڈی کی خواہش کے مطابق دو سپید کپڑے مہیا کر کے اس کے پاس گئے، لیکن یہ عجیب اتفاق کہ اس وقت لونڈی اس دنیا سے رخصت ہو چکی تھی، عامر نے اس کے آقاؤں سے اجازت لیکر اس کی تجہیز و تکفین کی[۱]، اس طرح دنیا میں انھیں ایک عورت سے ہمدردی بھی پیدا ہوئی تو یوں ختم ہوگئی،

صدقات وخیرات، عامر بڑے مخیر و فیاض تھے، مجاہدین کی مالی خدمت کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے، ان کو دو ہزار وظیفہ ملتا تھا، جس وقت ملتا اسی وقت سے راستے میں انھیں جس قدر سائل ملتے انھیں تقسیم کرتے ہوئے گھر آتے[۲]،

دشمن کے لئے دعا ان کی زبان کسی کی بدی سے آلودہ نہ ہوئی اور نہ کسی کے لئے ان کی زبان سے کبھی بددعا نکلی، اپنے دشمنوں کے لئے بھی دعا ہی کرتے تھے، جن لوگوں نے انھیں وطن سے نکلوایا تھا، انکے حق میں بھی دعا کرتے تھے کہ خدایا جن لوگوں نے میری چغلی کھائی ہے اور اور مجھکو میرے وطن سے نکلوایا ہے، اور میرے بھائیوں سے مجھ کو جدا کرایا ہے، ان کے مال اور ان کی اولاد میں ترقی دے، انھیں تندرست رکھ اور ان کی عمر بڑھا[۳]،

ایک قابل ذکر خواب، ان کے متعلق ایک شخص کا خواب لائق ذکر ہے، جس سے ان کے روحانی مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے، سعید جزری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص کو خواب میں جمال نبوی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، اس شخص نے آپ سے التجا کی کہ حضور میرے لئے مغفرت

---

[۱] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۷۴، [۲] ایضاً ص ۷۵، [۳] ایضاً ص ۷۵،

کی دعا فرمائیں، آپ نے فرمایا تمھارے لئے عامر دعا کر رہے ہیں، اس شخص نے عامر سے یہ خواب بیان کیا، یہ لطف و کرم سنکر ان پر اتنی رقت طاری ہوئی کہ ہچکی بندھ گئی، [۱]

۳۸- عبداللہ بن عتبہ بن مسعود

نام و نسب، عبداللہ نام، ابو عبدالرحمن کنیت، مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بھتیجے ہیں، نسب نامہ یہ ہے، عبداللہ بن عتبہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ ابن کاہل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل ہذلی،

عبداللہ عہد رسالت میں پیدا ہو چکے تھے، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی حیات میں اتنا ہوش بھی ہو گیا تھا کہ آپ کو دیکھا تھا، اور آپ کے متعلق بعض واقعات ان کے حافظہ میں محفوظ تھے، اسی لئے عقیلی نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، وہ عہد رسالت میں پیدا ضرور ہوئے لیکن آپ کی حیات میں بالکل بچہ تھے، اکثر ارباب سیر کا فیصلہ یہی ہے کہ وہ تابعی ہیں، چنانچہ علامہ ابن سعد نے تابعین ہی کے زمرہ میں ان کے حالات لکھے ہیں، حافظ ابن عبدالبر نے اگرچہ احتیاطاً استیعاب میں ان کے حالات لکھ دیئے ہیں، لیکن ان کے نزدیک بھی وہ صحابی نہیں ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ عقیلی نے صحابہ میں ان کا ذکر کیا ہے، لیکن یہ سراسر غلط ہے، البتہ وہ کبار تابعین میں ہیں [۲]

بعض لوگ ان کی صحابیت پر یہ دلیل لاتے ہیں، کہ حضرت عمرؓ نے ان کو والی بنایا تھا، اور وہ غیر صحابی کو کسی عہدہ پر ممتاز نہیں کرتے تھے، لیکن یہ دلیل کافی نہیں ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک عہد رسالت میں اون کی پیدائش عہدہ کی سفارش کے لئے کافی تھی،

۱؎ ابن سعد ج ۴، ق اول ص ۸۱، ۲؎ استیعاب ج اول ص ۳۹۰،

فضل وکمال، | حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی وجہ سے ان کا گھر علم وعمل کا گہوارہ تھا، عبد اللہ بن عتبہ نے اسی گھر میں پرورش پائی تھی، اس لیے گھر کی یہ دولت بھی ان کے حصہ میں آئی، چنانچہ وہ مدینہ کے ممتاز علماء میں تھے اور حدیث اور فقہ وغیرہ مذہبی علوم میں پوری دستگاہ رکھتے تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقة رفیعا، کثیر الحدیث والفتیاء فقیہا[1] حدیث میں انھوں نے اپنے چچا عبد اللہ بن مسعودؓ، عمرؓ، عمارؓ بن یاسر ابوذرؓ ابو ہریرہؓ وغیرہ سے روایتیں کی ہیں، ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے لڑکے عبید اللہ، عون اور حمید بن عبد الرحمٰن، معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر، ابو اسحاق سبیعی، عامر الشعبی، عبد اللہ بن معبد زمانی اور محمد بن سیرین وغیرہ قابل ذکر ہیں[2]،

وفات، | عبد الملک کے عہدِ خلافت میں بشر بن مروان کی ولایتِ عراق کے زمانہ میں وفات پائی[3]،

اولاد | عبد اللہ اولاد کی جانب سے بڑے خوش قسمت تھے، ان کے ایک لڑکے مدینہ کے بڑے نامور عالم اور مدینہ کے سات مشہور فقہا میں سے ایک تھے، ان کے حالات آئندہ آئیں گے، اور عون زہد وورع میں مشہور تھے[4]

۳۹- عبد اللہ بن عون

نام ونسب، | عبد اللہ نام ابو عون کنیت، عبد اللہ بن درہ مزنی کے غلام تھے،

پیدائش، | سیل جارف کے تین سال قبل پیدا ہوئے[5]،

فضل وکمال، | علمی اعتبار سے کوفہ کے اکابر علماء میں تھے، امام ثوری کہتے تھے کہ میں نے ایوب

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۴۲، [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۱۱، [3] ابن سعد ج ۵ ص ۴۲، [4] تہذیب الاسماء ج اول ص ۲۶، [5] ابن سعد ج ، ق ۲ ص ۲۵،

یونس، تیمی اور ابن عون جیسے فضلا کسی ایک شہر میں اکٹھا نہیں دیکھے[1]

حدیث، اگرچہ عبداللہ جملہ مذہبی علوم میں دستگاہ رکھتے تھے، لیکن حدیث نبوی ان کا خاص موضوع تھا، اس میں وہ امتیازی پایہ رکھتے تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، کان ثقۃ کثیر الحدیث[2]،

انھوں نے اس عہد کے تمام اکابر محدثین کا علم اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا، ابن مدائنی کا بیان ہے کہ ابن عون نے ایسی مستند احادیث محفوظ کی تھیں، جو ان کے کسی ساتھی کے حصہ میں نہ آئی ہونگی، مدینہ کے ممتاز محدثین میں انھوں نے سالم اور قاسم، بصرہ کے محدثین میں حسن بصری اور ابن سیرین، اور کوفہ کے محدثین میں امام شعبی اور امام نخعی، مکہ کے محدثین میں عطار اور مجاہد، اور شام کے محدثین میں مکحول اور رجار بن حیوہ سے سماعِ حدیث کیا تھا[3] یعنی اس عہد کے تمام مراکزِ حدیث کے اکابر محدثین کی حدیثیں انھوں نے حاصل کر لی تھیں،

ان کے علاوہ دوسرے علمار میں بھی ایک بڑی جماعت سے مستفید ہوئے تھے، ان میں بعضوں کے نام یہ ہیں، ثمامہ بن عبداللہ بن انس، انس بن سیرین، زیاد بن جبیر بن حیہ، عبدالرحمن ابن ابی بکرہ، موسیٰ بن انس بن مالک، ہشام بن زید بن انس، سعید بن جبیر اور نافع وغیرہ[4]،

ان بزرگوں کے فیض نے ابن عون کا دامنِ علم نہایت وسیع کر دیا تھا، ابن مہدی کا بیان ہے کہ عراق میں ابن عون سے بڑا سنت کا عالم کوئی نہ تھا[5]،

ابن مبارک کہتے تھے کہ میں نے ملاقات سے پہلے جن جن لوگوں کا تذکرہ سنا تھا ان میں ابن عون، حیوۃ اور سفیان کے علاوہ باقی سب کو ملنے کے بعد کم پایا، لیکن ابن عون سے ملنے کے بعد دل چاہتا تھا کہ ہمیشہ کے لئے ان کے دامن سے وابستہ ہو جاؤں اور مرتے دم تک جدا نہ ہوں[6]،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۴۷، [2] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۴، [3] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۴۶، [4] ایضاً ص ۳۴۶،

[5] ایضاً ص ۳۴۸، [6] ایضاً،

ایک مرتبہ ہشام بن حسان نے ایک حدیث بیان کی کسی نے پوچھا یہ حدیث کس سے سنی؛ جواب دیا اوس شخص سے جس کا مثل میری آنکھوں نے نہیں دیکھا، اونھوں نے حسن بصری اور ابن سیرین کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا[1]،

روایت حدیث میں خوف و احتیاط اس وسعت علم کے باوجود وہ حدیث بیان کرنے میں بڑے محتاط تھے، انھوں نے روایت حدیث کے خوف سے راستہ نکلنا چھوڑ دیا تھا، بکار بن محمد کا بیان ہے کہ ابن عون نے مجھ سے کہا کہ بھتیجے لوگوں نے میرا راستہ بند کر دیا، میں اپنی ضروریات کے لئے بھی گھر سے باہر نہیں نکل سکتا، بکار کہتے ہیں کہ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ لوگ ان سے حدیثیں پوچھتے تھے[2]۔

تاہم اونھوں نے روایتِ حدیث کا دروازہ بالکل بند نہیں کر دیا تھا، اور علمار کی مصدقہ حدیثیں بیان کرتے تھے، بکار روایت کرتے ہیں کہ ابن عون نے کوفہ میں بڑا علم حاصل کیا، اور اُوس کو محمد کے سامنے پیش کیا، محمد نے سن کر جس حدیث پر پسندیدگی ظاہر کی، اس کو ابن عون نے بیان کیا، باقی احادیث چھوڑ دیں، لیکن اس احتیاط کے باوجود جب وہ حدیث روایت کرتے تھے تو اس میں کمی اور بیشی ہو جانے کے خوف سے ان پر اس قدر خوف طاری ہو جاتا تھا کہ دیکھنے والوں کو انھیں دیکھکر ترس آجاتا[3]،

تلامذہ، ان کے تلامذہ میں بڑے بڑے ائمہ تھے، اعمش، سفیان ثوری، شعبہ اور ابن مبارک وغیرہ عام تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا: ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، داؤد بن ابی ہند، یحیی القطان عباد بن العوام، ہشیم، یزید بن زریع، ابن علیہ، بشر بن مفضل، معاذ بن معاذ، یزید بن ہارون، ابو عاصم اور محمد بن عبد اللہ انصاری وغیرہ[4]،

فضائل اخلاق، علم سے زیادہ ان کا طغرائے کمال ان کا زہد و ورع اور انکے اخلاقی وروحانی فضائل

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۷، [2] ایضاً ص ۲۵، [3] ایضاً، [4] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۴۷،

تھے، ابن حبان کا بیان ہے کہ ابن عون عبادت و ریاضت، زہد و ورع، فضل و کمال، پابندی سنت اور اہل بدعت پر تشدد میں اپنے زمانہ کے سرداروں میں تھے[۱]

عقیدہ میں تشدد، عقائد میں صحابۂ کرام کے پاک اور صاف عقیدہ کے پابند تھے، اور اس میں مبتدعانہ خیالات کی آمیزش کو سخت ناپسند کرتے تھے، اور ایسے لوگوں کو سلام تک نہ کرتے تھے[۲] ایک مرتبہ ان کے سامنے قدر کا ذکر آیا، اونھوں نے کہا میری عمر اس عقیدہ کی عمر سے زیادہ ہے، میں نے سعید جہنی اور سنہویہ کے علاوہ اسلاف میں کسی کو اس کا ذکر کرتے ہوئے نہیں سنا، یہ خیال شر ہے[۳]،

عبادت، ان کے زہد و ورع اور عبادت و ریاضت نے ابن سیرین کو بھلا دیا تھا، قرہ کا بیان ہے کہ ہم لوگوں کو ابن سیرین ہی کے ورع پر حیرت ہوتی تھی، ابن عون نے انھیں بھی بھلا دیا[۴]، ان کی زندگی کا دل پسند مشغلہ عبادت تھا، نماز فجر کے بعد قبلہ رو بیٹھکر ذکر کرتے تھے، طلوع آفتاب کے بعد چاشت کی نماز پڑھکر لوگوں سے مخاطب ہوتے[۵]، روزانہ شب کو سات سورتیں پڑھتے تھے، اگر کسی شب کو ناغہ ہوجاتا تو دن کو پورا کرتے[۶]، گھر کے احاطہ میں ایک خاص مسجد تھی، مغرب اور عشا کے علاوہ باقی تین نمازیں اپنے لڑکوں، بھائیوں اور دوسرے حاضرین کے ساتھ اسی مسجد میں پڑھتے تھے، جمعہ اور عیدین میں بڑا اہتمام کرتے تھے، غسل کر کے بہترین لباس زیب تن کرتے، خوشبو لگاتے، کبھی سواری پر اور کبھی پاپیادہ مسجد جاتے، جمعہ کی نماز پڑھ کر گھر لوٹ جاتے، اور بقیہ سنتیں وغیرہ گھر ہی پر پڑھتے، رمضان کے زمانہ میں عبادت بہت بڑھ جاتی تھی، فرض نماز باجماعت پڑھکر گھر چلے آتے، اور تنہائی میں عبادت کرتے، تنہائی میں "الحمد للہ ربنا" کے ورد میں مشغول رہتے تھے[۷]، ایک دن درمیان دے کر ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے، اس معمول میں مرتے دم تک فرق نہ آیا[۸]،

[۱] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۴۸، [۲] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۲۵، [۳] ایضاً ص ۲۷، [۴] شذرات الذہب ج اول ص ۲۲۰، [۵] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۲۵، [۶] ایضاً ص ۲۶، [۷] ایضاً ص ۲۵، [۸] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۴۸،

جہاد فی سبیل اللہ، | جہاد فی سبیل اللہ بھی بہت بڑی عبادت ہے، اگرچہ اس میں شرکت کے تفصیلی حالات نہیں ملتے، لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس عبادت کو وہ نہایت ضروری فرض سمجھتے تھے، اور اس میں شرکت کے لئے خاص طور سے ایک اونٹنی پال رکھی تھی جس کو بہت محبوب رکھتے تھے، بعض مہمات میں ان کی شرکت کی تصریح ملتی ہے، چنانچہ روم کی کسی جنگ میں شریک ہوئے تھے، اور ایک رومی سے مبارزطلبی کرکے اس کو قتل کیا تھا،[۱]

اصلاح نفس | اپنے نفس کی اصلاح کے علاوہ دنیا کے اور تفریحی مشغلوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی، بکار بن محمد روایت کرتے ہیں کہ ابن عون نہ کسی سے مذاق کرتے تھے، نہ کسی سے بحث ومناظرہ کرتے تھے، نہ شعر خوانی کرتے تھے، بس انھیں اپنے نفس کی اصلاح سے کام تھا،[۲]

احسان میں اخفاء | کسی کے ساتھ احسان کرکے اس کا اظہار برا سمجھتے تھے، بکار بن محمد کا بیان ہے کہ ابن عون جب کسی کے ساتھ کوئی سلوک کرتے تھے تو اس مخفی طریقہ سے کہ کسی کو خبر نہ ہونے پائے، دوسروں پر اس کا اظہار نہایت برا جانتے تھے،[۳]

قسم سے احتراز، | قسم کھانا اچھا نہ سمجھتے تھے، چنانچہ کبھی سچی قسم بھی نہ کھاتے تھے، بکار بن محمد بیان کرتے ہیں کہ میں ایک زمانۂ دراز بلکہ ان کی موت تک ان کے ساتھ رہا، اس طویل مدت میں میں نے کبھی ان کو جھوٹی سچی کسی قسم کی قسم کھاتے نہیں دیکھا،[۴]

اخلاق، | نہایت خوش اخلاق، حلیم الطبع اور نرم خو تھے، کسی موقع پر بھی ان کی زبان سے کوئی ناروا کلمہ نہیں نکلتا تھا، بکار کا بیان ہے کہ میں نے ابن عون سے زیادہ زبان پر قابو رکھنے والا آدمی نہیں دیکھا، وہ اپنے لونڈی غلاموں بلکہ بکری اور مرغی تک کو کبھی گالی نہ دیتے تھے،[۵]

---

[۱] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۵، [۲] ایضاً ص ۲۵، [۳] ایضاً ص ۲۷، [۴] ایضاً ص ۲۶،

[۵] ایضاً ص ۲۵،

اوپر گذر چکا ہے، اپنی جہاد کی اونٹنی کو وہ بہت محبوب رکھتے تھے، ایک مرتبہ ایک غلام کو اس پر پانی لاد کر لانے کا حکم دیا، اس نے اسکو ایسی بے دردی کے ساتھ مارا کہ اس کی آنکھ بہ گئی، لوگوں کو خیال ہوا کہ اگر انھیں کسی بات پر غصہ آسکتا ہی تو غلام کی اس حرکت پر ضرور آئیگا لیکن جب ان کی نظر اونٹنی پر پڑی تو غلام سے صرف اس قدر کہا سبحان اللہ خدا تم کو برکت دے کیا تم کو مارنے کے لئے چہرہ کے علاوہ اور کوئی عضو نہ ملتا تھا، اور اس کو گھر سے نکال کر آزاد کر دیا[1]، یہ ان کی انتہائی خفگی تھی، اپنے دشمنوں کو بھی جن کے ہاتھوں ایذا پہنچی تھی برا نہ کہتے تھے، ایک مرتبہ انھوں نے ایک عربی عورت سے شادی کی، بلال بن ابی بردہ نے اس عصبیت میں کہ ایک غلام نے ایک عربی عورت سے شادی کی انھیں کوڑوں سے پٹوایا ابکار کا بیان ہے کہ میں نے اس واقعہ کے بعد بھی ابن عون کی زبان سے بلال کے متعلق ایک لفظ نہیں سنا، ایک مرتبہ بعض لوگوں نے کہا، کہ بلال نے آپ کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا، فرمایا ایک آدمی مظلوم ہوتا ہے، لیکن پھر وہی ظلم کی شکایت کرکے ظالم بن جاتا ہے، تم میں سے کوئی بھی بلال کے لئے مجھ سے زیادہ سخت نہیں ہی، لیکن میں اسکی شکایت کرکے ظالم نہ بنونگا[2]

حب رسول، | ذات نبوی کے ساتھ والہانہ شیفتگی رکھتے تھے، چنانچہ ان کی سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ ایک مرتبہ خواب ہی میں رخ انور کی زیارت ہو جاتی، خدا نے ان کی یہ تمنا پوری کی، وفات سے کچھ دنوں پہلے خواب میں دیدار جمال نبوی سے مشرف ہوئے، اس شرف پر ایسے وارفتہ ہوئے کہ بالاخانہ سے اتر کر فوراً مسجد میں آئے اور انتہائی مسرت میں گر پڑے، پیر میں چوٹ آئی، لیکن ایک بابرکت یادگار کی حیثیت سے اس چوٹ کا علاج نہ کیا کہ[3]

زخم دل منظر مبادا بہ شود ہشیار باش   کیں جراحت یادگار ناوک مژگان اوست

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۲۴، [2] ایضاً ص ۲۶، [3] ایضاً ص ۲۹،

وفات، | بالآخر یہی چوٹ مرض الموت کا سبب بن گئی، لیکن ابن عون نے نہایت صبرو استقلال کے ساتھ اس مرض کی تکلیفوں کا سامنا کیا، بکار بن محمد کا بیان ہے کہ بیماری کی حالت میں وہ تیر سے زیادہ ضابط وصابر تھے، دوران علالت میں مطلق حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے، ہوش وحواس آخر دم تک قائم رہے، اپنی پھوپھی ام محمد بنت عبداللہ کے کہنے پر میں ابن عون کی حالتِ نزع میں سورہ یٰسین پڑھتا تھا، میں نے موت کے وقت ان سے زیادہ عاقل کسی کو نہیں دیکھا، جب تک آخری سانس آتی رہی اس وقت تک وہ قبلہ رُو خدا کا ذکر کرتے رہے، بالآخر خدا نے ان کی مشکل آسان کی، اور رجب ۱۵۱ھ میں وہ واصل بحق ہو گئے، جنازہ میں لوگوں کا اتنا ہجوم تھا کہ مسجد کا صحن اور اس کی عمارت ناکافی ثابت ہوئی، اور محراب میں جنازہ رکھکر نماز پڑھائی گئی، جمیل بن محفوظ ازدی نے نماز جنازہ پڑھائی،[۱]

ترکہ، | ابن عون کے پاس نقد روپیہ نہ تھا، ترکہ میں دو مکانات چھوڑے، مرض الموت میں پانچویں حصہ کی وصیت اپنے اعزہ واقربا کے لئے کر گئے تھے، دس ہزار سے کچھ اوپر قرض تھا، اس کو ادا کرنے کے بعد وصیت پوری کی گئی،[۲]

حلیہ، | نہایت خوش جمال آدمی تھے، نصف کانوں تک پٹے تھے، مونچھیں زیادہ گہری نہیں کترواتے تھے،[۳]

نفاست | خوش جمالی کیساتھ بڑے نفاست پسند لطیف مزاج اور خوش لباس تھے کپڑے نہایت نرم و باریک پہنتے تھے، خوشبو زیادہ لگاتے تھے، پورا لباس پہن کر گھر سے باہر نکلتے تھے، وضو اور کھانیکے وقت خادم رومال پیش کرتا تھا، اس سے ہاتھ منہ صاف کرتے تھے، لہسن وغیرہ بدبودار چیزوں سے سخت نفرت تھی جس کھانے میں لہسن ہوتا تھا اسکو ہاتھ نہ لگاتے تھے، ایک مرتبہ لونڈی نے کھانا پکاکر سامنے لگایا، اسمیں لہسن کی بو معلوم ہوئی لونڈی سے پوچھا اس نے اقرار کیا، لیکن طبیعت میں ضبط وتحمل بہت تھا، اسلئے صرف اسقدر کہا، خدا تجھکو برکت دے، خدا تجھکو برکت دے، اسکو میرے سامنے سے ہٹاؤ،

[۱] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۲۹، ۳۰، [۲] ایضاً ص ۳۰، [۳] ایضاً ص ۲۶، [۴] ایضاً ص ۲۶،

۴۰ - عبید اللہ بن عبد اللہ

نام ونسب، عبید اللہ نام، ابو عبد اللہ کنیت، مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے بھائی عتبہ کے پوتے تھے، نسب نامہ یہ ہے، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم مخزومی،

فضل وکمال، عبید اللہ کا گھر علم وعمل کا گہوارہ تھا، اسی مہدِ علم میں انھوں نے پرورش پائی، اس ماحول نے ان کو علم وعمل کا مجمع البحرین بنا دیا، فضل وکمال کے لحاظ سے وہ ممتاز ترین تابعین میں شمار ہوتے تھے، انھیں حدیث، فقہ، شعر وشاعری اور دوسرے مروجہ علوم میں پورا درک تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کان ثقۃ کثیر الحدیث والعلم شاعرا[1]، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت، امامت اور عظیم منزلت پر سب کا اتفاق ہے[2]،

حدیث، حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے، صحابہ میں انھوں نے ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابوہریرہؓ، ابو سعید خدریؓ، ابو واقد لیثیؓ، زید بن خالدؓ، نعمان بن بشیرؓ، عمار بن یاسرؓ، ابو طلحہ انصاریؓ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور فاطمہ بنت قیسؓ اور تابعین میں ایک کثیر جماعت سے فیض اٹھایا تھا[3]، حافظہ اتنا قوی تھا کہ ایک مرتبہ جو حدیث سن لیتے تھے، وہ ہمیشہ کے لئے خانۂ دماغ میں محفوظ ہو جاتی تھی[4]، اس حافظہ نے ان کے علم کا دائرہ نہایت وسیع کر دیا تھا، امام زہری کا بیان ہے کہ میں جن جن علماء کے پاس بیٹھا ان کے پاس جو کچھ تھا سب حاصل کر لیا، لیکن عبید اللہ علم کا بے پایاں دریا تھے، ان کے پاس جب آتا تھا تو ہمیشہ تازہ علم حاصل ہوتا تھا[5]، ایک دوسری روایت

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۸۹، [2] تہذیب الاسماء ج ۱ ق ۱ ص ۳۱۲، [3] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۳، [4] ایضاً، [5] تہذیب الاسماء ج ۱ ق ۱ ص ۳۱۲،

ہیں ان کا بیان یہ ہے کہ میں نے بہت علم حاصل کیا، اور ایک حد پر پہنچنے کے بعد خیال ہوا کہ جو کچھ میں حاصل کرچکا ہوں وہ بہت کافی ہے، لیکن جب عبید اللہ سے ملا تو معلوم ہوا کہ میرا علم کچھ بھی نہیں ہے[۱]

تلامذہ، حدیث میں ان کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع ہے، بعض کے نام یہ ہیں، عون، سعد بن ابراہیم، ابوالزناد، صالح بن کیسان، عراک بن مالک، موسیٰ بن ابی عائشہ، ابوبکر بن ابی الجہم عدوی ضمرہ بن سعید، طلحہ بن یحییٰ، عبید اللہ بن عبدہ، عبدالمجید بن سہیل وغیرہ[۲]، امام زہری ان کے حلقۂ درس کے ممتاز طالب علم اور ان کے مخصوص تلامذہ میں تھے، ان سے ان کا استفادہ ہمیشہ جاری رہا، امام مالک کا بیان ہے کہ ابن شہاب زہری اس وقت بھی جب کہ وہ عالم ہوچکے تھے عبید اللہ کے پاس آتے جاتے تھے، عبید اللہ ان سے حدیثیں بیان کرتے تھے اور وہ ان کے لئے کنوئیں سے پانی بھرتے تھے[۳]

فقہ، فقہ میں خصوصیت کے ساتھ ان کا پایہ نہایت بلند تھا، امام ابوجعفر طبری کا بیان ہے کہ علم اور احکام، اور حلال وحرام کی معرفت میں ان کا پایہ نہایت بلند تھا[۴]، ان کے تفقہ کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ وہ مدینہ کے سات مشہور فقہا میں سے ایک تھے، حافظ ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ وہ مدینہ کے ان دس، پھر ان کے بعد ان سات فقہا میں سے تھے، جو فقہ وفتاویٰ کا محور تھے، وہ بڑے صاحب علم فاضل اور فقہ میں بڑے بلند پایہ تھے[۵]

شاعری، فقہ اور شاعری میں کوئی نسبت نہیں، بلکہ ایک گونہ دونوں میں بیر ہے، لیکن عبید اللہ شاعر بھی تھے، ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ وہ نہایت اچھے شاعر تھے، میرے علم میں دو صحابہ

---

۱ ابن خلکان ج اول ص۲۷۱، ۲ تہذیب التہذیب ج، ص۲۳، ۳ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۶۹،

۴ تہذیب التہذیب ج، ص۲۴ بحوالہ طبری، ۵ ایضاً بحوالہ ابن عبدالبر،

سے اس وقت تک فقہار میں ان سے بڑا شاعر اور شاعروں میں اتنا بڑا فقیہ کوئی نہ تھا،[۱] وہ محض الفاظ کے ناظم نہ تھے، بلکہ حقیقی شاعر تھے، ان کی شاعری تفنن طبع کے لئے نہ ہوتی تھی بلکہ سوزِ قلب سے مجبور ہو کر شعر کہتے تھے، جب ان کی شعر گوئی پر کوئی اعتراض کرتا تو جواب دیتے کہ ایک دردمند اور دل کا بیمار اگر سانس نہ لے تو کیسے زندہ رہ سکتا ہے[۲] ابو تمام نے حماسہ میں انکے اشعار نقل کئے ہیں:

شققت القلب ثم ذررت فیہ　　　هواک فلیم فا لتام الفطور

"میں نے اپنا دل پھاڑ کر اس میں تیری محبت کا بیج بویا، بونے کے بعد شگاف قلب برابر ہو گیا"

تغلغل حب عثمة فی فوادی　　　فبادیہ مع الخافی یسیر

"عثمہ کی محبت میرے قلب میں ساری اور پیوست ہو گئی! وہ محبت جو علانیہ نظر آتی ہے اس محبت سے کم ہے جو مخفی ہے"

تغلغل حیث لم یبلغ شراب　　　ولا حزن ولم یبلغ سرور

وہ دل کی اس گہرائی میں پہنچ گئی ہے جہاں شراب، غم اور خوشی کوئی شے نہیں پہنچ سکتی"

آپ کے ان اشعار پر لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ ایسے رنگین اور عاشقانہ اشعار کہتے ہیں، فرمایا، دل کے بیمار کو لدود (ایک تلخ دوا جو منہ میں لگائی جاتی ہے) سے راحت ہوتی ہی[۳]

زہد وعبادت ان کے اس درد دل اور سوزِ باطن نے ان کو بڑا عابد و متورع بنا دیا تھا، امام نووی انھیں صلحائے تابعین میں،[۴] اور ابن خلکان عبادت گذار لکھتے ہیں[۵] ان کی نمازیں بڑی طویل اور سکون و اطمینان کی ہوتی تھیں، کسی کے لئے بھی ان کی نماز کے سکون میں فرق نہ آتا تھا امام مالک کا بیان ہے کہ عبید اللہ بڑی طویل نمازیں پڑھتے تھے، اور کسی شخص کے لئے بھی ایسی

۱؎ تہذیب التہذیب ج ۷ صـ۲۴ بحوالہ ابن عبدالبر، ۲؎ ابن سعد ج ۵ صـ۱۸۸، ۳؎ ابن خلکان ج اول صـ۲۶۲، ۴؎ تہذیب الاسمار ج اول ق اول صـ۳۱۲، ۵؎ ابن خلکان ج اول صـ۲۶۱،

جلدی نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ علی بن حسین (امام زین العابدین) ان کے پاس آئے اسوقت عبید اللہ نماز پڑھ رہے تھے، وہ بدستور نماز میں مشغول رہے، علی دیر تک ان کا انتظار کرتے رہے نماز تمام کرنے کے بعد لوگوں نے اعتراض کیا کہ تمہارے پاس رسول اللہ کے نواسہ آئے اور تم نے اتنی دیر تک ان کو انتظار کرایا، فرمایا خدا میری مغفرت فرمائے جسکو علم کی تلاش ہو اسے تکلیف اٹھانا چاہئے، اگرچہ کتابوں میں ان کے زہد و ورع کے واقعات کم ملتے ہیں، لیکن اگر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو ان کے اخلاقی فضائل و کمالات کے اندازہ کے لئے یہ مثال کافی ہے، کہ حضرت عمر بن عبد العزیز ان ہی کے تربیت یافتہ تھے، ان پر ان کے اخلاقی کمالات کا اتنا اثر تھا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ عبید اللہ کی ایک صحبت اور تھوڑی دیر ان کے ساتھ ہم نشینی مجھے دنیا ما فیہا سے عزیز ہے، خدا کی قسم ان کی ایک رات میں بیت المال کے ایک ہزار دینار سے خریدنے کو تیار ہوں، لوگوں نے کہا امیر المومنین بیت المال کے تحفظ میں شدت و اہتمام کے باوجود آپ ایسا فرماتے ہیں، جواب دیا خدا کی قسم میں ان کی رائے، ان کی نصیحت اور ان کی نصیحت کے وسیلہ سے ایک ہزار کے بجائے بیت المال میں ہزاروں ہزار داخل کروں گا، باہمی گفتگو سے عقل میں تازگی پیدا ہوتی ہے، قلب کو راحت ملتی ہے غم دور ہوتا ہے، اور ادب سدھرتا ہے،[۱]

وفات، باختلاف روایت سنہ ۹۸ یا سنہ ۹۹ میں مدینہ میں وفات پائی،[۲][۳]

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۸، [۲] ابن خلکان ج اول ص ۲۶۱، [۳] ابن سعد ج ۵ ص ۱۸۶،

۱۴۱ - عبدالرحمن بن اسود

نام ونسب، عبدالرحمن نام، ابوحفص کنیت، نسب نامہ یہ ہے، عبدالرحمن بن اسود بن یزید بن قیس بن عبداللہ بن مالک بن علقمہ بن سلامان بن سہل بن بکر بن عوف بن نخع نخعی مذحجی، ان کے والد اسود بن یزید بڑے صاحب علم اور عابد و زاہد تابعی تھے، ان کے حالات اوپر گذر چکے ہیں،

فضل وکمال، اگرچہ علم میں عبدالرحمن کا کوئی قابل ذکر پایہ نہ تھا تاہم وہ اس دولت سے بالکل تہی دامن بھی نہ تھے، حضرت عائشہؓ کے ساتھ ان کے والد کے عقیدت مندانہ مراسم تھے، اس سلسلہ میں ان کو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھی حاضری کا اتفاق ہوتا تھا، ان کا بیان ہے کہ جب تک میں نابالغ تھا حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بغیر حصول اجازت چلا جاتا، بلوغ کے بعد پھر اجازت لینے لگا،[۱]

حدیث، اس آمد و رفت کی وجہ سے ان کو بھی حضرت عائشہؓ سے استفادہ کا موقع ملتا تھا، چنانچہ حدیث میں انھوں نے حضرت عائشہؓ، انس بن مالکؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، اور اپنے والد اور والد کے چچا علقمہ بن قیسؓ سے فیض اٹھایا تھا، اور ان سے ابو اسحٰق سبیعی، ابو اسحٰق شیبانی، مالک بن مغول، ہارون بن عنترہ، عاصم بن کلیب، اعمش، لیث بن ابی مسلم اور محمد بن اسحٰق ابن یسار وغیرہ نے سماع حدیث کیا تھا،[۲]

فقہ، حدیث سے زیادہ ان کو فقہ میں درک تھا، حافظ ابن حجر ان کو فقیہ لکھتے ہیں،[۳]

---

[۱] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۱، [۲] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۴۰، [۳] ایضاً،

عبادت و ریاضت: اگرچہ علم میں وہ اپنے والد کے برابر نہ تھے، لیکن عمل میں وہ ان کے خلف الصدق تھے، رات رات بھر عبادت کرتے تھے، محمد بن اسحٰق روایت کرتے ہیں، کہ عبدالرحمٰن حج کے سلسلہ میں ہمارے یہاں آئے، ان کے ایک پاؤں میں کچھ شکایت تھی، مگر اس حالت میں بھی وہ ایک پاؤں کے سہارے رات سے صبح تک نمازیں پڑھتے رہے اور عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی[1]، زندگی بھر میں علٰحدہ علٰحدہ اسی حج اور اسی عمرے کئے[2] رمضان میں اپنے قبیلہ کی امامت کرتے تھے، اور اہل قبیلہ کے ساتھ بارہ ترویحے پڑھتے تھے، اور اس میں ایک تہائی قرآن سناتے تھے، ان کے علاوہ خود علٰحدہ ایک ایک ترویحہ میں بارہ بارہ رکعتیں پڑھتے تھے[3]،

بلا تفریق مذہب سلام: سلام اسلام کی نشانی سمجھتے تھے، اور بلا قید مذہب و ملت مسلم اور غیر مسلم سب کو سلام کرتے تھے، سنان بن حبیب سلمی کا بیان ہے، کہ میں عبدالرحمٰن بن اسود کے ساتھ پل کی طرف گیا، راستہ میں جو بھی یہودی اور نصرانی ملتا تھا سب کو سلام کرتے تھے، میں نے کہا آپ ان مشرکوں کو سلام کرتے ہیں، جواب دیا سلام مسلم کی نشانی ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ لوگ پہچان لیں کہ میں مسلمان ہوں[4]،

تعلقات کا لحاظ: قدیم تعلقات اور بزرگوں کے مراسم و تعلقات کا بڑا لحاظ رکھتے تھے، ابی عصام بن طلق کا بیان ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں ہم میں اور اسود بن یزید میں ہمسری کے تعلقات تھے، عبدالرحمٰن اس کا اتنا لحاظ کرتے تھے، کہ جب کسی سفر میں جاتے تھے، یا سفر سے آتے تھے، تو ہم لوگوں کو آکر سلام کرتے تھے[5]،

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ صہ ۱۴۰، [2] تہذیب الکمال صہ ۲۲۴، [3] ابن سعد ج ۶ صہ ۲۰۳، [4] ایضاً صہ ۲۰۳، [5] ایضاً صہ ۲۰۲،

وفات | سنہ وفات میں بڑا اختلاف ہی،

حلیہ ولباس | حنا کا خضاب لگاتے تھے، اور خز کی چادر اوڑھتے تھے،

۲۴- عبد الرحمٰن بن ابی لیلی

نام ونسب | عبد الرحمٰن نام، ابو عیسیٰ کنیت، والد کا نام یسار اور کنیت ابی لیلیٰ تھی، اس نے نام کی جگہ لے لی، نسب نامہ یہ ہے عبد الرحمٰن بن یسار بن بلال بن بلیل بن احیحہ بن الحلاج بن الحریش بن حجبا بن کلفہ بن عوف بن عمرو بن عوف اوسی انصاری،

ابن ابی لیلیٰ علمی اعتبار سے مقتدر تابعین میں تھے، ان کے والد ابی لیلیٰ ممتاز صحابی تھے، اور متعدد غزوات میں آنحضرت صلعم کی ہمرکابی اور جہاد کا شرف حاصل کیا تھا، کوفہ آباد ہونے کے بعد یہاں بود و باش اختیار کرلی تھی، جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی حمایت میں شہید ہوئے،[1]

پیدایش | عبد الرحمٰن حضرت عمرؓ کے وسط عہد خلافت میں پیدا ہوئے،[2]

فضل وکمال | علمی اعتبار سے عبد الرحمٰن نہایت بلند مرتبہ تابعی تھے، خوش قسمتی سے انھوں نے زمانہ ایسا پایا تھا جب صحابہ کرام کی بڑی تعداد موجود تھی، چنانچہ انھوں نے ایک سو بیس[120] انصار صحابہ کو دیکھا تھا،[3] اور ان میں بہتوں سے فائدہ اٹھایا، ان کے فیوض و برکات نے عبد الرحمٰن کو دولت علم سے مالا مال کر دیا، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق وجلالت پر سب کا اتفاق ہے،[4] اُنھیں قرآن، حدیث اور فقہ جملہ فنون میں درک تھا،

[1] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۳۰۴، [2] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۶۰، [3] ابن سعد ج ۷ ص ۷۶، [4] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۳۰۴،

قرآن قرآن کی قرات کا خاص ذوق تھا، ان کے یہاں ہر وقت قرار کا مجمع لگا رہتا تھا، مجاہد کا بیان ہے کہ عبد الرحمن کے ایک خاص مکان میں بہت سے مصاحف رکھے رہتے تھے، یہاں ہر وقت قرار کا مجمع رہتا تھا، صرف کھانے کے اوقات میں یہ لوگ یہاں سے ہٹتے تھے،[1]

حدیث، حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے، حافظ ذہبی انھیں امام لکھتے ہیں[2] صحابہ میں انھوں نے اپنے والد ابو لیلیٰ، عمرؓ، علیؓ، سعدؓ، حذیفہؓ، معاذ بن جبلؓ، مقداد بن اسودؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، ابوذر غفاریؓ، ابی بن کعبؓ، بلال بن رباحؓ، سہل بن حنیفؓ، ابن عمرؓ، عبد الرحمن بن ابی بکرؓ، قیس ابن سعدؓ، ابو ایوب انصاریؓ، کعب بن عجرہؓ، عبد اللہ بن زیدؓ، ابو سعید خدریؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، انس بن مالکؓ، براء بن عازبؓ، زید بن ارقمؓ، سمرہ بن جندبؓ، صہیبؓ، عبد الرحمن بن سمرہؓ، عبد اللہ بن حکمؓ اور اسید بن حضیرؓ وغیرہ سے استفادہ کیا تھا، ان میں بعضوں سے سماع ثابت نہیں ہے،[3]

حلقۂ درس، حدیث میں ان کا علم اتنا وسیع اور مسلم تھا، کہ صحابہ ان کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر ان کی احادیث سنتے تھے، عبد الملک بن عمیر کا بیان ہے کہ میں نے عبد الرحمن کے حلقۂ درس میں متعدد صحابہ کو دیکھا جن میں ایک براءؓ تھے، یہ لوگ خاموشی کے ساتھ عبد الرحمن کی احادیث سنتے تھے،[4]

مذاکرۂ حدیث حفظِ حدیث کے لئے مذاکرہ ضروری سمجھتے تھے، چنانچہ خود ان کے یہاں برابر مذاکرۂ حدیث جاری رہتا تھا، اور دوسروں کو بھی ہدایت کرتے تھے، کہ حدیث کی زندگی اس کے مذاکرہ میں ہے،[5]

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۷۵، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۰، [3] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۶۰،
[4] ایضاً ص ۲۶۱، [5] ابن سعد ج ۶ ص ۷۶،

فقہ فقہ میں بھی انھیں پوری دستگاہ حاصل تھی، حافظ ذہبی انھیں امام وفقیہ لکھتے ہیں[1]،

عہدۂ قضا ان کا فقہی کمال اتنا مسلم تھا کہ جب حجاج نے کوفہ کے عہدۂ قضا کا انتظام کرنا چاہا تو اس کی نظر انہی پر پڑی، اس کے پولیس افسر حوشب نے مخالفت بھی کی اور کہا کہ اگر آپ علی بن ابی طالب کو قاضی بنانا چاہتے ہیں تو انھیں بنائیے[2]، (یعنی ان ہی کی طرح مخالفت کریں گے) لیکن حجاج نے اس خطرہ کے باوجود ان ہی کو قاضی بنایا، لیکن پھر بعض اختلافات کی بنا پر جن کا تذکرہ آگے آئیگا، معزول کر دیا[3]،

احتیاط لیکن ان کمالات کے باوجود وہ بڑے محتاط تھے اور فتاویٰ کے جوابات دینے میں بہت تامل کرتے تھے، کہا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلعم کے ایک سو بیس انصاری اصحاب کو دیکھا ہے کہ جب ان میں سے کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تھا، تو وہ اپنا پہلو بچا کر چاہتا تھا کہ دوسرا شخص جواب دیدے، اور اب یہ حال ہے کہ لوگ ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے ہیں[4]،

تلامذہ ان کے تلامذہ کا دائرہ خاصہ وسیع تھا، ان میں ان کے لڑکے عیسیٰ، پوتے عبداللہ، عمرو بن میمون، شعبی، ثابت البنانی، حکم بن عتیبہ، حصین بن عبدالرحمٰن، عمر بن مرہ، مجاہد بن جبیر، یحییٰ بن الجزار، ہلال الوزان، یزید بن ابی زیاد، ابو اسحٰق شیبانی، منہال بن عمرو، عبدالملک بن عمیر، اعمش اور اسمٰعیل بن ابی خالد وغیرہ لائق ذکر ہیں[5]،

سادگی طبعاً نہایت سادہ مزاج واقع ہوئے تھے، تکلفات کو سخت ناپسند کرتے تھے، ایک مرتبہ وضو کے بعد ایک شخص نے منہ پوچھنے کے لئے رومال پیش کیا، انھوں نے پھینک دیا[6]،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۵۰، [2] ابن سعد ج ۶ ص۷۵، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۵۰، [4] ابن سعد ج ۶ ص۷۵، [5] تہذیب التہذیب ج ۶ ص۲۶۱، [6] ابن سعد ج ۶ ص۷۵

ہیبت لیکن اس سادگی کے باوجود لوگوں کے دلوں پر انکی اتنی عظمت و ہیبت بیٹھی ہوئی تھی، کہ ان کے ساتھی تک امراء کی جیسی ان کی عظمت کرتے تھے[1]

ایک آزمائش ان کے دورِ قضاۃ میں انھیں ایک نہایت سخت آزمائش سے دوچار ہونا پڑا، ان کا پورا گھر حضرت علیؓ کے فدائیوں میں تھا، ان کے والد ابولیلیٰ حضرت علیؓ کی حمایت میں جنگِ صفین میں مارے گئے تھے[2]، خود یہ جنگِ جمل میں حضرت علیؓ کے پرجوش حامیوں میں تھے، اور ان کی فوج کا علم ان کے پاس تھا[3]، خارجیوں کے مقابلہ میں نہروان کے معرکہ میں بھی حضرت علی کے ساتھ تھے[4]، اس فدیت کی بنا پر حجاج نے ان پر دباؤ ڈالا کہ وہ حضرت علیؓ پر تبرا کہیں، یہ توریہ کرتے تھے، صاف برا نہ کہتے تھے، اس لئے حجاج نے ان کو معزول کر کے انھیں مارا[5]،

وہ کہتا تھا کہ علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، اور مختار بن ابی عبید وغیرہ جھوٹوں پر لعنت بھیجو، انھوں نے اس کے ظلم و زیادتی سے مجبور ہو کر لعنت تو بھیجی لیکن الاعمال بالنیات کے اصول پر پہلے وہ کہتے تھے کہ خدا جھوٹوں پر لعنت بھیجے، یہ جملہ تمام کرنے کے بعد پھر وہ علیؓ ابن زبیرؓ اور مختار کا نام لیتے تھے اس طرح وہ گویا لعنت کے جملہ کو الگ کر دیتے تھے[6]

ایک بہترین اسوہ جیسا کہ اوپر کے واقعات سے معلوم ہوا ہوگا، عبدالرحمٰن علوی تھے، یعنی حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں وہ حضرت علیؓ کی فضیلت کے قائل تھے، ان کے ایک دوسرے معاصر عبداللہ بن حکیم عثمانی تھے، اس اختلافِ عقیدہ کے باوجود دونوں ایک مسجد میں نماز پڑھتے تھے، اور کبھی حضرت عثمانؓ اور علیؓ کی افضلیت پر بحث و مناظرہ نہ ہوتا تھا[7]،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۵۰، [2] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص۲۲، [3] ابن خلکان ج اول ص۲۷۵

[4] تاریخ خطیب ج۱۰ ص۲۰۲، [5] تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۵۰، [6] ابن سعد ج۶ ص۷۵، [7] تاریخ خطیب بغدادی ج۱۰ ص۲۰۱،

وفات، حجاج کے ان مظالم سے تنگ آکر اس کی مخالفت میں ابن اشعث کے ساتھ ہو گئے تھے، اور اسی جنگ میں وہ کام آئے، یا ڈوب کر انتقال کیا[۱]،

۴۳- عبدالرحمٰن بن غنم

نام ونسب، عبدالرحمٰن نام، والد کا نام غنم تھا، نسب نامہ یہ ہے، عبدالرحمٰن بن غنم بن کرب ابن ہانی بن ربیعہ بن عامر بن عدی بن وائل بن ناجیہ بن الجنبل بن جماہر بن ادغم بن اشعر اشعری، بعض علما انھیں صحابی بتاتے ہیں، اور اس کے ثبوت میں یہ واقعہ پیش کرتے ہیں کہ وہ ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ کشتی پر آئے تھے، لیکن یہ بیان صحیح نہیں ہے، وہ عہد رسالت میں موجود ضرور تھے اور اسی عہد میں شرف اسلام سے بھی مشرف ہوئے لیکن آنحضرت صلعم کے شرف زیارت سے محروم رہے، اور یہی روایت تقریباً متفق علیہ ہے[۲]،

فضل وکمال، فضل وکمال کے لحاظ سے عبدالرحمٰن ممتاز ترین تابعین میں تھے، ابو مسہر غسانی انھیں راس التابعین کہتے تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کان کثیر القدر صادقا فاضلا[۳] ابن سعد نے انھیں شام کے تابعین طبقۂ اول میں لکھا ہے، عجلی کبار تابعین میں لکھتے ہیں، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ صاحب جلالت اور ذی مرتبہ تھے[۴]،

حدیث، چونکہ عبدالرحمٰن مخضرمی ہیں، یعنی انھوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا، اس لئے انھیں صحابۂ کبار کی ایک بڑی جماعت سے استفادہ کا موقعہ ملا، چنانچہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، ابو ذر غفاریؓ، ابو درداؓ، ابو عبیدہ بن جراحؓ، ابو مالک اشعریؓ،

---

[۱] تاریخ خطیب ج ۱۰ صفحہ ۲۰۲، [۲] تفصیل کے لئے دیکھو تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۲۵۰، [۳] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۴۲، [۴] تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۲۵۱،

ابوموسیٰ اشعریؓ، ابوہریرہؓ، عبادہ بن صامتؓ، ثوبانؓ اور معاویہؓ وغیرہ سے انھوں نے سماعِ حدیث کیا تھا[1] حضرت معاذ بن جبلؓ کی صحبت سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ مستفید ہوئے تھے، ان کی ہم جلیسی اور مصاحبت کی وجہ سے صاحبِ معاذ ان کا لقب ہوگیا تھا[2]،

خود ان سے فیض پانے والوں میں ان کے لڑکے محمد بن عبد الرحمٰن، عطیہ بن قیس، ابوسلام الاسود، مکحول شامی، شہر بن حوشب، رجاء بن حیوۃ، عبادہ بن نسی، مالک بن ابی مریم اور صفوان بن سلیم وغیرہ لائقِ ذکر ہیں[3]،

فقہ، | عبد الرحمٰن کا خاص فن فقہ تھا، اس میں آپ کو بڑی بصیرت حاصل تھی، ان کے تفقہ کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو فقہ کی تعلیم دینے کے لئے شام بھیجا تھا، شام کے تمام تابعین نے فقہ ان ہی سے حاصل کی تھی[4]،

وفات، | ۷۸ھ میں شام ہی میں وفات پائی[5]،

۴۴ - عبد الرحمٰن بن قاسم

نام ونسب، | قاسم نام، ابومحمد کنیت، مشہور تابعی قاسم بن محمد بن ابی بکر کے صاحبزادے ہیں، نسب نامہ یہ ہے، عبد الرحمٰن بن قاسم بن ابی بکر بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ، ماں کا نام قریبہ تھا، یہ عبد الرحمٰن بن ابی بکر کی صاحبزادی تھیں، اس طرح عبد الرحمٰن کی رگوں میں دادھیال اور ننھیال دونوں جانب سے صدیقی خون تھا،

پیدائش، | حضرت عائشہؓ کی زندگی میں پیدا ہو چکے تھے[6]،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۲۵۰، [2] تہذیب الاسماء ج اول صفحہ ۳۰۳، [3] تہذیب التہذیب ج ۶ صفحہ ۲۵۰، [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۴۸ و تہذیب الاسماء ج اول صفحہ ۳۰۳، [5] ایضاً، [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۱۱۲،

فضل وکمال | عبدالرحمٰن کے والد قاسم بن محمد فضل وکمال اور زہد وورع کے لحاظ سے بڑے رتبہ کے تابعی تھے، ان کے حالات آئندہ آئیں گے، عبدالرحمٰن نے اسی گہوارۂ علم وفن میں پرورش پائی، اس لئے یہ دونوں کمالات گویا انھیں وراثۃً ملے تھے، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت، امامت، فضیلت اور صلاح پر سب کا اتفاق ہے[1]، حافظ ذہبی انھیں ثقہ، امام متورع، اور بلند مرتبت لکھتے ہیں[2]، ابن حبان فقہ، علم، دیانت، حفظ اور اتقان میں سادات اہل مدینہ میں شمار کرتے ہیں[3]،

حدیث، | مدینہ کے بڑے حفاظ میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں، ثقۃ ورعا کثیر الحدیث[4] حافظ ذہبی امام اور حجت لکھتے ہیں[5]، حدیث میں انھوں نے اپنے والد قاسم، ابن مسیب، عبداللہ بن عبداللہ بن عمر، سالم بن عبداللہ بن عمر نافع، اور محمد بن جعفر بن زبیر وغیرہ بڑے بڑے تابعین سے استفادہ کیا تھا اور سماک بن حرب، امام زہری، عبیداللہ بن عمرو بن عجلان، ہشام بن عروہ، منصور بن زاذان، یحییٰ بن منصور، یحییٰ بن سعید انصاری، موسیٰ بن عقبہ، ایوب سختیانی، حمید الطویل، مالک، شعبہ، حماد بن سلمہ، ثوری، اوزاعی، ابن جریج اور لیث وغیرہ جیسے اکابر آپ کے فیض یافتہ تھے[6]،

فقہ، | فقہ میں بھی وہ ممتاز پایہ رکھتے تھے، ابن حبان انھیں مدینہ کے سادات فقہا میں لکھتے ہیں امام نووی رضی ابن الرضی اور فقیہ ابن الفقیہ کا لقب دیتے ہیں[7]،

زہد وورع | زہد وورع میں بھی وہ ممتاز پایہ رکھتے تھے ابن سعد حافظ ذہبی ابن حجر اور امام نووی

ل تہذیب الاسماء ج اول ص۳۰۳، ۲ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۱۲، ۳ تہذیب التہذیب ج ۶ ص۲۵۴، ۴ تہذیب الاسماء بحوالہ ابن سعد، ۵ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص۱۱۲، ۶ تہذیب ج ۶ ص۲۵۵، ۷ تہذیب الاسماء ج اول ص۳۰۳،

تمام ارباب سیر و طبقات ان کے زہد و ورع پر متفق البیان ہیں، مصعب خیار مسلمین ہیں لکھتے ہیں مرہ کا بیان ہے کہ مدینہ میں ان سے افضل کسی کو نہیں پایا،[۱] ابن عیینہ انھیں اس عہد کا افضل ترین شخص کہتے تھے[۲]،

وفات، ان کی جائے وفات اور سنہ وفات دونوں میں ارباب سیر کا اختلاف ہے، ابن سعد کا بیان ہے، کہ شام میں سنہ ۱۲۶ھ میں وفات پائی، خلیفہ کی روایت کے مطابق سنہ یہی ہے، لیکن جائے وفات مدینہ ہے بعض سنہ ۱۳۱ لکھتے ہیں[۳]،

۴۵ - عروہ بن زبیر،

نام و نسب، عروہ نام ابو عبد اللہ کنیت، مشہور صحابی حواری رسول حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے فرزند تھے، ان کی ماں اسماء حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں، اس طرح عروہ کی رگوں میں ایک جانب حواری رسول اور دوسری جانب صدیق رسول کا خون تھا،

پیدائش، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخر یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آغاز عہد خلافت میں پیدا ہوئے، پہلی روایت زیادہ مرجح ہے[۴]،

جنگ جمل و صفین، جنگ جمل میں اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکلنا چاہا، لیکن ان کی عمر اس وقت کل تیرہ سال کی تھی، اس لئے شریک نہیں کئے گئے[۵]، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگ میں وہ کسی جانب نہ تھے،

بھائی کی حمایت، اپنے بھائی عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبد الملک کی معرکہ آرائیوں میں اپنے بھائی

۱؎ تہذیب التہذیب ج ۶ صد ۲۵۴، ۲؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول صد ۱۱۲، ۳؎ تہذیب التہذیب ج ۶ صد ۲۵۵، وتہذیب الاسماء ج اول صد ۳۳۱، ۴؎ تہذیب التہذیب ج ۷ صد ۱۸۳، ۵؎ ایضاً،

کے ساتھ تھے، عبداللہؓ کے مقتول ہونے کے بعد حجاج نے ان کی لاش سولی پر لٹکوادی تھی، اور کسی طرح تجہیز و تکفین کے لئے حوالہ نہ کرتا تھا، اس وقت عروہ ہی عبدالملک کے پاس شام گئے تھے، وہ بڑی محبت اور عزت سے پیش آیا، عروہ کو گلے لگا کر اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا، ابھی اس کو عبداللہ بن زبیرؓ کے قتل ہونے کی خبر نہ پہنچی تھی، عروہ ہی کی زبانی اسے معلوم ہوا، یہ خبر سن کر اس نے سجدۂ شکر ادا کیا، اور عروہ کی درخواست پر فوراً حجاج کے نام لاش حوالہ کرنے کا حکم جاری کر دیا، اور اس کی اس حرکت پر سخت ناپسندیدگی ظاہر کی[1]

عبدالملک کی بیعت ادھر مکہ میں عبداللہؓ کے قتل کے بعد حجاج عروہ کے تلاش میں تھا جب انکا پتہ نہ چلا تو اس نے عبدالملک کو لکھا کہ عروہ اپنے بھائی کے ساتھ تھے ان کے قتل ہو جانے کے بعد خدا کا مال لے کر بھاگ گئے، اس وقت عروہ شام میں موجود تھے، اس لئے عبدالملک نے جواب دیا کہ وہ بھاگے نہیں ہیں، بلکہ میری بیعت کر لی ہے، میں نے ان کی گذشتہ خطاؤں کو معاف کر کے انھیں امان دیدی ہے، وہ مکہ واپس جاتے ہیں وہاں ان کے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی نہ کیجائے، غرض وہ عبدالملک سے بیعت کر کے مکہ واپس آئے، ان کی واپسی کے بعد ان کے بھائی کی لاش دفن کی گئی[2]

عقیق کا قیام، اگرچہ عروہ نے عبدالملک کی بیعت کر لی تھی، اور دونوں میں کوئی ناخوشگواری باقی نہ رہ گئی تھی، لیکن وہ امویوں کی بے عنوانیوں اور جابرانہ طرق حکومت کو سخت ناپسند کرتے تھے، لیکن ان کا روکنا بھی ان کے بس میں نہ تھا، اس لئے انھوں نے شہر کا قیام ترک کر کے مدینہ کے قریب عقیق کے دیہات میں سکونت اختیار کر لی[3]

عبداللہ بن حسن کا بیان ہے کہ علی بن حسین (زین العابدین) اور عروہ روزانہ بعد عشا

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۹۱، [2] ایضاً، [3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۵،

مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں بیٹھتے تھے، میں بھی ان کے ساتھ بیٹھتا تھا، ایک دن گفتگو میں بنی امیہ کے بعض مظالم کا تذکرہ آیا، اور یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ جب کسی میں ان مظالم کو روکنے کی طاقت نہیں ہے تو ان کے ساتھ رہنا کہاں تک مناسب ہے، خدا ان کے مظالم کی سزا میں ایک نہ ایک دن ان پر عذاب نازل کرے گا، عروہ نے علی بن حسین سے کہا کہ جو شخص ظالموں سے علیحدہ رہے گا، اور خدا اس کی اس کی بیزاری سے واقف ہوگا تو امید ہے کہ جب خدا ان کو کسی مصیبت میں مبتلا کرے گا، تو ظالموں سے علیحدہ رہنے والا شخص خواہ ان سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ہو، اس مصیبت سے محفوظ رہے گا،[۱] اس گفتگو کے بعد عروہ مدینہ چھوڑ کر عقیق چلے گئے،[۱] لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا ان کی مسجدیں لہو ولعب اور ان کے بازار لغویات کا گہوارہ ہیں، اور ان کے راستوں میں بے حیائیوں کی گرم بازاری ہے،[۲]

مصر کا قیام، ابن یونس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عروہ سات سال تک مصر میں بھی رہے،[۳]

فضل وکمال، عروہ ان اسلاف اور ان بزرگوں کی یادگار تھے جو علم وعمل کا مجمع البحرین تھے، ان کے والد زبیر بن عوام حواری رسول تھے، ان کے نانا صدیق اور خلیل رسول تھے، ان کی خالہ عائشہ ام المومنین تھیں، ان کی ماں اسماء کو زبانِ رسالت سے ذات النطاقین کا خطاب ملا تھا، ان کے بڑے بھائی عبداللہ بڑے صاحبِ علم صحابی تھے، غرض ان کا سارا گھرانا علم وعمل اور مذہبی اور اخلاقی فضائل وکمالات کا پیکر تھا، عروہ نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی اور اسی میں پرورش پائی، اس لئے یہ دولت گویا انھیں وراثۃً ملی تھی، اور ان کا دامن حلیہ علمی اور اخلاقی فضائل سے مالامال تھا، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کے مناقب بے شمار ہیں،

۱؎ ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۵، ۲؎ مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۳۲،

۳؎ تہذیب ج ، ص ۱۸۵،

ان کی جلالت، علوے مرتبت اور وفورِ علم پر سب کا اتفاق ہے[1]، حافظ ذہبی انھیں امام اور عالم مدینہ لکھتے ہیں[2]، انھیں حدیث اور فقہ دونوں علوم میں یکساں کمال حاصل تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں،

کان ثقۃ کثیرا لحدیث فقیھا عالیا مامونا ثبتا[3]،

حدیث | عروہ کے والد، بھائی، ماں، خالہ وغیرہ بیشتر قریب اعزہ احادیث نبوی کے رکنِ اعظم تھے، عروہ نے ان سب سے فیض اٹھایا تھا[4]، حضرت عائشہؓ کے خرمن کمال سے جو حدیث نبوی کی سب سے بڑی حافظ تھیں، خصوصیت کے ساتھ خوشہ چینی کی تھی، قبیصہ کا بیان ہے کہ عروہ عائشہ کے پاس ہم سب سے زیادہ آتے جاتے تھے، اور عائشہؓ اعلم الناس تھیں[5]، انھوں نے قریب قریب حضرت عائشہؓ کا پورا علمی ذخیرہ اپنے سینہ میں محفوظ کر لیا تھا، ان کا خود بیان ہے کہ میں نے عائشہؓ کی وفات سے چار پانچ سال پہلے ان کی کل حدیثیں محفوظ کر لی تھیں، اگر ان کا انتقال اسی وقت ہو گیا ہوتا، تو مجھے ان کی کسی حدیث کے باقی رہجانے کا افسوس نہ ہوتا کیونکہ ان کی کل احادیث میرے سینہ میں محفوظ ہو چکی تھیں[6]،

حدیث میں وسعتِ علم کے لئے تنہا حضرت عائشہؓ کی احادیث کافی ہیں، عروہ ان کے علاوہ اکابر صحابہ میں زید بن ثابتؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، اسامہ بن زیدؓ، ابو ایوب انصاریؓ، ابوہریرہؓ، سعید بن زیدؓ، عمرو بن نفیلؓ، حکیم بن حزامؓ، ہشام بن حکیمؓ، جابر بن عبد اللہؓ، مسور بن مخرمہؓ، حسن بن علیؓ، نعمان بن بشیرؓ، عمرو بن العاصؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، عمرو بن سلمہؓ، امہات المومنین میں حضرت عائشہؓ کے علاوہ ام المومنین ام سلمہؓ، اور ام حبیبہؓ وغیرہ اور تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت سے فیضیاب ہوئے تھے[7]،

---

[1] تہذیب الاسماء ج اق ۱ صہ ۳۳۲، [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول صہ ۵۳، [3] ابن سعد ج ۵ صہ ۱۳۳، [4] تہذیب التہذیب ج ۷ صہ ۱۸۱، [5] ایضاً صہ ۱۸۲، [6] ایضاً، [7] ایضاً صہ ۱۸۱،

ان بزرگوں کے فیض نے عروہ کا دامنِ علم نہایت وسیع کر دیا تھا، ابن شہاب زہری کہتے تھے کہ عروہ حدیث کا بحرِ ذخار تھے[1]، عروہ کے صاحبزادے ہشام جو خود بہت بڑے محدث تھے کہتے کہ ہم نے والد کی احادیث کے دو ہزار حصوں میں ایک حصہ بھی حاصل نہیں کیا[2]

فقہ، عروہ کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا، اس فن کو بھی انھوں نے اپنی خالہ عائشہؓ سے حاصل کیا تھا[3]، اور اس میں ان کو اتنا کمال حاصل تھا کہ مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک فقیہ مانے جاتے تھے، فقیہ المدینۃ احد الفقہاء السبعۃ فقہاء المدینۃ[4]،

فقہ میں تصانیف، آپ نے فقہ میں کتابیں بھی تالیف کی تھیں، ان میں سے بعض حرہ کے ہنگامہ کے زمانہ میں جب یزیدی لشکر نے مدینۃ الرسول کو لوٹا تھا خود جلادیں[5]، لیکن بعد میں ان کے جلانے کا افسوس ہوا، چنانچہ فرماتے تھے کہ ہم لوگ کتاب اللہ کی موجودگی میں، دوسری کتاب نہیں لکھتے تھے، اس لئے میں نے اپنی کتابیں ضائع کر دیں، لیکن اب خدا کی قسم میری یہ خواہش ہے کہ میری کتابیں میرے پاس موجود ہوتیں، اور خدا کی کتاب اپنی جگہ پر دائم وقائم رہتی ہے[6]

بعض اقوال، آپ کے بعض اقوال نہایت حکیمانہ ہیں، فرماتے تھے، کہ جب آدمی میں تم ایک اچھائی دیکھو تو اس سے محبت کرو اور یقین کرو کہ اس میں اور اچھائیاں ہونگی، اور اگر کوئی برائی دیکھو تو اس سے نفرت کرو اور یقین رکھو کہ اس میں ایسی اور برائیاں بھی ہوں گی[7]

[1] تہذیب التہذیب ج ۷، صـ۱۸۲ [2] تہذیب الاسماء ج اول ق اول صـ۳۳۲، [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول صـ۵۳، [4] تہذیب الاسماء ج اول ق اول صـ۳۳۱، [5] ابن سعد ج ۵ صـ۱۳۳، [6] تہذیب التہذیب ج ۷، صـ۱۸۳، [7] مختصر صفوۃ الصفوہ صـ۱۳۱،

صحابہ کا استفادہ، ان کا فقہی کمال اس قدر مسلم تھا کہ بڑے بڑے صحابہ رسول مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے[۱]

احتیاط، لیکن اس کمال کے باوجود عروہ اس قدر محتاط تھے کہ کوئی مسئلہ محض رائے سے نہ بیان کرتے تھے[۲]

ترغیب علم، آپ نوجوانوں کو تحصیلِ علم کی ترغیب دلاتے تھے کہ ہم لوگ بھی ایک زمانہ میں چھوٹے تھے، آج وہ دن آیا کہ ہمارا شمار بڑوں میں ہے، تم بھی گو آج کم سن ہو لیکن ایک زمانہ آئیگا جب بڑے ہوگے، اس لئے علم حاصل کرکے سردار بن جاؤ، کہ لوگوں کو تمہاری احتیاج ہو[۳]

فضائلِ اخلاق، اس علم کے ساتھ خدا نے عروہ کو عمل کی دولت سے بھی نوازا تھا، وہ اپنے اسلاف کرام کا نمونہ تھے، عجلی کا بیان ہے کہ عروہ صالح آدمی تھے[۴] ابن شہاب زہری کا قول ہے کہ وہ علمائے خیر میں تھے[۵]

عبادت وریاضت، بڑے عابد وزاہد تھے، ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ ان کی ذات میں علم وسیادت اور عبادت سب جمع تھیں[۶] تہجد اس التزام کے ساتھ پڑھتے تھے، کہ ایک شب کے علاوہ جب ایک مرض کے سلسلہ میں جس کا ذکر آیندہ آئیگا، ان کا پاؤں کاٹا گیا اور کبھی ناغہ نہ ہوئی[۷] عید الفطر اور عید الاضحی کے ممنوعہ ایام کے علاوہ باقی بارہوں مہینے روزہ رکھتے تھے، سفر کی حالت میں بھی نہ چھوٹتا تھا، مرض الموت میں بھی اس معمول میں فرق نہ آیا، چنانچہ انتقال کے دن بھی روزے سے تھے[۸]

تلاوتِ قرآن محبوب ترین مشغلہ تھا، ایک چوتھائی قرآن دن کو ناظرہ پڑھتے تھے باقی

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۱۸۳، [۲] ایضاً، [۳] ایضاً صفحہ ۱۸۲، [۴] ایضاً صفحہ ۱۸۲، [۵] ابن خلکان ج اول صفحہ ۳۱۵
[۶] شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۱۰۳، [۷] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۵۸، [۸] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۳۴،

رات کو تہجد میں تمام کرتے تھے[۱]

صبر و استقامت: صبر و استقامت کا مجسم پیکر تھے، بڑی سے بڑی آزمائش اور تکلیف کے موقع پر زبان سے اُف نہ نکلتی تھی، ایک مرتبہ عبد الملک کے پاس شام گئے ہوئے تھے، ان کے لڑکے محمد بھی ساتھ تھے، وہ شاہی اصطبل دیکھنے گئے، ایک جانور نے ان کو پٹک دیا، اس کے صدمہ سے وہ اسی وقت جاں بحق ہو گئے، اس کے بعد ہی عروہ کے پاؤں میں ایک خراب قسم کا زہریلا زخم پیدا ہو گیا، اطبا نے پاؤں کاٹے جانے کا مشورہ دیا، اور نہ کاٹے جانے کی صورت میں تمام جسم میں زہر پھیل جانے کا اندیشہ ظاہر کیا، عروہ اگرچہ اس وقت ضعیف ہو گئے تھے، لیکن انھوں نے جوانوں سے زیادہ ہمت و استقلال سے پاؤں کٹوا دیا، اور ابرو پر شکن تک نہ آئی، پاؤں کاٹنے سے پہلے طبیب نے کہا تھوڑی سی شراب پی لیجئے، تاکہ تکلیف کا احساس کم ہو، فرمایا، جس مرض میں مجھکو صحت کی امید ہو اس میں بھی حرام شے سے مدد نہ لوں گا، اس نے کہا تو پھر غافل کر دینے والی دوا ہی استعمال کر لیجئے، فرمایا میں یہ بھی نہیں پسند کرتا، کہ میرے جسم کا ایک عضو کاٹا جائے، اور میں اسکی تکلیف محسوس نہ کروں، آپریشن کے وقت چند آدمی سنبھالنے کے لئے آئے، عروہ نے پوچھا تمہارا کیا کام ہے، انھوں نے کہا زیادہ تکلیف کے وقت صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے، اس لئے آپ کو سنبھالنے کے لئے آئے ہیں، فرمایا مجھکو امید ہے کہ تمہاری امداد کی ضرورت نہ ہو گی، غرض کسی قسم کی امداد قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، اور نہایت استقلال کے ساتھ پاؤں کو کٹوا دیا، جس وقت پاؤں ٹخنوں سے الگ کیا گیا، اس وقت زبان پر تسبیح و تہلیل تھی، جب خون بند کرنے کے لئے زخم کو داغا گیا، اس وقت شدت

---

[۱] تہذیب التہذیب ج، صد ۱۸۳،

تکلیف میں بے ہوش ہوگئے لیکن پھر جلد ہوش آگیا، اور چہرہ کا پسینہ پوچھتے ہوئے کٹے ہوئے پاؤں کو منگا کر دیکھا، اور اس کو الٹ پلٹ کر اس سے خطاب کر کے فرمایا، "اس ذات کی قسم جس نے تجھ سے میرا بوجھ اٹھوایا، وہ خوب جانتا ہے کہ میں تیرے ساتھ کسی حرام راستہ پر گامزن نہیں ہوا[1]،

صبر و شکر، ان پیہم حوادث اور مصائب کے باوجود زبان شکوہ و شکایت سے آلودہ نہ ہوئی بلکہ ہمیشہ خدا کا شکر ہی ادا کرتی رہی، چنانچہ ان آزمائشوں پر فرماتے تھے کہ خدایا تیرا شکر ہی کہ میرے چار ہاتھ پاؤں میں سے تو نے ایک ہی کو لیا، اور تین باقی رکھے، اور چار لڑکوں میں سے ایک ہی لیا اور تین باقی رکھے، اگر تو نے کچھ لیا ہے، تو بہت کچھ باقی رکھا ہے، اگر کچھ مصیبت میں مبتلا کیا ہے، تو بہت دنوں عافیت میں بھی رکھ چکا ہے[2]،

دولتِ دنیا سے بے نیازی، ان کی نگاہ میں دولت دنیا اور چند روزہ عیش و تنعم کی کوئی وقعت نہ تھی، اسی لئے انھوں نے خدا سے کبھی دنیا نہیں مانگی، ایک مرتبہ امیر معاویہ کے زمانے میں یہ ان کے بھائی عبداللہؓ اور مصعب بن زبیرؓ اور عبدالملک چاروں آدمی مسجد حرام میں جمع تھے، کسی نے تجویز پیش کی کہ ہم لوگ اس گھر میں خدا کے روبرو اپنی اپنی آرزوئیں پیش کریں سب نے اسے پسند کیا، سب سے پہلے عروہ کے بھائی عبداللہؓ نے کہا کہ میری آرزو یہ ہے کہ میں حرم کا بادشاہ ہو جاؤں اور مجھے تختِ خلافت ملے، ان کے بعد انکے دوسرے بھائی مصعب نے کہا کہ میری تمنا یہ ہے کہ قریش کی دونوں حسین عورتیں سکینہ بنت حسین اور عایشہ بنت طلحہ میرے عقد میں آجائیں، ان کے بعد عبدالملک نے کہا میری آرزو یہ ہے کہ میں کل روے زمین کا بادشاہ ہو جاؤں اور امیر معاویہ کا جانشین بنوں، سب سے اخیر

[1] ابن خلکان ج اول صد ۳۱۶ و صد ۳۱۷، [2] مختصر صفوۃ الصفوہ صد ۱۳۱،

میں عروہ نے کہا مجھے تم لوگوں کی خواہشات میں سے کچھ نہ چاہئے، میں دنیا میں زہد آخرت میں کامیابی اور علم چاہتا ہوں[1]،

خدا نے ان چاروں کی دعا قبول کی، ابن زبیرؓ حرم کے بادشاہ ہوئے، اور سات برس تک خلیفہ رہے، سکینہ اور عائشہ دونوں مصعب کے عقد میں آئیں، عبدالملک سندھ سے لیکر اسپین تک کا فرماں روا ہوا، اور امیر معاویہ کی قائم کردہ سلطنت کا وارث بنا، اور عروہ کو خاصانِ خدا کا مرتبہ ملا،

تمول اور فارغ البالی، اگرچہ عروہ خود دولتِ دنیا سے بے نیاز اور بے پرواہ تھے، لیکن خدا نے ان کو اس سے وافر حصہ دیا تھا، وہ بڑے صاحب ثروت تھے، ان کے والد حضرت زبیر بن عوامؓ عرب کے متمول ترین آدمی تھے، اپنے بعد کئی کرور کی دولت چھوڑی، یہ تمام دولت ان کے بیٹوں کو ملی، جن میں ایک عروہ بھی تھے، حضرت زبیرؓ کی دولت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کی چار بیویوں کو آٹھویں حصہ میں بارہ بارہ لاکھ ملا تھا[2]،

فیاضی و سیر چشمی، خدا نے عروہ کو جس فیاضی سے دولت عطا فرمائی تھی ویسے ہی وہ فیاض بھی تھے، ان کے کھجوروں کے باغات تھے، کھجوروں کی فصل میں باغ کی دیوار توڑوا دیتے تھے اور ہر شخص کے لئے صلائے عام ہو جاتی، لوگ آکر کھاتے تھے، اور باندھ باندھ کر ساتھ لیجاتے تھے[3]،

خوش لباسی اور نفاست، عروہ اگرچہ بڑے عابد و زاہد تھے لیکن مزاج میں نفاست بہت تھی، روزانہ غسل کرتے تھے، کپڑے نہایت بیش قیمت پہنتے تھے، گرمیوں میں جسم پر سندس کی قبا ہوتی تھی جسمیں حریر کا استر ہوتا تھا، خز کی چادر اُوڑھتے تھے[4]،

وفات، ۹۴؁ھ میں نواحِ مدینہ میں اپنے علاقہ مجاح میں انتقال کیا[5]،

---

[1] ابن خلکان ج ۱ ص ۳۱۷، [2] بخاری کتاب المغازی باب برکۃ الغازی فی مالہ، [3] مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۳۱، [4] ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۴
[5] ایضاً ص ۱۳۵،

۴۶۔ عطاء بن ابی رباح

نام ونسب، عطا نام، والد کا نام اسلم اور ابو رباح کنیت عطار کی کنیت ابو محمد تھی، یمن کے مردم خیز قصبہ جند میں حضرت عثمانؓ کے آغازِ خلافت میں پیدا ہوئے، اور مکہ میں نشو ونما پائی، آل میسرہ بن ابی خیثم فہری کے غلام تھے،

فضل وکمال، فضل وکمال اور زہد وورع کے لحاظ سے عطا بڑے جلیل القدر تابعی تھے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ عطا فقہ، علم وورع اور فضل کے لحاظ سے ساداتِ تابعین میں تھے، حجت امام اور کبیر الشان تھے[۱] علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ مکہ کے مفتی اور مشہور ائمہ میں تھے، بڑے بڑے ائمہ ان کے علمی کمالات کے معترف تھے[۲]، امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ علم کا خزانہ خدا اسی کو دیتا ہے جسے محبوب رکھتا ہے، اگر علم کسی کے ساتھ مخصوص ہوتا تو عالی نسب اس کے زیادہ حقدار تھے، لیکن عطا حبشی غلام تھے، یزید بن حبیب نوبی تھے حسن بصری اور ابن سیرین غلام تھے[۳]،

امام اوزاعی کہتے تھے کہ عطار نے جس وقت انتقال کیا، اس وقت وہ لوگوں میں روئے زمین کے سب سے زیادہ پسندیدہ آدمی تھے[۴]،

قرآن، ان کو قرآن، حدیث، فقہ جملہ مذہبی علوم میں پوری دستگاہ حاصل تھی، کان ثقۃ فقیھا عالما کثیر الحدیث...... کان یعلم القرآن[۵]، قرآن کا مستقل درس دیتے تھے،

۱؎ تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۲۰۳، ۲؎ تہذیب الاسماء نووی ج ۱ ص ۳۳۳، ۳؎ مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۵۸، ۴؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۲، ۵؎ ابن سعد ج ۵ ص ۳۴۴،

حدیث، | حدیث کے مشہور حفاظ میں تھے، حافظ ذہبی نے انکے حالات طبقہ اول کے حفاظ میں لکھے ہیں علامہ
ابن سعد کثیر الحدیث لکھتے ہیں، حدیث میں انھوں نے صحابہ میں عبداللہ بن عباسؓ، ابن عمرؓ،
ابن عمرو بن العاصؓ، ابن زبیرؓ، معاویہؓ، اسامہ بن زیدؓ، جابر بن عبداللہؓ، زید بن ارقمؓ، عبداللہ بن
سائبؓ مخزومی، عقیل بن ابی طالبؓ، عمرو بن ابی سلمہؓ، رافع بن خدیجؓ، ابو درداؓ، ابو سعید خدریؓ
ابوہریرہؓ، ام المومنین عائشہ صدیقہؓ، اور ام ہانیؓ کے خرمن کمال سے خوشہ چینی کی تھی،

عام علماء میں ابو صالح السمان، سالم بن شوال، صفوان بن یعلی بن امیہ، عبید بن عمیر
عروہ بن زبیر، ابن ابی ملیکہ، عمار بن ابی عمار، ابو الزبیر، موسیٰ بن انس، حبیب بن ابی ثابت وغیرہ
سے سماعِ حدیث کیا تھا[۱]،

تلامذہ، | حدیث میں آپ سے فائدہ اٹھانے والون کی فہرست بہت طویل ہی، بعض کے نام یہ
ہیں، ابو اسحق سبیعی، زہری، مجاہد، ایوب سختیانی، اعمش، اوزاعی، ابن جریج، ابو الزبیر، حکم بن
عتبہ، ابو حنیفہ وغیرہ[۲]،

آداب سماع حدیث، | حدیثِ رسول کا اتنا احترام تھا کہ تذکرۂ حدیث کے درمیان میں بولنا سخت
ناپسند کرتے تھے اور اس پر برہم ہوتے تھے، معاذ بن سعید الاعور کا بیان ہی کہ ایک مرتبہ ہم لوگ عطاء کے
پاس تھے، ایک شخص نے حدیث بیان کی، ایک دوسرا شخص درمیان میں کچھ بولا، عطاء سخت برہم
ہوئے اور کہا یہ کون سا اخلاق اور کون سی طبیعت ہے، خدا کی قسم آدمی اس لئے حدیث بیان
کرتا ہے، کہ اس سے ہم کو علم حاصل ہو، اگر کوئی حدیث سناتا ہی، تو خواہ وہ حدیث مجھی سے سنی
ہوئی ہو، میں اس کو اس خاموشی سے سنتا ہوں کہ بیان کرنے والے کو یہ معلوم ہو کہ میں نے اس سے
پہلے نہیں سنی تھی، عمرو بن عاصم کہتے ہیں کہ میں نے عطاء کی یہ باتیں عبداللہ بن مبارک سے

[۱] تہذیب التہذیب ج ۷، صہ ۱۹۹، [۲] ایضاً صہ ۲۰۰،

نقل کیں تو انھوں نے سنکر کہا کہ میں اس وقت تک جوتا نہ اتاروں گا جب تک خود جا کر اس مہدی سے نہ سنوں گا،[1]

ان کی روایات کے بارہ میں ائمہ کی رائے، | امام باقر لوگوں کو ترغیب دیتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے عطاء سے حدیثیں لیا کرو،[2]

فقہ، | آپ کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا، آپ کے تفقہ پر تمام فقہاء محدثین اور ائمۂ فن کا اتفاق ہے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ فقہ میں سادات تابعین میں تھے[3] ربیعہ جو خود بہت بڑے فقیہ تھے، کہتے تھے کہ عطاء فتاوی میں تمام اہل مکہ پر فائق تھے، محمد بن عبد اللہ الدیباج کہتے تھے کہ میں نے عطاء سے بہتر مفتی نہیں دیکھا[4] امام الفقہاء امام اعظم فرماتے تھے کہ میں نے عطاء سے افضل کسی کو نہیں پایا،[5] اکابر صحابہ تک ان کے تفقہ کے معترف تھے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، اور ابن عمرؓ جب مکہ تشریف لاتے اور سائلین ان کی خدمت میں پہنچتے تو عبد اللہ بن عباسؓ ان سے کہتے کہ عطا تمہارے یہاں موجود ہیں، اور تم لوگ میرے پاس آتے ہو[6] حضرت ابن عمرؓ فرماتے کہ تم میں ابن ابی رباح موجود ہیں اور تم لوگ مجھ سے پوچھنے کے لئے مسائل اٹھا رکھتے ہو۔[7]

ان کے زمانہ میں صرف دو شخص مکہ کی مسندِ افتا کی زینت تھے، ایک یہ اور دوسرے مجاہد، لیکن زیادہ امتیاز انہی کو حاصل تھا،[8]

احتیاط فی الفتوی، | لیکن اس کمال کے باوجود وہ اتنے محتاط تھے کہ مسائل میں اپنی رائے کبھی نہ دیتے تھے، اگر اس کے متعلق کوئی سند نہ ہوتی تو صاف کہدیتے کہ مجھے نہیں معلوم، عبد العزیز

---

[1] ابن سعد ج ۵ صـ ۳۴۵، [2] تہذیب الاسماء ج اول صـ ۳۳۴، [3] تہذیب التہذیب ج ۷، صـ ۲۰۳،
[4] ایضاً صـ ۲۰۱، [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول صـ ۸۶، [6] تہذیب التہذیب ج ۷، صـ ۲۰۱،
[7] تہذیب الاسماء نووی ج اول صـ ۳۳۴، [8] ابن سعد ج ۵ صـ ۳۴۶،